پہلی صلیبی جنگ مکمل
صادق حسین صدیقی

پہلی صلیبی جنگ مکمل

حصہ اوّل، دوم

صادق حسین صدیقی

مکتبہ القریش قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	:	کلاسکس کمپیوٹرز
تعداد	:	600
سن اشاعت	:	2002ء
قیمت	:	-/150 روپے

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

ISBN 969-38-0442-2

پہلا باب

بڈھا راہب

یروشلم یعنی بیت المقدس کے عیسائی باشندے نہایت خوش تھے۔ وہ صبح ہوتے ہی عورتیں، مرد بچے اور بوڑھے سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اچھا اچھا لباس پہن کر سڑکوں، راستوں اور بازاروں کے سروں پر امڈ آئے تھے اور دور یہ کھڑے کسی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ہم ۴۸۴ھ مطابق 1092ء کے واقعات قلم بند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں یروشلم یا بیت المقدس حکومت مصر کے ماتحت تھا اور مصر میں مستنصر علوی خلیفہ تھے لیکن کچھ ایسے اسباب پید ہو گئے تھے جن سے یہ خلافت یا حکومت بہت کچھ کمزور ہو چکی تھی۔ اس حکومت کے علاوہ اور بھی اسلامی حکومتیں تھیں۔ ایک بغداد میں جس کا سلطان مستنصر باللہ تھا اور یہ بھی خلافت کے مدعی تھے۔ دوسری ارض روم میں تھی جس کا سلطان قزل ارسلان سلجوقی تھا۔

ان تینوں اسلامی حکومتوں میں برائے نام بھی اتفاق و اتحاد نہ تھا۔ گویا ہر ایک سلطنت اپنے اپنے حال میں گرفتار تھی۔ یروشلم کے عیسائی باشندے بہت خوش تھے۔ ان کے چہرے فرط مسرت سے چمک رہے تھے۔

خوشنما لباس ہوا اور دھوپ میں لہرا اور جگمگا رہے تھے اگرچہ بیت المقدس میں اسلامی حکومت تھی لیکن مسلمان کم تھے اور وہ عیسائیوں کے کسی معاملہ میں بھی دخل نہ دیتے تھے نہ انہیں اس کی جرات تھی اور نہ ہی وہ اسے مناسب سمجھتے تھے۔ اس لئے حکومت برائے نام تھی۔ تمام مسلمان اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ بیت المقدس وہ مبارک مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور جس جگہ آپ نے پرورش پائی۔ عیسائی دنیا کو وہ جگہ ایسی ہی محبوب و مرغوب ہے جیسے کہ مسلمان خانہ کعبہ (مکہ معظمہ) اور مدینۃ الرسول (مدینہ منورہ جسے یثرب بھی کہتے ہیں)۔ بیت المقدس میں ایک عیسائی پیشوا یعنی مذہبی رہنما بھی رہتا تھا۔ جسے بطریق کہتے تھے۔ تمام عیسائی اس کی عزت و وقعت کرتے تھے۔ جو حکم وہ دے دیتا تھا اس کی تعمیل ہر عیسائی پر فرض ہو جاتی تھی۔

اس وقت عیسائیوں کا مذہب رومن کیتھولک تھا۔ اس مذہب والے حضرت عیسیٰ اور حضرت

مریمؑ وغیرہ کی تصاویر عبادت خانوں میں رکھتے تھے اور ان تصویروں کے سامنے سر جھکانا اور انہیں سجدہ کرنا عین ثواب سمجھتے تھے۔ اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہر عیسائی اول تو ہر ہفتہ اور ہر ہفتہ نہ سہی تو ہر سال اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کسی پادری یا راہب کے سامنے کر کے اس سے معافی حاصل کر لے اس طرح وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جائے گا خواہ اس نے کیسا ہی کبیرہ گناہ کیوں نہ کیا ہو۔

عیسائیوں میں یہ بھی دستور ہے کہ جو عورت یا مرد گرجا میں داخل ہو کر اپنی زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کرنا چاہیں وہ ساری عمر شادی نہیں کر سکتے۔ مجرد رہتے ہیں لیکن اگر کوئی بدبخت شادی کرنے پر تیار ہو جائے تو گرجا کے قانون کی رو سے اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے۔ بسا اوقات ایسی سزا سزائے موت ہوتی ہے۔ ایسے عبادت گزاروں میں سے مردوں کو پادری یا راہب اور عورتوں کو نن کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ بھی قاعدہ تھا کہ اگر کسی مرد نے پادری یا کسی عورت نے نن بننے کا ارادہ کر لیا تو وہ اپنے ارادہ سے پھر نہ سکتے تھے۔ علی العموم کنواری لڑکیاں نن بنائی جاتی تھیں۔ نن یا پادری بننے والوں پر دنیا کی تمام لذتیں حرام ہو جاتی تھیں۔ اکثر بوڑھے پادری اپنے جسموں کو کوڑوں یا زنجیروں سے اذیت دیا کرتے تھے اور اسے وہ ریاضت سے تعبیر کرتے تھے۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے تھے اور انہیں یہودیوں نے صلیب پر چڑھا کر پھانسی دیدی۔ اس وجہ سے عیسائی یہودیوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیت المقدس کے عیسائی مرد، عورتیں، لڑکے، لڑکیاں، پادری اور دنیا دار سب اچھے اچھے کپڑے پہنے راستوں کے دونوں طرف کھڑے شہر پناہ کے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے مجمع میں کسی ایک مسلمان کا بھی پتا نہ تھا۔

آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ ہر طرف اور ہر چیز پر پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائی عورتوں اور لڑکیوں کے چہرے دھوپ میں جگمگا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک عظیم شور بلند ہوا۔ اس شور کو سنتے ہی تمام مرد، عورتیں اور بچے پنجوں کے بل کھڑے ہو ہو کر دیکھنے لگے۔ انہیں سامنے سے چند پادری قسم کے لوگ آتے نظر آئے جن کے آگے آگے اول پادریوں کی صفیں اور ان کے پیچھے ننوں کی قطاریں تھیں۔ تمام پادری اور ساری ننیں نہایت خوش تھیں اور فرط مسرت سے ان کی رگوں میں خون دوڑ رہا تھا اور اس دوران خون نے ان کے چہروں میں ہلکی سرخی اور آنکھوں میں چمک پیدا کر دی تھی۔

یہ مقدس گروہ اطمینان اور استقلال سے قدم قدم چلے آ رہے تھے۔ پادریوں اور ننوں

دونوں کے لباس سفید تھے۔ جب یہ لوگ کسی قدر شہر میں بڑھ آئے تو تماشائیوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ''پیٹر زندہ باد'' ۔''پیٹر کی عمر دراز'' پیٹروی ہرمٹ سرزمین یورپ کی زمین یا اس کے نواح کا رہنے والا تھا۔ وہ مشہور مذہبی پیشوا یعنی پادری یا راہب تھا۔ اپنا تقدس بڑھانے کے لئے بیت المقدس کا حج کرنے آیا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی دنیا بیت المقدس کو نہایت پاک اور قابل احترام مقام سمجھتی ہے اور اس لئے جس طرح مسلمان بیت اللہ یعنی مکہ معظمہ کا حج کرتے ہیں اسی طرح سے عیسائی بیت المقدس کا حج کرنا فرض اور ثواب سمجھتے ہیں لیکن جس طرح بیت المقدس عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہے اسی طرح مسلمان بھی اسے قابل احترام سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ اس جگہ حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ مسجد اقصیٰ یہی ہے۔ اسی جگہ سے آنحضور صلعم کو معراج[1] ہوئی۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

سُبحَانَ الَّذِی اَسرٰیٰ بِعَبدِہٖ لَیلاً مِّنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَی المَسجِدِ الاَقصیٰ O

(یعنی ''پاک ہے وہ ذات کہ اپنے بندہ حضرت محمد صلعم کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔'')

اس میں حضرت سلیمانؑ کا تخت اور حضرت داؤدؑ علیہ السلام کا محراب ہے۔ اسی میں چشمہء سلوان ہے جسے دیکھنے والے کو حوض کوثر یاد آ جاتا ہے۔ اسی میں وہ بلند قبہ ہے جس میں وہ مقدس پتھر محفوظ ہے جس سے براق آنحضور صلعم کو آسمان کی طرف لے گیا تھا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا قبلہ بھی یہی ہے۔ اسی کے ایک دروازہ کا نام باب الرحمتہ ہے جس میں داخل ہونے والا بہشت کا حقدار بن جاتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس مقدس زمین میں کس قدر پیغمبروں اور اولیاء اللہ نے عمریں گزاریں۔ کس قدر علماء، فضلاء اور صلحا اس میں مدفون ہیں۔ یہ برکتوں کا سرچشمہ اور خوشیوں کا پرورش گاہ ہے۔ اس میں حضرت مریمؑ کا وہ محراب ہے جس کے متعلق پروردگاہ عالم نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ (ترجمہ: ''یعنی جب جاتا زکریا پاس اس کے یعنی مریمؑ کے محراب میں پاتا پاس اس کے رزق'')

اسی میں وہ مسجد اقصیٰ ہے جس کی تعریف خداوند عالم نے کی ہے اور جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پیغمبروں کی امامت کی۔ الغرض عیسائیوں سے زیادہ مسلمان اس کا احترام کرتے اور اسے مقدس مانتے تھے۔ پیٹر یورپ سے اس کا حج کرنے آیا تھا اور بیت المقدس کے تمام عیسائی اس کا استقبال کرنے کے لئے راستوں اور بازاروں میں آ کر کھڑے

---

[1] معراج کا مفصل حال دیکھنا ہو تو ہمارا مشہور ناول ''آفتاب عالم'' ملاحظہ فرمائیے۔ (صادق صدیقی)

ہو گئے تھے۔

پیٹر پستہ[1] قد سیاہ فام اور نازک اندام تھا۔ وہ بوڑھا تھا اس کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ ایک خچر پر سوار تھا۔ سفید رنگ کا خچر تھا۔ اس کے خچر کی باگ بطریق پکڑے ہوئے تھا۔ وہ یورپ سے تنہا نہ آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ کئی پادری اور بہت سی ننیں آئی تھیں۔ تمام پادری اور ساری ننیں اس کے پیچھے تھیں۔ وہ خوش ہو ہو کر ادھر ادھر دیکھتا، لوگوں کے سلام کا جواب، دیتا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ جس طرف سے اس کی سواری گزرتی تھی۔ لوگ جھکتے چلے جاتے تھے۔ اکثر جو زیادہ خلوص رکھنے والے تھے وہ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ اس کی سواری فلک بوس نعروں اور انسان پرستی کے منظروں سے گزر کر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش گاہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آخر جب وہ اس مبارک مقام پر پہنچا تو اس نے اس میں سے چند مسلمانوں کو باہر نکلتے دیکھا۔ وہ خچر سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی خاموشی غصہ میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے بطریق سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''کیا کافر بھی اس مبارک اور مقدس مقام پر آتے ہیں۔''

عیسائی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ بطریق نے افسوسناک لہجہ میں کہا۔ ''ہاں! آتے ہیں۔ مقدس باپ کوئی انہیں روک نہیں سکتا۔''

پیٹر غصہ میں بھرا کھڑا تھا۔ اس نے دریافت کیا۔ ''کیوں نہیں روک سکتے؟''

بطریق: ''اس لئے کہ اسلامی حکومت ہے۔ مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ ہمارے تمام مقدس مقامات میں آزادی سے آ جا سکیں۔''

اب پیٹر کا غصہ جاتا رہا اور رنج و افسوس کی علامتیں اس کے چہرے سے ظاہر ہوئیں۔ اس نے کہا۔ ''افسوس ہمارے مقدس مقامات کی ہماری آنکھوں کے سامنے بے حرمتی کی جاتی ہے۔''

بطریق نے جو مسلمانوں سے ناراض تھا کہا۔ ''جی ہاں! ہم بے حرمتی دیکھتے ہیں اور خون کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔''

پیٹر: ''اس سے زیادہ ہماری بے بسی اور بے کسی کیا ہو گی؟''

اس نے لمبا ٹھنڈا سانس لیا اور اندر داخل ہوا۔ اندر جاتے ہی وہ سجدہ میں گر گیا اور رونے لگا۔ روتا رہا۔ بلند آواز سے سسکیاں بھر بھر کر۔ اسے روتے ہوئے دیکھ کر اس کے ساتھی بھی آنسو بہاتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد پیٹر نے کہا۔

''خداوند: اے خدا کے پاک بیٹے! کس قدر افسوسناک بات ہے کہ اس مقدس مقام کو ناپاک کرنے کے لئے وہ کافر آتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اے خدا کی پاک

[1] از کروسیڈ وار (صلیبی لڑائیاں) صفحہ 21

روح! اپنے آسمانی باپ سے سفارش کر کہ وہ ہمیں یعنی عیسائیوں کو اتنی جرات، ہمت اور قوت عطا فرمائے جس سے ہم اس مقدس مقام کو جہاں تو پیدا ہوا جس جگہ تو رہا اور جہاں تو صلیب دیا گیا غیر عیسائیوں کے قدموں سے محفوظ رکھ سکیں۔''

یہ دعا مانگ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ تمام وہ لوگ جو وہاں کھڑے تھے۔ رو رہے تھے۔ اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''رونے سے کام نہیں چلتا۔ تمہیں اس مقدس مقام کے احترام کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو جانا چاہیے۔''

ہر طرف سے آوازیں آئی۔ ''ہم تیار ہیں!!''

پیٹر نے کہا۔ ''خدا اور خداوند تمہاری مدد کریں گے۔''

اب وہ وہاں سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس کے ساتھی اور اس کی زیارت کرنے والے بھی باہر نکل آئے اور اس کے ساتھ گرجا کی طرف روانہ ہوئے۔ اس گرجا کی طرف جو سب سے بڑا اور باعظمت گرجا تھا۔ جس میں حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم بھی تشریف لے گئے تھے۔ اس گرجا کا ہر کمرہ نہایت وسیع تھا۔ خصوصاً وہ کمرہ جس میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ بہت کشادہ تھا۔ اسی کمرہ میں قربان گاہ تھی اور قربان گاہ کے قریب ہی ماء محمودیہ (وہ پانی جس کے چھینٹے کسی کو عیسائی کرتے یا بپتسمہ دیتے وقت دیئے جاتے ہیں) رکھا تھا۔

پیٹر قربان گاہ کے سامنے جا کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا اور انجیل مقدس کی آیات آہستہ آہستہ پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا۔ بطریق نے بڑھ کر کہا۔

''حضور! ایک یہودی لڑکی عیسائی ہو کر نن بننا چاہتی ہے۔''

پیٹر کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں۔ اس نے کہا۔ ''نہایت مبارک بات ہے یہ۔''

بطریق: ''کیا اسے بلواؤں؟''

پیٹر: ''ضرور بلواؤ۔''

بطریق نے چند پادریوں کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد پیٹر اور تمام وہ لوگ جو اس وقت اس کمرہ میں موجود تھے۔ اس یہودی لڑکی کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جو عیسائی ہو کر نن بننا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆
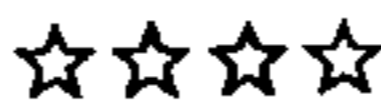
دوسرا باب

یہودی لڑکی

جب پادری یہودی لڑکی کو لینے چلے گئے اور انہیں گئے ہوئے کچھ دیر ہو گئی تو پیٹر نے بطریق سے دریافت کیا۔ ''کیا یہودی لڑکی خود بپتسمہ لینے کے لئے تیار ہے؟''

بطریق: ''جی ہاں!''

پیٹر: ''تعجب ہے۔''

بطریق: ''کس بات کا تعجب ہے بزرگ باپ؟''

پیٹر: ''کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ اس قوم کی لڑکی جس نے خداوند کو صلیب پر چڑھایا بپتسمہ لینے کے لئے آمادہ ہو گئی۔''

بطریق: ''اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ خدا جس کسی کو چاہتا ہے اپنے بیٹے کے مذہب کی ہدایت کر دیتا ہے۔''

پیٹر: ''یہ سچ ہے''

بطریق: ''وہ لڑکی بہت نیک اور نہایت حسین ہے۔''

پیٹر: ''نیک ہی لوگ عیسائیت کی طرف جھکتے ہیں مگر..........''

بطریق: ''مگر کیا؟''

پیٹر: ''اس نیک اور حسین لڑکی کو کس نے ترغیب دلائی۔؟''

بطریق: ''پادری نقولا نے۔''

پیٹر: ''خداوند اس پر اپنی برکات نازل کرے۔ سنو جو شخص کسی کو عیسائی بنا لیتا ہے خدا اور خدا کا بیٹا دونوں اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔''

بطریق: ''ہم لوگ اپنے مذہب کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں لیکن..........''

پیٹر: ''لیکن کچھ رکاوٹیں حائل ہیں۔''

بطریق: ''جی ہاں!''

پیٹر: ''کیا رکاوٹیں ہیں وہ؟''

بطریق: ''مسلمان تو کوئی کسی طرح بھی عیسائی ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔''

پیٹر: ''لالچ دو۔''

بطریق: ''وہ کسی لالچ میں نہیں آتے۔''

پیٹر نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ ''ایک مرد کو کسی عیسائی حسین عورت کا لالچ دو اور ایک عورت کو زر وزیور کی تحریص دلاؤ۔''

بطریق: ''مسلم عورتوں تک تو ہماری رسائی ہی نہیں ہوتی۔ اگر ہماری کوئی دیندار بہن (نن) ان کے حرم میں پہنچ بھی جاتی ہے تو مسلم خواتین اس سے ایسی نفرت وحقارت کا برتاؤ کرتی ہیں کہ دوبارہ اسے وہاں جانے کی جرات ہی نہیں ہوتی۔''

پیٹر: ''کسی تجارت کے بہانہ سے جاسکتی ہیں۔''

بطریق: ''یہ تدبیر بھی کی گئی مگر بے سود رہی۔''

پیٹر: ''کیوں؟''

بطریق: ''مسلم عورتیں کسی عیسائی عورت سے کوئی چیز لینے پر تیار ہی نہیں ہوتیں۔''

پیٹر: ''اچھی چیز کم داموں میں فروخت کراؤ۔''

بطریق: ''یہی کوشش کی گئی مگر کسی نے بھی کچھ نہ خریدا۔''

پیٹر: ''اور مرد؟''

بطریق: ''مرد کسی لالچ میں نہیں آتے۔ نہایت چالاک ہیں۔''

پیٹر: ''تم ان سے خلا ملا بڑھاؤ۔ ان کی دعوتیں کرو۔''

بطریق: ''دعوت؟''

پیٹر: ''ہاں دعوت! اس میں نقصان کیا ہے۔''

بطریق: ''کوئی مسلمان کسی عیسائی کے یہاں کھانا پسند نہیں کرتا۔''

پیٹر: ''کس وجہ سے؟''

بطریق: ''وجہ تو خدایا خداوند ہی جانتے ہوں گے۔''

پیٹر: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو عیسائیوں سے اچھا سمجھتے ہیں۔''

بطریق: ''یہی بات ہے۔''

پیٹر: ''کیا عیسائی صاف ستھرے نہیں رہتے؟''

بطریق: ''نہیں صاف ستھرے رہتے ہیں۔ اچھا لباس پہنتے ہیں لیکن پھر بھی وہ ملطفت نہیں ہوتے۔''

پیٹر: ''جب تو اسے قومی تعصب کہہ سکتے ہیں۔''

بطریق: ''اب جو کچھ بھی کہئے۔''

پیٹر: ''عورتوں کو مردوں کے پاس خرید وفروخت کے لئے بھیجو۔''

بطریق: ''یہ بھی کر کے دیکھ لیا۔''
پیٹر: ''اس کا کیا انجام ہوا۔''
بطریق: ''وہی ناکامی۔''
پیٹر: ''شاید حسین لڑکیوں کو نہ بھیجا ہوگا۔''
بطریق: ''خوبصورت لڑکیوں کو منتخب کر کے بھیجا گیا لیکن مسلمانوں نے ان سے کہہ دیا کہ لڑکیوں کا اس طرح خرید و فروخت کرتے پھرنا بڑی سبکی کی بات ہے۔ جاؤ اور مسلمانوں کے حرم کی طرح گھروں میں بیٹھو۔''
پیٹر: ''اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دیندار ہیں۔''
بطریق: ''جی ہاں! یہ لوگ پکے مذہبی ہیں۔ پورے مولوی ہیں۔''
پیٹر: ''اچھا! اور یہودی؟''
بطریق: ''وہ عیسائیوں سے سخت ناخوش ہیں۔''
پیٹر: ''پھر اس یہودی لڑکی کو کیسے تبلیغ دی گئی؟''
بطریق: ''خدا جانے نقولا نے اسے کیسے ہموار کر لیا۔''
پیٹر: ''اس لڑکی کا کیا نام ہے؟''
بطریق: ''حنا۔''
پیٹر: ''اس کا باپ موجود ہے۔''
بطریق: ''جی ہاں!''
پیٹر: ''شاید وہ مفلس ہے۔''
بطریق: ''نہیں نہایت مالدار ہے۔''
پیٹر: ''کیا نام ہے اس کا؟''
بطریق: ''الیاس ہے۔''
پیٹر: ''وہ بھی اپنی بیٹی کے عیسائی ہو جانے پر رضامند ہے۔''
بطریق: ''نہیں۔''
پیٹر: ''نہیں.........''
بطریق: ''وہ کسی طرح بھی رضامند نہیں ہے۔''
پیٹر: ''پھر تم حنا کو کیسے عیسائی بنا سکتے ہو؟''
بطریق: ''جب وہ خود آمادہ ہے تب ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔''

پیٹر: ''نقولا کہاں ہے؟''
بطریق: ''غالباً وہ حنا کے ساتھ ہی آئیں گے۔''
پیٹر: ''معلوم ہوتا ہے نقولا بڑے دیندار بزرگ ہیں۔''
بطریق: ''وہ دیندار تو ضرور ہیں لیکن بزرگ نہیں ہیں۔''
پیٹر: ''کیا مطلب ہے تمہارا اس سے؟''
بطریق: ''میرا مقصد یہ ہے کہ نقولا ایک نوعمر پادری ہے۔''
پیٹر: ''جب تو نہایت حیرت کی بات ہے۔؟''
بطریق: ''جی ہاں! جس کام کو ہم بوڑھے نہیں کر سکتے اسے انہوں نے نوعمر ہوتے ہوئے شروع کر دیا ہے۔''
پیٹر: ''یہی تعجب ہے مجھے ان کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔''
بطریق: ''وہ شہر پناہ کے دروازے پر آپ سے ملے تھے۔''
پیٹر: ''وہاں تو بہت سے دیندار بھائی تھے۔؟''
بطریق: ''جی ہاں! اور اسی لئے آپ ان سے اچھی طرح نہ مل سکے۔''
پیٹر: ''اب مجھے کیا خبر تھی کہ کون اور کس پایہ کا آدمی مجھ سے مل رہا ہے۔''
بطریق: ''خیر! وہ اب آپ سے ملیں گے۔''
پیٹر: ''کسی کو عیسائی کرنے سے حکومت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی ہے؟''
بطریق: ''کوئی خاص رکاوٹ نہیں ہے لیکن..........''
پیٹر: ''لیکن کیا؟''
بطریق: ''ہمیں حکم ہے کہ ہم اس بات کا لحاظ رکھیں کہ کسی کو جبریہ اپنے مذہب میں داخل نہ کریں۔''
پیٹر: ''لیکن حکومت کی طرف سے یہ تو زبردست رکاوٹ ہے۔''
بطریق: ''اب جو کچھ بھی سمجھئے۔''
پیٹر: ''یہ تو بڑا گہرا حکم ہے حکومت کا ایک ادنیٰ کارندہ گرجا میں گھس کر کہہ سکتا ہے کہ تم فلاں شخص کو زبردستی عیسائی بنا رہے ہو؟''
بطریق: ''جی ہاں! کہہ سکتا ہے۔''
پیٹر: ''مگر تم کسی کو گرجا میں گھسنے ہی کیوں دیتے ہو۔؟''
بطریق: ''ہم منع نہیں کر سکتے۔''

پیٹر: ''یہ تو ہمارے مذہب میں کھلی ہوئی مداخلت ہے۔''

بطریق: ''بے شک! مگر ہم کیا کر سکتے ہیں بالکل بے دست و پا ہیں۔''

پیٹر: ''تم بے دست و پا نہیں ہو۔ جو مذہب آج یورپ سے ایشیا تک پھیلا ہوا ہے جس مذہب کے ماننے والے سینکڑوں بادشاہ ہیں وہ مجبور نہیں ہوسکتا۔''

بطریق: ''مگر ہمارے بادشاہ تو عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انہیں بالکل اپنے فرائض کا خیال نہیں ہے۔''

پیٹر: ''یہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ ہمارے فرمانرواؤں کی اس بے حسی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ خداوند کا مولد و مسکن غیر عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے۔''

بطریق: ''سب سے زیادہ صدمہ مجھے اس بات کا ہے۔ آج اگر عیسائی بادشاہ متفق ہو کر اٹھیں تو دنیا بھر کو تسخیر کر لیں۔ لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ پیارے یروشلم کو بھی فتح نہیں کر سکتے۔ جس وقت مسجدوں میں پانچوں وقت اذانیں ہوتی ہیں تو میرے دل پر سانپ سا لوٹ جاتا ہے۔ ہمارے گرجاؤں میں صرف دو ہی وقت جرس (گھنٹے) بجتے ہیں اور ان کی مسجدوں میں پانچ وقت اذانیں دی جاتی ہیں کیا اس سے خداوند کی روح کو صدمہ نہ ہوتا ہوگا۔''

پیٹر: ''یقیناً ہوتا ہوگا آج تم نے اپنی باتوں سے میرے دل کے دروازے کھول دیئے ہیں اب میں یہاں سے یورپ جا کر پوپ سے تمام واقعات کہوں گا۔''

بطریق: ''ضرور کہیے اور آرام طلب امراء عیاش بادشاہوں کو ترغیب دلایئے کہ وہ یروشلم کو فتح کر کے عیسائی حکومت میں شامل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔''

پیٹر: ''اطمینان رکھو۔ میں اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کروں گا۔''

بطریق: ''خدا اور خداوند آپ کو جزائے خیر دیں۔ اگر آپ نے یہ کام کر دیا تو ساری دنیا میں آپ کی شہرت ہو جائے گی۔ عیسائی قوم آپ کو اپنے سر آنکھوں پر جگہ دے گی۔''

پیٹر: ''میں جو کچھ کہہ دیتا ہوں وہی کرتا ہوں۔''

بطریق: ''ہم دیسی عیسائیوں کی ایشیا میں جو حالت ہے اس کا خاکہ یورپ والوں کو کھینچ کر دکھایئے۔ یقین ہے کہ انہیں ہماری حالت پر رحم آ جائے گا۔''

پیٹر: ''اگر خدا نے چاہا تو میں سارے یورپ میں جنگ کی آگ بھڑکا دوں گا۔''

بطریق: ''خدا آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ سچ پوچھیے تو یورپ کے بادشاہ نہایت ہی بے وقوف ہیں۔ اس وقت مسلمانوں میں ایک بھی تاجدار ایسا نہیں ہے جو ان کا مقابلہ کر سکے اگر وہ ایشیا پر حملہ کر دیں تو ساری اسلامی قلمرو پر قابض ہو سکتے ہیں۔''

پیٹر: ''وہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔''

بطریق: ''مگر جن مسلمانوں سے ڈرنا چاہئے تھا وہ قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ اب تو تن پرور، غدار قوم اور آرام طلب مسلمان رہ گئے ہیں''

پیٹر: ''لیکن اس کا انہیں علم نہیں ہے۔ اب یہ بات انہیں میں جا کر بتاؤں گا۔'' بطریق کچھ کہنا چاہتا تھا کہ چند پادری کمرہ میں داخل ہوئے ان میں ایک نوجوان پادری بھی تھا۔ جو قدرے شکیل تھا مگر اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ بطریق نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ پادری نقولا ہیں۔'' نقولا پیٹر کے سامنے جھک گیا۔

پیٹر نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا! میں نے تمہاری تعریف سن لی ہے۔ خداوند تمہارے ارادوں میں برکت دے۔''

اب چند حسین اور نوجوان ننیں داخل ہوئیں۔ ان کے درمیان ایک نہایت کم عمر اور حسین لڑکی تھی ۔ جو بیش قیمت ریشمی قبا اور جواہرات کے زیورات پہنے تھی۔ جب پیٹر کی اس پر نظر پڑی تو وہ اس حور جمال کو تکتا ہی رہ گیا۔

☆☆☆☆

تیسرا باب

ایک آواز

ننیں سفید اور سادہ لباس پہنے تھیں جو کسی قدر ڈھیلہ تھا۔ سروں پر سفید ہی رومال باندھ رکھے تھے۔ وہ سب کی سب نوعمر حسین اور آہو چشم لڑکیاں تھیں۔ ان کے سفید لباس میں ان کے چہرے بھی سفید ہی ہو رہے تھے۔ وہ اپنی دلفریب آنکھوں سے کبھی پیٹر کو، کبھی بطریق اور گاہے دوسرے پادریوں کو دیکھ رہی تھیں۔ پادری بھی نگاہیں چرا چرا کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ کمرہ جس میں یہ سب جمع تھے۔ نہایت وسیع تھا۔ روشندانوں اور دریچوں کے ذریعے سے کافی روشنی آ رہی تھی اور اس روشنی میں ہر چیز چمک رہی تھی۔ خصوصا ننوں کے چہرے لیکن سب سے زیادہ اس کم سن اور حور وش لڑکی کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ جو ان کے درمیان میں کھڑی تھی اور اس کی ریشمی قبا جس میں سنہری لیس لگی ہوئی تھی اور موتیوں کی جھالریں لگی ہوئی تھیں جھلملا رہی تھیں۔

اول تو وہ لڑکی تھی ہی بے حد حسین۔ ایسی حسین کہ اس کے چہرے کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھا جاتا تھا۔ دوسرے اس کا لباس ریشمیں اور چمکدار تھا۔ پھر اس میں سنہری لیس اور موتی ٹکے ہوئے تھے۔ جن کا عکس اس کے آئینہ جیسے صاف و شفاف رخساروں پر پڑ پڑ کر انہیں جگمگا رہا تھا۔ اس سے وہ اور بھی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے عارض چاند کی طرح دمک رہے

تھے اور آنکھوں سے بجلیاں نکل رہی تھیں۔ اس کی پتلیاں گہری اور سیاہ و چمکیلی تھیں۔ وہ کم سن تھی۔ ابھی اس نے عہد شباب میں قدم رکھا تھا۔ آغاز شباب نے اس کے حسن کی رعنائیوں کو دوبالا کر دیا تھا اور وہ مست شباب حسن کی تصویر بن گئی تھی۔

حسین اور کم سن ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ بھولی بھی تھی۔ اس کے چہرے سے معصومیت ظاہر تھی۔ ایسی معصومیت جو فرشتوں کو بھی موم بنا لے۔ پیٹر اس رشک قمر کو دیکھ رہا تھا۔ تک رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑے۔ بے تحاشہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر وہ دیکھتا رہا۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ نہ معلوم کب تک دیکھتا رہتا۔ بطریق نے کہا۔

''مقدس باپ! یہی وہ نازنین یہودی لڑکی ہے جو عیسائی بننا چاہتی ہے۔''

پیٹر چونک پڑا۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے حواس میں آیا۔ اس نے کہا۔ ''یہ پریزاد لڑکی اس قدر حسین ہے کہ میں نے آج تک یورپ بھر میں بھی اس جیسی حسینہ نہیں دیکھی۔''

بطریق: ''یہ ایشیا کی نازنین ہے۔''

پیٹر: ''نہیں! بلکہ ایشیا کی حور ہے۔ میرے خیال میں سارے یروشلم میں بھی اس جیسی دوسری لڑکی نہ ہوگی۔''

بطریق: ''صرف یروشلم میں ہی نہیں بلکہ فلسطین، شام اور مصر کہیں بھی نہیں ہے۔ کم سن، بھولی اور معصوم دوشیزہ اپنی تعریف سن سن کر شرما رہی تھی۔ شرم نے اس کے ہلکے گلابی رخساروں کو اور سرخ کر دیا تھا۔

پیٹر نے بڑھ کر اس پری جمال سے دریافت کیا۔ ''بیٹی! تمہارا کیا نام ہے۔؟''

دوشیزہ: ''میرا نام حنا ہے۔''

اس کی آواز اس کی صورت سے بے حد دلکش تھی۔ مزامیر اور دوسرے باجوں میں ایسا سریلہ پن نہ تھا جس قدر اس کی آواز میں تھا۔

پیٹر اس کے رخ انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سنہری مائل سیاہ بال اس وقت اس کی کمر پر پڑے سپولیوں کی طرح لہرا رہے تھے۔

پیٹر نے کہا۔ ''بیٹی! حنا تو عیسائی ہونا چاہتی ہے؟''

حنا نے نقولا کی طرف دیکھا۔ نقولا کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ چمکنے لگیں۔ اس قدر کہ اس سے آنکھیں چار کرنا دشوار ہو گیا۔ حنا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ غالبًا وہ بھول گئی کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔ کس کے سامنے کھڑی ہے۔ کس لئے آئی ہے۔ کیا کرنا ہے۔ کون بات کر رہا ہے اور کیا جواب دینا ہے۔

پیٹر نے اسے دیکھا۔ اس وقت وہ کچھ کھوئی ہوئی تھی۔ کسی سحر زدہ کی طرح۔ نقولا کو دیکھ رہی تھی۔ دیوانوں کی طرح نقولا اسے گھور رہا تھا۔ پیٹر نے نقولا کی طرف دیکھا۔ اسے اس کی تیز نظروں سے بجلیاں سی نکلتی اور آنکھوں کے ذریعے سینے میں اور سینہ سے دل میں اترتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ وہ بھی کچھ کھویا جانے لگا۔ مگر اس نے فوراً اپنی نگاہیں اس کی طرف سے ہٹا لیں۔ پھر بھی کئی سیکنڈ کے بعد اس کے حواس درست ہوئے۔ اس نے بطریق سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''نقولا کی آنکھوں میں غضب کی قوت ہے۔''

بطریق: ''جی ہاں! یہ زیادہ عبادت و ریاضت کرتے رہتے ہیں۔ اس عبادت گزاری ہی نے انہیں یہ قوت عطا کر دی ہے۔''

پیٹر: ''مگر عبادت و ریاضت تو میں نے بھی بہت کی ہے لیکن میری نگاہوں میں تو یہ قوت پیدا نہیں ہوئی اور نہ میں نے کسی اور میں دیکھی۔''

بطریق: ''آپ ان سے دریافت کریں شاید یہ خود ہی کچھ بتا سکیں۔''

اب پیٹر نے نقولا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''نقولا! مجھے ایک بات بتاؤ۔؟''

نقولا چونک پڑا اس نے حنا کی طرف سے نظریں ہٹا کر پیٹر کو دیکھا۔ پیٹر اس کی برق رفتار نگاہیں دیکھ کر کچھ لڑکھڑا گیا۔ حنا اس وقت کچھ کمزور معلوم ہونے لگی۔ ایسی کمزور جیسے اس نے کچھ مشقت کی ہے۔

اس کا چاند سا چہرہ عرق آگیں ہو گیا تھا۔ ننھی پسینہ کی بوندیں اس کے گلابی عارض اور روشن پیشانی پر بالکل ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے گلاب کے پھولوں پر شبنم کے قطرے معلوم ہوا کرتے ہیں۔

جونہی نقولا نے اس کی طرف سے نگاہیں ہٹائیں۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں اور وہ آہستہ آہستہ سر اٹھا کر حیرت بھری نظروں سے اپنے گرد و پیش دیکھنے لگی۔ پیٹر کی طبیعت پر کچھ ایسا اثر پڑ گیا تھا کہ وہ نقولا سے آنکھیں چار کرتا ڈرنے لگا تھا۔ نقولا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مقدس باپ! کیا ارشاد ہے؟''

پیٹر نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب خوفناک چمک نہ تھی۔ البتہ غیر معمولی روشنی ضرور تھی۔ پیٹر نے کہا۔ ''میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں میں یہ چمک کیسی ہے۔''

نقولا: ''کیا غیر معمولی چمک ہے۔''

پیٹر: ''ہاں! ایسی غیر معمولی کہ میں نے آج تک بھی کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھی۔''

نقولا: '' مجھے اس کا احساس کبھی نہیں ہوا۔''

پیٹر نے بطریق سے مخاطب ہو کر کہا۔'' کیا آپ نے ان کی آنکھوں میں چمک نہیں دیکھی۔''

بطریق: '' اکثر دیکھی ہے اور بسا اوقات مجھے اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے خوف معلوم ہوتا ہے۔''

نقولا: '' تعجب ہے۔''

پیٹر: '' مگر تمہاری زبان سے زیادہ تمہاری آنکھیں اور تمہارا چہرہ صاف گو ہے نقولا۔''

نقولا: '' بزرگ باپ کیسے؟''

پیٹر: '' تمہاری صورت بتا رہی ہے کہ تم کوئی بات چھپا رہے ہو''

نقولا: '' آپ نے میری صورت دیکھ کر سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔''

پیٹر: '' ہاں۔''

نقولا: '' حضور بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا میں ایک روز پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں مجھے ایک درویش ملے۔''

پیٹر: '' کوئی پادری یا راہب یا قُس یا سینٹ۔''

نقولا: '' جی نہیں وہ عیسائی نہیں تھے۔''

پیٹر: '' اور......''

نقولا: '' ایک مسلمان تھے۔''

پیٹر: '' اچھا..........''

نقولا: '' میں نے جب انہیں دیکھا تو ان کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ میرے دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ میں ڈر گیا۔ انہوں نے میرا خوف دیکھ کر مجھے تسلی دی۔ بٹھایا۔ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس روز سے میں اس کے پاس ہر روز جانے لگا۔''

پیٹر: '' اچھا! ان کی آنکھوں کی چمک تمہاری آنکھوں میں بھی آ گئی۔''

نقولا: '' یہی سمجھ لیجئے۔''

دراصل نقولا کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن پیٹر کے دخل اور معقولات سے وہ کہتے کہتے رک گیا۔

پیٹر نے دریافت کیا۔ کیا وہ درویش ابھی زندہ ہے؟''

نقولا: '' مجھے خبر نہیں کیونکہ عرصہ سے میں ان سے نہیں ملا ہوں۔''

پیٹر: '' گویا پھر تم پہاڑ پر گئے ہی نہیں۔''

نقولا: ''کئی مرتبہ گیا مگر وہ وہاں نہیں ملے۔''

پیٹر: ''ممکن ہے مر گیا ہو۔''

نقولا: ''یا کہیں چلے گئے ہوں''

پیٹر: ''یہ بھی ممکن ہے مگر تمہیں اب اس سے ملنا چاہئے۔''

نقولا: ''کیوں حضور؟''

پیٹر: ''اس لئے کہ یہ مسلمان جادوگر معلوم ہوتے ہیں کہیں تم پر جادو کر کے تمہیں اپنے مذہب میں داخل نہ کر لیں۔''

نقولا نے ہنس کر کہا۔ ''اطمینان رکھئے مجھ پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا۔''

پیٹر: ''مگر مسلمان بھی بلا کے ہوتے ہیں۔''

نقولا: ''ہوں۔''

اب پیٹر حنا کی طرف متوجہ ہوا۔ حنا کے چہرہ کا پسینہ اس وقت خشک ہو چکا تھا۔ کمزوری دور ہو گئی تھی اور وہ خوش و خرم نظر آنے لگی تھی۔ اس وقت اس کے چہرہ کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔

پیٹر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بیٹی حنا!''

حنا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''جی......''

پیٹر: ''بیٹی! کیا تو عیسائی ہونے کے لئے تیار ہے۔؟''

حنا نے رک رک کر کہا۔ ''جی......میں......نہیں''

پیٹر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نہیں''

حنا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! نہیں...... میں یہودی ہوں عیسائی نہیں ہو سکتی۔ اب پیٹر نے نقولا کی طرف دیکھا۔ نقولا حنا کی طرف دیکھ رہا تھا اور حنا ادھر ادھر نظریں دوڑا رہی تھی۔

پیٹر نے نقولا سے کہا۔ ''تم تو کہتے تھے حنا خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہے۔''

نقولا: ''جی ہاں''

پیٹر: ''مگر یہ تو انکار کر رہی ہے۔''

نقولا: ''دیکھئے میں اس سے دریافت کرتا ہوں۔''

نقولا نے آہستہ سے کہا۔ ''حنا''

حنا نے اس کی طرف دیکھا۔ دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

نقولا نے اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر دریافت کیا۔ ''حنا! کیا تو اپنی خوشی سے عیسائی

ہونا چاہتی ہے۔''

حنا نے دبی زبان سے کہا۔''ہاں! خوشی سے۔''

پیٹر خوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔''اچھا اسے ماء محمودیہ کے پاس لے چلو۔''

نقولا:''چلیے۔''

ایک آواز آئی۔''ٹھہر جاؤ! بیذردو! ٹھہر جاؤ۔''

سب چونک پڑے اور حیران ہو کر اس طرف دیکھنے لگے۔ جس طرف سے آواز آئی تھی۔

☆☆☆☆

چوتھا باب

ایک گرج

یہ آواز صدر دروازے کی طرف سے آئی تھی۔ سب کی نگاہیں اسی طرف اٹھ گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا یہودی امیرانہ پوشاک پہنے غم وفکر سے دوہرا ہوا اپنے آپ کو کھینچتا چلا آ رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی تمام پادریوں اور ننوں کے چہروں سے نفرت وحقارت اور غیظ وغضب کی علامات ظاہر ہوئیں۔

خصوصاً نقولا۔ بطریق اور پیٹر بہت زیادہ غضبناک معلوم ہونے لگے حتیٰ کہ پیٹر سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے کہا۔''یہ یہودی کتا کہاں سے آ گیا۔''

یہودی قریب آ گیا تھا۔ اس کا نام الیاس تھا۔ یہ حنا کا باپ تھا۔ اس نے پیٹر کی گفتگو سن لی تھی۔ وہ اس کے قریب جا کر ٹھہرا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا۔''بزرگ پادری! آپ مذہبی پیشوا ہیں۔''

پیٹر نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔''یہ تو دنیا جانتی ہے۔''

الیاس:''دنیا کو چھوڑیئے میں تو آپ سے دریافت کر رہا ہوں۔''

پیٹر:''اس وقت مجھے تم سے گفتگو کرنے کی فرصت نہیں ہے۔''

الیاس:''ایک پادری کو ایسا کج خلق نہیں ہونا چاہئے۔''

پیٹر:''تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

الیاس:''میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ پادری ہیں۔''

پیٹر:''ہاں''

الیاس:''پادری وہی ہو سکتا ہے جو حضرت عیسیٰ کی تعلیم پر عمل کرے۔''

پیٹر:''بے شک''

الیاس: ''کیا حضرت مسیح نے یہی حکم دیا ہے کہ لوگوں کو گالیاں دو۔ کتا کہو۔''
پیٹر: ''ان فضول باتوں سے کیا مطلب ہے تمہارا۔''
الیاس: ''یہی کہ تم پادری یا راہب نہیں ہو۔''
پیٹر نے پر غضب نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور کون ہوں میں؟''
الیاس نے متانت سے کہا۔ ''اسے تو تم خود ہی خوب جانتے ہو گے۔''
پیٹر: ''میں تو خوب جانتا ہوں کہ یہودی قابل نفرت ہوتے ہیں۔''
الیاس: ''شاید حضرت عیسیٰ کی یہی تعلیم ہے۔''
پیٹر: ''میں کہتا ہوں کہ فضول باتیں نہ کرو۔''
الیاس: ''خدا کا شکر ہے کہ ایشیا میں تمہاری حکومت نہیں ہے ورنہ''
پیٹر: ''ورنہ کیا ہوتا؟''
الیاس: ''تم عیسائی شاید ایک یہودی کو بھی زندہ نہ رہنے دیتے۔''
پیٹر: ''لیکن یورپ میں بہت سے یہودی عیسائی حکومت میں موجود ہیں۔''
الیاس: ''مگر وہ بادشاہ تم جیسے تنگ دل اور رنگے ہوئے گیدڑ نہیں ہیں۔ الیاس کا یہ فقرہ ایسا سخت تھا کہ پیٹر اور تمام پادریوں کو سخت غصہ آیا۔''
بطریق نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ ''زبان دراز یہودی! ادب سے بات کر۔''
الیاس: ''ادب سے بات کروں''
بطریق: ''ہاں! ورنہ..........''
الیاس: ''ورنہ''
بطریق: ''تم کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''
الیاس: ''یہ تم کہہ رہے ہو؟''
بطریق: ''ہاں! میں کہہ رہا ہوں اگر ....''
الیاس: ''کیا؟''
بطریق: ''میں ان نوجوان پادریوں کو حکم دے دوں؟''
الیاس: ''تو کیا ہو؟''
بطریق: ''یہ ابھی تمہاری تکہ بوٹی کر ڈالیں۔''
الیاس اسے حقارت سے دیکھ کر ہنسا اور ہنستے ہوئے بولا۔ ''بے درد بھیڑیو! تم ضرور ایسا کرو.....لیکن جانتے ہو کہ حکومت کس کی ہے''

بطریق: ''بدزبان! اجل رسید جانتے ہیں۔''

الیاس: ''تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ مجھ سے سنو۔ اسلامی حکومت ہے اس حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔''

بطریق: ''لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس وقت گرجا کے اندر کس کی حکومت ہے۔''

الیاس: ''خوب جانتا ہوں۔ یہ گرجا خدا کا گھر ہے اور اس میں خدا کی ہی حکومت ہے۔''

بطریق: ''اور ہم خدا کی طرف سے یہاں کے حکمران ہیں۔''

الیاس: ''خدا کے گھر میں کوئی حکمران نہیں ہوتا۔''

پیٹر: ''اس لایعنی گفتگو سے کیا حاصل؟''

الیاس: ''سچ پوچھو تو میں تم جیسوں سے گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔''

پیٹر کو اس قدر غصہ آیا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئیں۔ اس نے درشت لہجہ میں کہا۔ ''بدبخت یہودی! آخر تیرا اس سے مطلب کیا ہے؟''

الیاس: ''میں اپنی بیٹی حنا کو لینے آیا ہوں۔''

پیٹر: ''مگر وہ تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔''

الیاس: ''کس لئے؟''

پیٹر: ''اس لئے کہ وہ عیسائی ہونے کے لئے گرجا میں آئی ہے۔''

الیاس: ''تم جھوٹ کہتے ہو۔ وہ کبھی عیسائی نہیں ہوسکتی۔''

پیٹر: ''حد سے نہ گزر یہودی کتے۔''

الیاس: ''کہیں یہ کتا آپ کو کاٹ نہ کھائے۔ جس سے آپ بھی کتے کی بولی بولنے لگ جائیں۔''

پیٹر: ''اطمینان رکھ کاٹنے سے پہلے بھیجہ توڑ ڈالا جائے گا۔''

بطریق: ''الیاس تیری بدزبانی کی حد ہو گئی۔''

الیاس: ''تم کیوں میری زبان کھلواتے ہو۔''

بطریق: ''ہم جس قدر تم پر مہربانی کر رہے ہیں۔''

الیاس اسے حقارت کی نظروں سے دیکھ کر ہنسا اور بولا۔ ''تم مہربانی کے لفظ سے آشنا بھی ہو؟''

بطریق: ''اگر آشنا نہ ہوتے تو اب تک تمہارا سر تمہارے تن سے الگ بھی ہو گیا ہوتا۔''

الیاس: ''یہ تمہاری مہربانی کے سبب سے نہیں ہے۔''

بطریق: ''اور کیا وجہ ہے؟''

الیاس: ''تم ڈرتے ہو کہ اسلامی حکومت میرے خون کا انتقام لے گی۔''

پیٹر نے نفرت سے ہنستے ہوئے کہا۔'' اسلامی حکومت! بیوقوف یہودی ایک مفلوج حکومت ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔''

الیاس: ''یہی کہ میرے قتل میں شریک ہونے والوں کو ایک ایک کر کے پھانسی کے تختے پر لٹکا دے گی۔''

بطریق: ''شاید تجھے کچھ جنون ہو گیا ہے؟''

الیاس: ''جنونی وہ ہیں جو دوسروں کی بیٹیوں کو لا کر زبردستی عیسائی بناتے پھرتے ہیں۔''

پیٹر: ''مگر ہم کسی کو زبردستی عیسائی نہیں بنا رہے ہیں۔''

الیاس: ''کیا میری بیٹی حنا کو تم جبراً نہیں لائے۔ کیا اسے زبردستی عیسائی بنانا نہیں چاہتے؟''

پیٹر: ''نہیں! وہ خوشی سے آئی ہے اور خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہے۔''

الیاس: ''جھوٹ ہے۔''

پیٹر: ''تم اپنی بیٹی سے خود ہی دریافت کرلو۔''

حنا چپ چاپ کھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ الیاس کو پہچانتی نہیں ہے۔

الیاس اس کی طرف بڑھا۔ اس نے کہا۔''بیٹی حنا!''

حنا نے ذرا ترش لہجہ میں کہا۔''کیا کہتے ہیں آپ؟''

الیاس: ''بیٹی! تجھے یہاں کون لایا ہے؟''

حنا: ''میں خود آئی ہوں۔''

الیاس: ''کس کے ساتھ آئی ہے تو؟''

حنا: ''نقولا کے ہمراہ آئی ہوں۔''

الیاس: ''کس لئے آئی ہے۔''

حنا نے نقولا کی طرف دیکھا۔ نقولا نے کہا کہ'' حنا عیسائی ہونے آئی ہے۔''

حنا نے الیاس سے مخاطب ہو کر کہا۔'' میں عیسائی ہونے آئی ہوں۔'' یہ سن کر الیاس اپنا سر پکڑ کر رہ گیا۔

پیٹر نے کہا۔'' تم نے سنا؟''

الیاس رنج و غم کے بھنور میں غوطے کھا رہا تھا۔ وہ رنج و افسوس بھری نظروں سے حنا کو دیکھ رہا تھا۔ پیٹر کی یہ بات سن کر وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح اس کی طرف پلٹا۔ اس نے کہا۔ ''بے رحم! جادوگر! تم نے میری بھولی بھالی بیٹی پر جادو کر دیا ہے۔''

پیٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''جادو...... احمق ہم لوگ جادوگر نہیں ہیں۔''

اب وہ بطریق کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے سامنے ہی بیٹی کو بپتسمہ دیا جائے۔''

بطریق: ''بہتر ہے آؤ حنا۔''

حنا کٹھ پتلی کی طرح اس کے ساتھ ہو گئی۔ الیاس تڑپ گیا۔ اس نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔ '' آہ! ایسا ظلم نہ کرو۔''

بطریق نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''خبردار! خاموش کھڑے رہو۔''

الیاس نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ ''خدایا! میری امداد کر۔''

پیٹر نے تمسخرانہ انداز سے کہا۔ ''ہاں! اپنے خدا کی امداد طلب کر۔'' اب یہ لوگ قربان گاہ کے پاس پہنچ گئے۔ بطریق نے ماء مجمودیہ کا ڈھکنا کھولا۔ الیاس بے چین ہو کر دوڑا۔ اس نے پاس جا کر کہا۔ ''خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میری معصوم بچی کو عیسائی نہ بناؤ۔''

بطریق نے پرزور لہجہ میں کہا۔ ''وہ ضرور عیسائی بنائی جائے گی۔''

ایک کڑک دار آواز آئی۔ ''خبردار! وہ کبھی عیسائی نہیں بنائی جا سکتی۔''

سب اس آواز کو سن کر چونک پڑے اور دروازہ کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆

پانچواں باب

التجائے رحم

انہیں چار مسلمان آتے ہوئے نظر آئے۔ ان میں ایک نوجوان تھا۔ باقی جوان العمر تھے۔ سب فوجی پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ فوجی آدمی تھے۔ تین آدمیوں کی داڑھیاں تھیں اور چوتھے آدمی کے سبزہ آغاز تھا۔ یہ سبز آغاز نوجوان ہی ان سب میں ممتاز تھا۔ نہایت شاندار تھا۔ کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ ان چاروں کو دیکھتے ہی تمام عیسائیوں کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ وہ غم و افسوس بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ چاروں بڑھ کر قربان گاہ کے پاس پہنچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی الیاس نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے مدد بھیج دی۔''

نوجوان: ''یہ کیا معاملہ ہے؟''

الیاس: ''حضور! یہ عیسائی بھیڑیے میری معصوم بیٹی کو زبردستی عیسائی کر رہے ہیں۔''
یہ سن کر تمام مسلمان حیران ہو کر چونک پڑے۔ نوجوان نے حیرت انگیز لہجہ میں کہا۔'' زبردستی عیسائی بنانا چاہتے ہیں؟''
الیاس: ''جی ہاں حضور!''
نوجوان: ''کیا اسلامی حکومت میں ان کو اس قدر جرات ہو سکتی ہے؟''
بطریق نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔'' حضور! یہ یہودی جھوٹ بولتا ہے۔''
نوجوان: ''مگر اس کی لڑکی تمہارے پاس موجود ہے؟''
بطریق: ''یہ خود عیسائی ہونے کے لئے آئی ہے۔''
نوجوان: ''خود آئی ہے؟''
پیٹر: ''جی ہاں!''
الیاس: ''یہ غلط کہہ رہے ہیں حضور! اس معصوم کو اغواء کر کے لایا گیا ہے۔''
بطریق: ''بالکل غلط کہہ رہا ہے''
پیٹر: ''بے شک یہ یہودی جھوٹ بول رہا ہے۔''
الیاس: ''حضور! یہاں سوائے عیسائیوں کے اور کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی عیسائی میری طرف سے بات کہہ سکتا ہے۔''
بطریق: ''یہ اس کی لڑکی موجود ہے۔ اس سے دریافت کر لیں حضور!''
نوجوان: ''ٹھیک ہے۔''
الیاس ''لیکن ان جادوگروں نے اس پر جادو کر دیا ہے۔''
نوجوان: ''کیا مطلب ہے اس سے تمہارا؟''
الیاس: ''حضور! یہ لڑکی اپنے حواس میں نہیں ہے۔ اس نے مجھے اب تک نہیں پہچانا ہے۔''
نوجوان: ''یہ ناممکن ہے میں جادو کا قائل نہیں۔''
الیاس: ''لیکن حضور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ جادوگر ہیں۔''
پیٹر: ''حضور! دیکھئے یہ ہم کو جادوگر بتاتا ہے۔''
نوجوان: ''میں مانتا ہوں کہ جادو کوئی چیز نہیں۔''
پیٹر: ''اب آپ اس لڑکی سے دریافت فرمالیں۔''
نوجوان نے حنا کی طرف دیکھا۔ حنا کی آنکھوں سے کچھ سودائی پن جھلک رہا تھا۔ نوجوان نے اس سے دریافت کیا۔'' یہودی دوشیزہ! تمہارا باپ کہاں ہے۔'' اس نے الیاس کی طرف

دیکھ کر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ موجود ہیں۔''

الیاس نے خوش ہوتے ہوئے کہ۔ ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے پہچان لیا۔''

نوجوان نے الیاس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''خاموش رہو تم! ابھی کہہ رہے تھے کہ تمہاری بیٹی تم کو پہچانتی نہیں ہے''

الیاس: ''اور میں سچ کہہ رہا تھا حضور!''

نوجوان: ''لیکن اس نے تم کو پہچان لیا ہے اب تم چپ چاپ کھڑے رہو۔''

الیاس: ''بہتر ہے۔''

نوجوان پھر حنا سے مخاطب ہوا۔ اس نے دریافت کیا ''کیا تم اپنی خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہو۔؟''

حنا نے نقولا کی طرف دیکھا۔ نقولا نے کہا۔ ''حنا کہہ دو کہ تم اپنی خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہو۔''

حنا نے نوجوان کی طرف دیکھا۔'' دیکھتی رہی خاموش کھڑی ۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ متذبذب ہوگئی ہے۔''

نوجوان بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے پھر کہا۔'' بولو! حنا ! شاید تمہارا یہی نام ہے۔''

حنا: ''جی ہاں! میرا نام یہی ہے۔''

الیاس بھی بے قرار ہو کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ان مسلمانوں کے سامنے بھی حنا نے اپنی خوشی سے عیسائی ہونے کا اقرار کر لیا تو عیسائی اسے فوراً عیسائی کر لیں گے اور ان کے پاس مسلمانوں کی شہادت ہو جائے گی جس کی وجہ سے حکومت وقت بھی اس کی مدد نہ کر سکے گی۔''

نوجوان نے دریافت کیا۔'' کیا تم اپنی خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہو حنا؟''

حنا نے پھر نقولا کی طرف دیکھا۔ نقولا کی آنکھوں سے بجلیاں نکل رہی تھیں۔ نوجوان کی نظر بھی اس کی طرف جا پڑی۔ وہ تیز چمک دیکھ کر حیران رہ گیا۔

حنا نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوء کہا۔ ''میں ....؟''

اس نے پھر نقولا کی طرف دیکھا۔ نقولا نے ذرا تیز لہجہ میں کہا۔'' کہہ کیوں نہیں دیتی ہو حنا؟''

حنا: ''کیا کہہ دوں؟''

نقولا: ''یہی کہ تم اپنی خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہو۔''

حنا نے نوجوان کو دیکھتے ہوئے جلدی جلدی سے کہا۔ ''ہاں! میں اپنی خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہوں۔''

الیاس پر غم کی بجلی گری اور بارغم سے دوہرا ہوگیا۔ اب نوجوان نے الیاس سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''تم نے سن لیا جو کچھ تمہاری بیٹی نے کہا۔''

الیاس نے پژمردہ آواز سے کہا۔ ''جی ہاں! سن لیا اپنی قسمت کا فیصلہ سن لیا۔'' جس قدر الیاس کو غم ہوا اس سے زیادہ عیسائیوں کو مسرت ہوئی چنانچہ پیٹر نے کہا۔ ''حضور نے دیکھ لیا کہ ہم نے اس حوروش لڑکی کے ساتھ کوئی زبردستی تو نہیں کی ہے۔''

نوجوان: ''کیا تم مجھ کو گواہ بنانا چاہتے ہو۔''

پیٹر: ''ہماری خوش قسمتی ہے حضور تشریف لے آئے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ حضور عینی شاہد ہو جائیں۔''

نوجوان ''اچھا ایک لمحہ ٹھہرو''

الیاس سے مخاطب ہو کر۔ 'اب تم کیا کہتے ہو؟''

الیاس: ''کیا کہوں میں! حضور جادو کے قائل نہیں ہیں مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ (نقولا کی طرف اشارہ کر کے) اس نوجوان پادری نے اس پر جادو کر رکھا ہے۔''

نوجوان: ''اچھا یہ بتاؤ اس لڑکی کو یہاں لایا کون ہے؟''

بطریق: ''یہ خود ہی آئی ہے۔''

الیاس: 'یہ بات غلط ہے حضور! اسے یہ نوجوان پادری لایا ہے۔''

نوجوان: ''اس کا کیا نام ہے۔''

پیٹر: ''اس کا نام نقولا ہے۔''

نوجوان: ''مجھے اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک نظر آتی ہے۔''

پیٹر: ''مگر اس کی آنکھوں کا جادو سے کیا تعلق ہے''

نوجوان: ''مگر میں نے آج تک ایسی چمک کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھی ہے۔''

پیٹر: ''اس کی آنکھیں نیلگوں اور چمکیلی ہیں۔''

نوجوان: ''میں سمجھتا ہوں کہ اس کی آنکھوں میں کوئی کشش ہے۔''

الیاس: ''حضور نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔''

نوجوان: ''اچھا! نقولا! تم تھوڑی دیر کے لئے اس کمرہ سے باہر چلے جاؤ۔''

بطریق: ''مگر یہ تو خلاف قانون بات کر رہے ہیں حضور''
نوجوان: ''کیوں؟''
بطریق: ''اس لئے کہ آپ ایک عیسائی کو گرجا سے باہر نکالتے ہیں۔''
نوجوان: ''آپ لوگ اس وقت عبادت نہیں کر رہے ہیں۔''
پیٹر: ''یہ سچ ہے لیکن ہم اپنے معبدگاہ میں ہیں۔''
نوجوان: ''میں خوب جانتا ہوں۔''
پیٹر: ''یہ ہمارے مذہب میں کھلی ہوئی مداخلت ہے۔''
نوجوان: ''مگر میں آپ سب کو تو نکل جانے کے لئے نہیں کہتا۔''
پیٹر: ''لیکن اگر نقولا انکار کر دے تب.........''
نوجوان نے جوش میں آ کر کہا۔'' تب زبردستی نکال دیا جائے گا؟''

اب کسی کو کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ نوجوان نے نقولا سے جانے کے لئے کہا اور وہ بادل ناخواستہ وہاں سے چلا گیا۔ پیٹر، بطریق اور دوسرے تمام پادریوں کو یہ بات سخت ناگوار گزری مگر وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے مجبوراً خاموش ہو گئے۔ جب نقولا کو باہر گئے ہوئے کچھ دیر ہو گئی تب نوجوان نے الیاس سے کہا۔'' اب تم اپنی بیٹی سے باتیں کرو۔''

الیاس ایک قدم حنا کی طرف بڑھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ خاموش سنگ مرمر کے بت کی طرح۔ الیاس نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔''بیٹی حنا؟''

حنا نے آہستہ آہستہ سے سر اٹھایا اور پہلے اس طرف دیکھا جس طرف نقولا کھڑا تھا اور پھر نظریں گھما کر الیاس پر نگاہیں جما دیں۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ نہایت توجہ اور بڑے غور سے آخر کچھ ہی وقفہ کے بعد وہ دوڑی اور اپنے باپ کے سینے سے جا لگی۔ اس نے کہا۔'' پیارے ابا''

الیاس نے اسے سینے سے لگا کر کہا۔'' میری بیٹی!''

یہ منظر دیکھ کر چاروں مسلمان حیران رہ گئے۔ عیسائیوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ نوجوان نے جوش اور غضب میں آ کر عیسائیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔'' بدبختو! یہ کیا ہے؟''

عیسائی خوب جانتے تھے کہ اس قسم کے جرموں کی سزا حکومت کی طرف سے نہایت سخت دی جاتی ہے۔ سوائے پیٹر کے اور سب نوجوان کے سامنے جھک گئے اور رحم! رحم! پکارنے لگے۔ نوجوان اور تمام مسلمان انہیں غضبناک نگاہوں سے گھورنے لگے۔

☆☆☆☆

چھٹا باب

غالب

معلوم ہوتا تھا کہ حنا اب بالکل اپنے حواس میں آ گئی ہے۔ وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جب اس کی نظر اور چیزوں اور لوگوں سے گزر کر نوجوان پر پڑی تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

چونکہ مسلم نوجوان اس وقت غصہ میں تھا اس لئے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس کے سامنے بطریق اور تمام پادری اور ننیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔غضبناک نگاہوں سے۔

کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا۔'' بدبخت دغا بازو! سیدھے ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔''

سب کھڑے ہو گئے۔ بطریق نے کہا۔'' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو اس معاملہ کی کچھ خبر نہیں ہے۔''

نوجوان:'' یعنی تم نہیں جانتے ہو کہ نقولا نے اس لڑکی پر کیا سحر کر رکھا تھا۔''

بطریق:'' حضرت مسیحؑ کی قسم! ہم بالکل ہی نہیں جانتے ہیں۔''

نوجوان'' اچھا نقولا کو بلاؤ۔''

بطریق نے دو پادریوں کو اسے بلانے کے لئے بھیجا۔ اب نوجوان الیاس اور حنا کی طرف متوجہ ہوا۔

حنا ابھی تک اپنے باپ الیاس کے سینہ سے لگی کھڑی تھی اور سہمگیں نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ الیاس سے کہہ رہی تھی۔'' ابا چلو۔ یہاں سے نکل چلو۔''

الیاس پیار بھرے لہجہ میں کہہ رہا تھا۔'' حنا ڈرو نہیں! وہ شیطان یہاں سے چلا گیا ہے جس نے تم پر جادو کر رکھا تھا۔''

حنا:'' تم مجھے یہاں لائے ہی کیوں۔''

الیاس:'' بیٹی! میں نہیں لایا تو خود آئی تھی۔ مجھے تو تیری دایہ نے اطلاع دی تھی کہ ایک پادری تجھے عیسائی بنانے کے لئے گرجا میں لے گیا ہے۔''

حنا کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے سخت تعجب ہو رہا ہے۔ اس نے کہا۔'' میں خود آئی تھی۔''

الیاس:'' ہاں''

حنا: ''مگر مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں ہے۔''

الیاس: ''اور تو عیسائی ہونے پر تیار تھی؟''

حنا: ''نہیں نہیں !! میں عیسائی نہیں ہو سکتی۔''

الیاس: '' کچھ تجھے یاد ہے کہ تو کس کے ساتھ آئی تھی۔؟''

حنا: ''صرف اتنا یاد ہے کہ میں اپنی دایہ کے ساتھ بازار جا رہی تھی۔ ایک نوجوان پادری ملا۔ اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالدیں اور میں اس کے ساتھ ہو لی۔''

الیاس: '' کیا پہلے بھی کبھی وہ پادری تجھ سے ملا تھا؟''

حنا: ''ہاں! کئی مرتبہ مل چکا تھا۔ ابا میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔ یہاں سے چلئے کہیں وہ شیطان پھر نہ آ جائے۔''

الیاس: ''مت ڈرو بیٹی! اس نوجوان کے سامنے اس کا جادو نہیں چل سکتا۔''

الیاس نے مسلم نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔ حنا نے اسے دیکھا۔ وہ پہلے ہی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حنا نے شرما کر اپنی نظریں جھکا لیں۔

اب نوجوان باپ اور بیٹی دونوں کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔ ''یہودی دوشیزہ مت گھبراؤ! اب وہ شیطان تم پر کوئی اثر نہیں ڈال سکے گا۔''

حنا شرمیلی نظروں سے نوجوان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر صبح کے پھولوں جیسی تازگی آ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔'' وہ شرما کر چپ ہو گئی اور فقرہ پورا نہ کر سکی۔

نوجوان نے کہا۔ ''شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تم ایک بات بتا سکتی ہو۔''

حنا نے دلفریب نگاہیں اٹھا کر دریافت کیا ''کیا؟''

نوجوان: ''تم ابھی تھوڑی دیر ہوئی عیسائی ہونے کے لئے کیوں تیار ہو گئی تھی؟''

حنا: ''میں...... نہیں میں عیسائی نہیں ہو سکتی۔''

نوجوان: ''مگر تم نے نقولا کی طرف دیکھ کر میرے سامنے اقرار کیا تھا؟''

حنا: ''میں اپنے حواس میں نہ تھی اور اس لئے مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے۔''

نوجوان: ''ٹھیک ہے اچھا نقولا تمہارے پاس آتا جاتا رہتا تھا؟''

حنا: ''گاہے بگاہے جب ابا جان مکان پر نہ ہوتے تھے تب آ جایا کرتا تھا مگر میں اس سے ڈرا کرتی تھی۔''

نوجوان: ''تم نے کبھی اپنے والد سے اس کا تذکرہ نہ کیا تھا؟''

حنا:''مجھے یاد ہے کہ میں نے کہا تھا۔''

الیاس:''ہاں! اس نے کہا تھا اور میں نے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اس شیطان کو مکان میں نہ آنے دیں۔''

نوجوان:''وہ تم پر کوئی اثر ڈال رہا تھا۔''

حنا:''یقیناً! کیونکہ جب وہ آتا تھا تو میں اپنے حواس میں نہ رہتی تھی۔''

اب دونوں پادری آ گئے تھے اور وہ بطریق کے پاس پہنچ گئے تھے۔ نوجوان بھی ان کے پاس جا پہنچا۔

ایک پادری نے کہا۔''حضور! نقولا کا کہیں پتا نہیں چلا۔''

نوجوان کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔''تم نے اس شیطان کو کسی جگہ چھپا دیا ہے اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو اسے ڈھونڈ کر لاؤ''

وہی پادری:''ہم خداوند (حضرت مسیحؑ) کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے اسے نہیں چھپایا ہے بلکہ ہر جگہ خوب تلاش کر لیا مگر وہ کہیں بھی نہیں ملا۔''

بطریق نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم بخت کہیں بھاگ گیا ہے۔ اطمینان رکھیے۔ جس وقت وہ ہاتھ آئے گا یا کہیں اس کا پتا چلے گا تو ہم فوراً حکومت کو اطلاع دے دیں گے۔''

نوجوان:''کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ اس نے جو کارروائی کی ہے وہ نہایت نامناسب تھی۔''

بطریق:''بے شک''

پیٹر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔''کیا کسی کو عیسائی بنانا نامناسب بات ہے۔''

نوجوان:''دیکھیے! مذہب کے معاملہ میں جبر، لالچ اور فریب تینوں باتیں ناجائز اور نامناسب ہیں۔''

پیٹر:''لیکن ہم نے ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں کی۔''

نوجوان:''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ نقولا نے کوئی اثر ڈال کر اس دوشیزہ کو عیسائی بنانے کی کوشش کی؟''

پیٹر:''میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لڑکی خود عیسائی ہونا چاہتی تھی۔''

نوجوان:''مگر اب وہ انکار کر رہی ہے۔''

پیٹر:''یہ اس کی چالاکی ہے۔''

نوجوان کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ "اس کی چالاکی...... کس وجہ سے وہ چالاکی کر سکتی ہے۔"

پیٹر: "اسے وہ خود ہی خوب جانتی ہو گی۔"

نوجوان: "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ لوگ پیشوائے دین ہوتے ہوئے مکاری کی تعلیم دیتے ہیں۔"

پیٹر کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بطریق بیچ میں بول اٹھا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس فریب دہی سے ہم مبرا ہیں۔"

نوجوان: "یہ ہو سکتا ہے لیکن جب اس لڑکی کا باپ اس کے عیسائی ہو جانے پر تیار نہ تھا تو پھر تم کیوں ایسا کر رہے تھے۔"

بطریق: "ہم سمجھتے تھے کہ چند دنوں میں اس کا باپ بھی راضی ہو کر عیسائی ہو جائے گا۔"

نوجوان: "یا اسے مجبور کر کے عیسائی بنا لیا جائے گا۔"

بطریق: "نہیں ہم مجبور نہیں کر سکتے تھے۔"

نوجوان: "اچھا تمہیں حکومت مصر کے سامنے جواب دینا ہو گا۔"

ان ایام میں بیت المقدس حکومت مصر کے ماتحت تھا۔

بطریق نے گڑگڑا کر کہا۔ "نہیں شریف نوجوان! ایسا نہ کیجئے۔"

نوجوان: "کیا تم اقرار کرتے ہو کہ آئندہ کسی بچے، لڑکے یا لڑکی کو اس وقت تک عیسائی نہ بناؤ گے جب تک اس کے والدین، عزیز و اقارب اور اگر کوئی بھی نہ ہو تو حکومت سے اجازت نہ لے لو۔"

بطریق: "ہم اقرار کرتے ہیں۔"

نوجوان: "اور جس وقت نقولا کا پتا تم کو ہو جائے فوراً اسے گرفتار کر کے حکومت کے حوالے کر دو گے۔"

بطریق: "ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں۔"

نوجوان: "اچھا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع حکومت کے کانوں تک نہ پہنچاؤں گا۔"

بطریق: "آپ کی اس عنایت کا شکریہ!"

اب نوجوان الیاس کی طرف مخاطب ہوا۔ الیاس حنا کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ اور حنا ابھی تک اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔

دونوں خاموش تھے اور نوجوان اور بطریق کی گفتگو سن رہے تھے۔

نوجوان نے کہا۔ ''معزز یہودی یقین ہے تم بھی اس معاملہ کو طول نہ دو گے۔''

الیاس: ''شریف نوجوان! میں بالکل خاموش رہوں گا لیکن ان لوگوں سے اقرار کر لیجئے کہ یہ پھر کہیں میری بیٹی کو عیسائی ہونے کی ترغیب نہ دیں گے۔''

بطریق: ''میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم پھر کبھی ایسا نہ کریں گے۔''

نوجوان: ''معزز یہودی! اب تو آپکا اطمینان ہو گیا؟''

الیاس: ''اطمینان...... لیکن خیر میں معاملہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

نوجوان: ''بہتر ہے آیئے اب گرجا سے باہر چلیں۔''

الیاس: ''چلئے۔''

مسلمان وہاں سے واپس لوٹے۔ الیاس اور حنا بھی چلے اور یہ سب گرجا سے باہر نکلے۔ گرجا کے دروازے پر مسلمانوں کے گھوڑے کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہیں سفر پر جا رہے تھے۔

یہاں الیاس نے نوجوان سے کہا۔ '' میرے محسن! میں آپ کا مشکور ہوں کیونکہ آپ کی بروقت امداد نے میری بیٹی کو بچا لیا۔''

نوجوان: ''میں اتفاقیہ آ گیا لیکن تم احتیاط کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ آئندہ پھر کوشش کریں۔''

الیاس: ''اب یہاں تو احتیاط مشکل ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کہیں اور چلا جاؤں۔''

نوجوان: ''ٹھیک ہے تم قونیہ چلے آؤ۔''

الیاس: ''کیا آپ قونیہ جا رہے ہیں۔''

نوجوان: ''ہاں! میں وہیں جا رہا ہوں۔ سلطان قونیہ کا سفیر ہوں اور اسی جگہ رہتا ہوں۔''

الیاس: ''جناب کا اسم گرامی کیا ہے؟''

نوجوان: ''میرا نام غالب ہے۔''

الیاس: ''میں قونیہ ہی آ جاؤں گا۔''

نوجوان: ''جس قدر جلد ممکن ہو سکے تم بیت المقدس کو چھوڑ دو۔''

الیاس: ''میں شاید اسی ہفتہ میں چھوڑ دوں گا۔''

غالب: ''میں قونیہ میں تمہارا خیر مقدم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں گا۔''

الیاس: ''میں آپ کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

حنا نے شرمیلی نظروں سے غالب کو دیکھتے ہوئے کہا۔'' اور میں بھی آپ کا شکریہ ادا کرتی

ہوں''

غالب نے اس عزبدہ جو کو دیکھا۔ دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سنبھلا اور اس نے کہا۔''میں خوش ہوں کہ میں تمہاری مدد کر سکا۔''

اب وہ اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل دیئے۔ الیاس اور حنا انہیں اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ وہ نظر آتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو دونوں آہستہ آہستہ چل پڑے۔

☆☆☆☆

ساتواں باب

بشارت

جب نوجوان اور اس کے تمام مسلح ساتھی الیاس اور حنا کمرے سے باہر چلے گئے تب پیٹر نے کہا۔''کس قدر ظلم ہے یہ کہ ہمیں اتنی بھی آزادی نہیں ہے کہ ہم کسی کو اپنے مذہب میں بھی داخل کر سکیں۔''

بطریق:''ہم خداوند کے گھر میں مجبور و بے کس ہو کر رہ گئے ہیں۔''

پیٹر:''نہایت غم ناک بات ہے یہ۔''

بطریق:''کیا آپ ہماری کچھ امداد نہ کریں گے۔''

پیٹر:''ضرور کروں گا میں یہاں سے سیدھا پاپائے روم کے پاس جاؤں گا اور انہیں یہاں کے عیسائیوں کی حالت زار سنا کر آمادہ کروں گا کہ وہ عیسائی دنیا کو بیت المقدس کی واپسی پر ابھاریں۔''

بطریق:''آپ سے خداوند اور خدا دونوں خوش ہوں گے۔ کاش وہ دن میری زندگی میں آ جائے کہ یہ مقدس شہر جسے خداوند کی پیدائش اور آرام گاہ کا شرف حاصل ہے۔ غیر عیسائیوں کے وجود سے پاک ہو جائے اور ہم آزادی سے مذہبی رسوم ادا کر سکیں۔''

پیٹر:''اگر میں زندہ رہا اور زندہ یورپ واپس پہنچ گیا تو سارے یورپ کو ایشیا پر چڑھا لاؤں گا۔''

بطریق:''خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے......اب مجھے نقولا کا فکر پڑ گیا ہے۔''

پیٹر:''کیسا فکر ہے؟''

بطریق:''مجھے خوف ہے کہیں یہ سرکاری آدمی عمال حکومت سے جا کر کوئی شکایت کر دیں اگر ایسا ہوا تو نقولا کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔''

پیٹر: ''پھر کیا کرنا چاہئے؟''

بطریق: ''اس نے عقل مندی کی کہ اس وقت ٹل گیا۔ اب میں اسے یہاں سے باہر کہیں بھیج دوں گا اور ہدایت کروں گا کہ وہ ایک مہینہ سے پہلے یہاں ہرگز نہ آئے۔''

پیٹر: ''نہایت مناسب ہے لیکن مجھے ایک افسوس ہے۔''

بطریق: ''کیا؟''

پیٹر: ''یہی کہ یہودی لڑکی عیسائی نہ ہوئی اگر وہ عیسائی ہو جاتی تو......''

بطریق: ''تو کیا ہوتا؟''

پیٹر: ''عیسائی دنیا میں انقلاب آ جاتا۔''

بطریق: ''کیسے؟''

پیٹر: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کس قدر حسین ہے۔''

بطریق: ''ہاں وہ بہت زیادہ خوبصورت ہے۔''

پیٹر: ''ایسی خوبصورت کہ میں نے آج تک ایسی حسین ایک لڑکی بھی نہیں دیکھی۔ یورپ کی کوئی دوشیزہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

بطریق: ''یہ سچ ہے؟''

پیٹر: ''میں نے سوچا تھا کہ اسے عیسائی کر کے یورپ اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اس کے ذریعے سے صلیبیں تقسیم کرا کر لوگوں کو صلیبی جہاد پر آمادہ کروں گا۔''

بطریق: ''میرے خیال میں ہر شخص اس کے ہاتھ سے صلیب لینا فخر سمجھتا۔''

پیٹر: ''ہاں! اور جو صلیب لے لیتا وہ ضرور لڑنے پر آمادہ ہو جاتا۔''

بطریق: ''یقیناً! ایسی ماہوش دوشیزہ سے کون صلیب نہ لیتا......''

پیٹر: ''اور جو کوئی صلیب لے لیتا وہ گھر بار چھوڑ کر صلیبی جہاد میں شریک ہو جاتا۔''

بطریق: ''اطمینان رکھئے! میں پھر اسے عیسائی بنانے کی کوشش کروں گا۔''

پیٹر: ''میں یا تم کچھ نہیں کر سکتے۔''

بطریق: ''اور؟''

پیٹر: ''نقولا ہی اسے عیسائی بنا سکتا ہے۔''

بطریق: ''لیکن ابھی اس کیلئے اندیشہ ہے۔''

پیٹر: ''جب تک اندیشہ دور نہ ہو جائے اس وقت تک اسے یروشلم سے باہر ہی رہنا چاہئے۔''

بطریق:'' اچھا! اب آپ آیئے۔ آرام کیجئے۔ میں نقولا کو اسی وقت یہاں سے چلتا کر دوں۔''

پیٹر:'' مناسب ہے۔ چلئے!''

اب یہ سب گرجا سے باہر نکل آئے اور بطریق کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت المقدس میں جو بطریق رہتا تھا اسے عیسائی دنیا مقتدائے اعظم کہا کرتی تھی۔ گویا وہ پوپ کا ہمعصر مانا جاتا تھا۔

پوپ یورپ کی ایک سلطنت اٹلی کے دارالسلطنت روما میں رہتا تھا۔ مذہبی طور پر ساری عیسائی دنیا اس کا احترام کرتی تھی اور اس کے احکام کو مانتی تھی۔ بیت المقدس کا بطریق یا مقتدائے اعظم شاہانہ شان وشوکت سے ایک نہایت شاندار محل میں رہتا تھا۔ اس نے پیٹر کو محل میں ہی ٹھہرایا اور خود نقولا سے مل کر اسے وہاں سے رخصت کرنے کے لئے چلا گیا۔

نقولا گرجا کے ایک کمرے میں موجود تھا۔ چونکہ وہ نہایت چالاک آدمی تھا اس لئے سمجھ گیا کہ اب اگر وہ باہر نکلے گا تو اسے اسلامی حکومت کے عمال گرفتار کرلیں گے۔ بطریق نے اسے چند پادریوں کے ساتھ رات کے وقت وہاں سے نکال دیا اور ہدایت کردی کہ وہ ایک مہینہ سے پہلے واپس نہ آئے۔

پیٹر بطریق کے پاس رہنے لگا۔ جب وہ تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کر چکا تو ایک روز حضرت عیسیٰؑ کے روضہ پر گیا۔

رات کا وقت تھا۔ کافی رات گزر چکی تھی۔ اندھیری رات تھی۔ ستارے آسمان پر تیر رہے تھے۔ فضا خاموش تھی۔ کائنات پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ پیٹر تربت کے سامنے سجدے میں گر گیا اور خلوص نیت اور صفائی قلب سے حضرت عیسیٰؑ کو یاد کرنے لگا۔

دفعتاً کچھ کھٹکا ہوا۔ اس نے سر اٹھایا اور دیکھا کہ تمام روضہ ایک عجیب روشنی سے معمور ہو گیا ہے۔ وہ حیران رہ گیا۔ ابھی اس کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ آواز آئی۔'' پیٹر[1] اٹھ کھڑا ہو اور میری امت کی مصیبت کی داستان جلد سے جلد مشتہر کر۔ وقت آ گیا ہے کہ میرے خادم انھیں اور مقدس مقامات کو غیر عیسائیوں سے چھڑا لیں۔''

پیٹر کے دل میں جوش مسرت سے عجیب عجیب لہریں اٹھنے لگیں۔ اس کا سینہ خوشی سے بھر گیا اس قدر بھرا کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔'' کیا یہ خداوند کی آواز ہے؟''

---

[1] ہم نے یہ ناول عیسائیوں کی تاریخوں سے تیار کیا ہے کسی عربی مؤرخ کی کوئی ایک روایت بھی اس میں شامل نہیں ہے۔ یہ تمام واقعہ جواب تک لکھا گیا ہے تاریخ مجاوٗ کے صفحات 42،41،40 میں مرقوم ہے (صادق صدیقی)

آواز آئی۔ ''ہاں! خداوند کی بلکہ خدا کے بیٹے کی۔''

پیٹر: ''میں خوش قسمت ہوں۔ بڑا خوش قسمت ہوں۔''

آواز: ''ہاں! تو خوش قسمت ہے۔ تجھے خدا نے اس نیک کام کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ پرانی صلیب جو مقتدائے اعظم کے پاس ہے لے اور یورپ جا کر فوراً اپنا کام شروع کر دے۔''

پیٹر: ''میں اس نیک کام میں اپنی جان تک دے ڈالوں گا خداوند!''

اب آواز بند ہو گئی لیکن پیٹر اس خیال سے وہیں رہا کہ شاید پھر خداوند سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو جائے لیکن صبح تک پھر کوئی آواز نہ آئی۔''

صبح ہوتے ہی وہ اٹھا اور سیدھا بطریق کے پاس پہنچا۔ بطریق نے اسے دیکھتے ہی دریافت کیا مقدس بزرگ کیا آپ رات کو سوئے نہیں ہیں۔

پیٹر: ''ہاں نہیں سویا۔ مجھے خداوند نے ہدایت کی ہے کہ میں یہاں کے عیسائیوں کی مصیبت کی داستان مشتہر کروں اور انہوں نے فرمایا ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ میرے خادم اٹھیں اور مقامات مقدسہ کو چھڑا لیں۔''

بطریق نے مسکرا کر کہا۔ ''مبارک ہو! مقدس ہستی! کس قدر خوش قسمت ہیں آپ کہ آپ سے خود خداوند نے گفتگو کی ہے۔''

پیٹر: ''ہاں! میں خوش قسمت ہوں۔ تم پرانی صلیب نکلوا دو اور ایک وثیقہ لکھ دو تاکہ میں یورپ کے بادشاہوں کو یہ دونوں چیزیں دکھاؤں اور انہیں صلیبی جہاد پر آمادہ کروں۔''

بطریق: ''پرانی صلیب...... کس نے بتایا ہے تمہیں اس کے متعلق۔؟''

پیٹر: ''خود خداوند نے بتایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ میں اس صلیب کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔''

بطریق: ''آہ خداوند کو اپنی قوم کا کس قدر خیال ہے۔''

پیٹر: ''معلوم ہوتا ہے کہ انہیں آسمان پر اپنے باپ کے پاس رہتے ہوئے بھی چین نہیں ہے۔''

بطریق: ''کیسے ہو سکتا ہے جب عیسائی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ مقدس مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ عیسائیت کو اسلام کا خطرہ ہے۔ پھر خداوند کو چین کیسے آئے۔''

پیٹر: ''اب میں ایک دن بھی یہاں نہ ٹھہروں گا۔ مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں فوراً چلا جاؤں تم صلیب نکلوا دو اور وثیقہ لکھ دو۔''

بطریق: ''وثیقہ میں کیا لکھ دوں؟''

پیٹر: ''جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہی لکھ دو۔''
بطریق: ''صرف ایک وثیقہ کافی ہے۔؟''
پیٹر: ''نہیں تمام بادشاہوں کے نام الگ الگ لکھ دو۔''
بطریق: ''اچھا۔''

اس نے چند پادریوں کو بلا کر دو کو صلیب لینے کے لئے بھیج دیا اور دو سے وثیقہ لکھنے کا سامان منگوایا۔ تمام اشیاء فوراً ہی مہیا ہوگئیں۔ بطریق نے حسب ذیل وثیقہ[1] لکھا۔

از پاک مقام یروشلم!

بنام..............شاہ یورپ

تصدیق کی جاتی ہے کہ معزز محترم پیٹروی ہرمٹ کو خداوند نے بشارت دی ہے کہ وہ یہاں کے لوگوں یعنی عیسائیوں کی مصیبت سے ساری عیسائی دنیا کو آگاہ کر دیں اور ایمانداروں کو آمادہ کر دیں کہ وہ لہو ولعب اور عیش وعشرت کو چھوڑ کر مقامات مقدسہ سے ناپاکی اور ناپاک لوگوں کو دور کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ کسی خطرہ کا خیال نہ کریں کیونکہ خطرات برداشت کرنے ہی لوگ بہشت کے دروازہ میں داخل ہوں گے۔ برگزیدہ اور منتخب لوگوں کی ہی آزمائش ہوا کرتی ہے۔

مقتدائے اعظم یروشلم

اس وثیقہ کی بہت سی نقلیں کی گئیں اور ان پر صلیب پاک کے چھاپے دیئے گئے۔ پیٹر تمام وثیقے اور پاک صلیب کو لے کر اسی روز وہاں سے اٹلی کی جانب روانہ ہوگیا۔

☆☆☆☆

آٹھواں باب

حنا اور الیاس

الیاس بیت المقدس (اسے یروشلم بھی کہتے ہیں) کے معزز لوگوں میں گنا جاتا تھا۔ وہ مالدار تھا۔ جواہرات کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کے لے دے کے صرف ایک ہی لڑکی تھی جس کا نام حنا تھا۔ وہ نہایت نیک، سمجھدار اور حسین تھی۔ اسے اپنی اس اکلوتی بیٹی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اس کے آرام وآسائش کے لئے اس نے ہر چیز مہیا کر رکھی تھی۔

عیسائیوں کی طرح یہودیوں میں بھی پردہ نہ تھا۔ اور پردہ نہ ہونے کی وجہ سے حنا بازاروں میں، سیرگاہوں میں، محفلوں میں غرضیکہ ہر جگہ آزادانہ چلی جاتی تھی یا تو واقف ہی نہ تھی کہ وہ

[1] از کارزار صلیبیہ صفحہ 19

جنس لطیف یا صنف نازک ہے اور پھر ایسی حسین کہ جس کا جواب نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ تک میں بھی نہ تھا اور یا وہ سب کچھ جانتے ہوئے حسن کی نمائش کرتی پھرتی تھی لیکن اغلب خیال یہی ہے کہ وہ اپنے حسن کی قیامت خیزیوں سے واقف ہی نہ تھی۔

جس طرف سے وہ نکل جاتی تھی مشتاقان دید کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے تھے۔ ایک تو وہ حسین تھی۔ دوسرے لباس ایسا اچھا اور زیورات ایسے بیش قیمت پہنتی تھی کہ دسیوں گنا خوبصورتی بڑھ جاتی تھی۔ الیاس چند ماہ سے دیکھ رہا تھا کہ حنا کچھ چپ چاپ، کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔ باتیں کرتے کرتے بھول جاتی ہے۔ اسے اس کی کیفیت دیکھ دیکھ کر تعجب ہونے لگا تھا مگر وہ خاموش نہیں بیٹھا بلکہ دریافت حال کی تجسس میں لگ گیا۔ آخر اسے معلوم ہو گیا کہ نقولا اس کے پاس آنے لگا ہے اور اس نے اس پر کوئی ایسا اثر ڈال دیا ہے جس سے وہ اس کا دم بھرنے لگی ہے۔

عیسائیوں اور یہودیوں میں موافقت نہیں ہوا کرتی۔ دونوں فرقے ایک دوسرے کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے چنانچہ الیاس کو یہ بات بری معلوم ہوئی اور اس نے نقولا کا اپنے مکان پر آنا جانا بند کر دیا۔

نقولا نے اسے عیسائی بنانے کا ارادہ کر لیا اور اس لئے وہ اسے گرجا میں لے گیا مگر قدرت کو شاید یہ منظور نہ تھا اور وہ عیسائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ الیاس اسے ساتھ لے کر مکان پر پہنچا۔ اس کا مکان نہایت عالیشان تھا۔ حنا اپنے کمرے میں چلی گئی اور الیاس باہر چلا گیا۔ شام کے وقت جب وہ آیا اور باپ بیٹی دونوں کھانا کھانے بیٹھے تو الیاس نے کہا۔ ''نور چشمی! کیا میں نے منع کر دیا تھا کہ تو نقولا سے بات نہ کرنا۔''

حنا ''میں اس پر کاربند تھی مگر......''

الیاس ''مگر وہ چھپ کر آتا رہتا تھا۔''

حنا: ''نہیں۔''

الیاس: ''اور؟''

حنا: ''کبھی کبھی راستہ میں مل جاتا تھا۔''

الیاس: ''اور باتیں کرنے لگتا تھا۔''

حنا: ''جی نہیں! میں اس سے باتیں بھی نہ کرتی تھی۔''

الیاس: ''پھر؟''

حنا: ''وہ مجھے دیکھتا تھا اور میں مرعوب ہو جاتی تھی۔''

الیاس: ''تو سچ کہتی ہے اس کی آنکھ میں غیر معمولی چمک ہے۔''

حنا: ''ایسی چمک جو میں نے کسی کی آنکھ میں نہیں دیکھی۔''

الیاس: ''لیکن تو اس کی طرف دیکھتی ہی کیوں تھی؟''

حنا: ''کبھی میں نے قصداً نہیں دیکھا۔''

الیاس: ''اس نے تجھے مخاطب کیا۔''

حنا: ''جی نہیں! بلکہ کوئی خاص کشش میری نظریں اس کی طرف کھینچتی تھی۔ میں نے آپ سے اس بات کا تذکرہ کرنا چاہا لیکن شرم کی وجہ سے نہ کر سکی۔''

الیاس: ''مگر تجھے یہ بات مجھے بتا دینی چاہئے تھی۔''

حنا: ''کئی دفعہ ارادہ کیا لیکن نہ کہہ سکی ا''

الیاس: ''میرا خیا ہے کہ تجھ پر آنکھوں کے ذریعہ سے کوئی اثر ڈال رہا ہے۔''

حنا: ''اب میرا بھی یہی خیال ہو گیا ہے۔ ایک بات اور حیرت انگیز ہے۔''

الیاس: ''کیا؟''

حنا: ''بالطبع مجھے اس سے نفرت ہے۔''

الیاس: ''نفرت ہے......''

حنا: ''اس قدر کہ میں اس کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی لیکن......''

الیاس: ''لیکن پھر اس کی طرف دیکھتی ہے۔''

حنا: ''جی ہاں! کوئی طاقت میرا رخ اس کی طرف پھیر دیتی ہے۔''

الیاس: ''یہی جادو ہے بیٹی۔''

حنا: ''میں بھی یہی کہہ سکتی ہوں۔''

الیاس: ''مجھے تعجب ہوا تھا کہ تو میرے سامنے عیسائی ہونے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔''

حنا: ''میں اپنے حواس میں نہ تھی۔''

الیاس: ''میں سمجھ گیا تھا۔''

حنا: ''مجھے یہ خبر نہیں کہ میں کیسے گرجا میں پہنچ گئی۔''

الیاس: ''وہ جادوگر جادو کے زور سے کھینچ لے گیا۔''

حنا: ''یقیناً''

الیاس: ''وہ تو خدا نے مہربانی کی کہ ایک مسلمان آ گیا۔''

حنا: ''کیا آپ اسے ساتھ نہیں لائے تھے۔''

الیاس: ''نہیں ! میں تو تنہا دوڑا چلا آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ رحمدل او خدا ترس مسلمان نہ آ جاتا تو آج عیسائی شاید مجھے مار ڈالتے۔''

حنا: ''نہیں وہ ایسی جرات اسلامی حکومت میں کبھی نہیں کر سکتے۔''

الیاس: ''تو ان عیسائیوں سے واقف نہیں ہے بیٹی۔''

حنا: ''ہاں! میں بالکل بھی نہیں جانتی ہوں۔''

الیاس: ''یہ لوگ ایسے بھیڑیے ہیں جو انسانوں کا خون بہانا ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔''

حنا: ''خدا انہیں ہدایت دے۔''

الیاس: ''ہدایت ! وہ خدا کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور جو خدا کو چھوڑ بیٹھے خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ تو نے سنا ہوگا کہ انجیلِ مقدس میں لکھا ہے کہ کسی انسان کے ساتھ برائی نہ کرو مگر یہ لوگ انسانوں کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔''

حنا: ''ابا! کیا اب تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔''

الیاس: ''بیٹی! مجھے تیری طرف سے فکر ہو گیا ہے اگر تو یہ چاہتی ہے کہ عیسائی ہو جائے تو ......''

حنا: ''میں عیسائی ہونا نہیں چاہتی ابا!''

الیاس: ''لیکن نقولا تیرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔''

حنا: ''میں اس سے ڈرتی ہوں۔''

الیاس: ''آج میرا ارادہ تھا کہ میں تمام واقعات کی رپورٹ قاضی شہر کے حضور میں کر دوں لیکن......''

حنا: ''مگر آپ نے مناسب نہ سمجھا۔''

الیاس: ''ہاں!''

حنا: ''کیوں؟''

الیاس: ''مجھے اندیشہ ہے کہ اگر قاضی شہر نے عیسائیوں کو سزا دی تو تمام عیسائی نہ صرف میرے اور تیرے بلکہ ہماری ساری قوم کے دشمن ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ وہ اپنی نازیبا حرکت سے ہمیں اور ہماری قوم کو تنگ کر دیں۔''

حنا: ''اس لئے آپ یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔''

الیاس: ''ہاں! بشرطیکہ تو بھی اسے مناسب سمجھے۔''

حنا: ''میں بھی یہاں سے باہر جانا چاہتی ہوں۔''

الیاس: ''میں نے سوچا تھا کہ بغداد چلا جاؤں۔''
حنا: ''نہیں ابا! بغداد نہ جائیے۔ آپ نے تو قونیہ جانے کا وعدہ کیا ہے۔''
الیاس: ''اور قونیہ ہی جانے کا ارادہ بھی کرلیا ہے۔''
حنا: ''قونیہ تو شاید دارالسلطنت ہے۔''
الیاس: ''ہاں قزل ارسلان وہاں کا سلطان ہے۔''
حنا: ''شاید ہم وہاں یہاں سے اچھی طرح رہ سکیں۔''
الیاس: ''خیال تو یہی ہے میں نے سنا ہے کہ قزل ارسلان نہایت نیک دل، خدا ترس اور ملک وقوم کا ہمدرد ہے اس کی قلمرو میں یہودیوں کو خاص مراعات حاصل ہیں۔''
حنا: ''مگر آپ تو وہاں چند دنوں کے لئے جارہے ہیں۔''
الیاس: ''میرا ارادہ یہ ہے کہ اگر وہاں حالات سازگار ہوں تو ترک سکونت کر کے وہیں آباد ہو جاؤں۔''
حنا چپ ہوگئی۔ الیاس نے کہا۔ ''شاید بیٹی تو اسے پسند نہیں کرتی؟''
حنا: ''نہیں ابا! جہاں آپ رہیں گے میں وہیں رہنا پسند کروں گی۔''
الیاس: ''قونیہ نہایت اچھا شہر ہے۔ اس کے مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ سرسبز باغات سے گھرا ہوا ہے۔ آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ سردی کم ہوتی ہے اور گرمی بھی زیادہ نہیں پڑتی۔''
حنا: ''آپ نے اس کی تعریف کر کے میرے دل میں اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا کر دیا ہے۔''
الیاس: ''وہ جگہ ہی قابل دید ہے۔''
حنا: ''جب تو میں ضرور وہاں چلوں گی۔''
الیاس: ''بیٹی! رات زیادہ ہوگئی ہے اب جا کر آرام کر۔''
حنا اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ اگلے ہی روز سے الیاس نے کاروبار بند کر کے سفر کی تیاریاں شروع کر دی۔ پورے ایک ہفتہ میں وہ بالکل تیار ہوگیا۔ اس عرصہ میں حنا گھر سے باہر نہ نکلی اسے خوف رہا کہ کہیں راستے میں نقولا نہ مل جائے حالانکہ وہ شہر سے باہر جا چکا تھا مگر اسے اس کی خبر نہ تھی۔ جوں جوں تیاریاں مکمل ہوتی جاتی تھیں حنا کی مسرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ بچوں میں نیا شہر دیکھنے کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ حنا جوان ہوگئی تھی مگر ابھی اس کا شمار بچوں ہی میں ہوتا تھا۔ اس کے دل میں بھی قونیہ دیکھنے اور وہاں جانے کی خوشی پیدا ہوگئی تھی۔ آخر جب تیاریاں بالکل مکمل ہوگئیں تب الیاس نے ایک شام کو اس سے کہا۔ ''حنا! اب ہم صبح

یہاں سے چلے جائیں گے۔''

حنا خوش ہوگئی اس نے کہا۔''خدا کا شکر ہے...... لیکن قونیہ جا کر ٹھہریں گے کہاں آپ؟''

الیاس نے مسکرا کر کہا۔''مسافر کا گھر سرائے۔ سرائے میں جا کر ٹھہریں گے۔''

حنا:''واہ وا! سرائے میں۔؟''

الیاس:''نہیں بیٹی! میں تیرے لئے اچھا مکان کرایہ پر لے دوں گا۔''

حنا:''اور غالب جو کہہ گئے تھے؟''

الیاس:''ہاں! اگر ممکن ہوا تو غالب کے یہاں ٹھہر جائیں گے۔''

حنا:''وہ تو بڑے اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

الیاس:''نہایت شریف انسان ہے۔''

رات کو حنا بہت کم سوئی۔ سفر کی مسرت نے اسے نیند نہ آنے دی۔ اس کے دل میں رہ رہ کر مسرت کی لہریں اٹھتی رہیں اور وہ ان کو بہ مشکل دبا سکی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ وہ سویرے ہی اٹھ گئی اور ضروریات سے فراغت کر کے تیار ہوگئی۔ کچھ دن چڑھے الیاس اسے لے کر محل سے باہر آیا۔ باہر اچھا خاصا قافلہ کھڑا تھا۔ جس میں سوسوا سو آدمی تھے۔ گھوڑے، خچر اور گھوڑا گاڑیاں وغیرہ سب تھیں۔ حنا کو ایک بگھی میں سوار کرایا گیا۔ مرد گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس قافلے نے قونیہ کی طرف کوچ کیا۔

☆☆☆☆

نواں باب

پوپ

پیٹر یروشلم سے روانہ ہو گیا تھا اگر چہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ اسلامی حکومت کی طرف سے نہ عیسائیوں پر کوئی پابندی تھی نہ ان کے مذہب میں کوئی مداخلت کی جاتی تھی بلکہ ان کو ہر قسم کی آزادی تھی مذہبی رسومات نہایت آزادانہ ادا کرتے تھے مگر اسے یہ بات ناگوار تھی کہ مسلمان گرجاؤں میں کیوں چلے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش، حضرت مریم کی محراب یا اور ایسی ہی چیزوں کی زیارت کیوں کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ اسے یہ بات ناگوار گزری تھی کہ پری وش حنا جسے عیسائی بنایا جانے والا تھا اسے چند مسلمانوں نے آ کر عیسائی ہونے سے کیوں روک دیا۔ ان تمام باتوں نے اس کے دل میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ مقامات مقدسہ کی توہین ہو رہی ہے اور بیت المقدس کے عیسائی مجبور و بے کس ہیں۔ ان احساسات نے اس کے دل و دماغ میں مذہبی خبط پیدا کر دیا تھا اور اس نے بیت المقدس سے

رخصت ہوتے ہی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ سب سے پہلے پوپ سے ملے گا اور پھر سارے یورپ کا دورہ کر کے تمام بادشاہوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دے گا چونکہ وہ جلد سے جلد اٹلی پہنچ کر پوپ سے ملنا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے ساتھیوں کو کھینچتا ہوا نہایت تیزی سے چلا جا رہا تھا۔ اس کے قافلے کے ساتھ پادری بھی تھے اور نازک اندام ننیں بھی تھیں۔ متواتر چلنے کی وجہ سے پادریوں کو تو کچھ زیادہ تکلیف نہ ہو رہی تھی مگر ننیں نڈھال ہوتی جا رہی تھیں مگر اسے کسی کی بھی پرواہ نہ تھی۔ وہ بغیر کسی قسم کا خیال کئے ہوئے رات دن سفر کر رہا تھا۔ بہت تھوڑی دیر آرام کرتا تھا۔

جن گدھوں یا خچروں پر سوار ہو کر وہ سفر کر رہے تھے وہ روزانہ لمبی لمبی منزلیں طے کرنے کی وجہ سے مضمحل ہو گئے تھے۔ بلکہ کئی تو تھک تھک کر گر پڑے اور ایسے گرے کہ پھر ان سے نہ اٹھا گیا اور آخر بیچارے دم توڑ کر وہیں رہ گئے۔

جن لوگوں کے خچر یا گدھے مر گئے انہیں پیدل چلنا پڑا اور وہ اس قدر تھک کر چور ہو گئے تھے کہ بہ مشکل ان کے قدم اٹھتے تھے۔ مگر پیٹر نے اب بھی کوئی خیال نہ کیا اور نہ کسی کی پرواہ کی۔

دراصل وہ یہ چاہتا تھا کہ اگر اس کے پر لگ جائیں تو وہ اڑ کر جلد سے جلد یورپ پہنچ جائے اور سارے یورپ کو اکھاڑ کر ایشیا پر لا گرائے اور مسلمانوں کو کچل کر یا پیس کر رکھ دے۔ جب اس کے قافلہ والوں کی تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تب ان میں سے ایک پادری نے کہا۔ ''بزرگ باپ! اب بالکل ہی نہیں چلا جاتا کسی گاؤں میں ٹھہر کر چند روز قیام کر کے بستا لینے دیجئے۔''

پیٹر نے کہا۔ ''نہیں! نہیں! آرام کا خیال نہ کرو۔ کیا خداوند نے نہیں کہا ہے کہ آزمائشوں کو برداشت کر کے ہی لوگ بہشت کے دروازوں میں داخل ہوں گے۔''

پادری: ''مگر ہماری پاکباز بہنیں (ننیں)

پیٹر: ''اس وقت خدا ان کی بھی آزمائش لے رہا ہے۔ یہ تو ہمیں محض سفر کی تکلیف ہے ابھی تو صلیبی جہاد میں مرنا اور مارنا ہے۔''

پادری: ''لیکن کیا اچھا ہو کہ آپ زیادہ نہیں تو صرف تین روز ہی کے لئے کہیں قیام فرما لیں۔''

پیٹر: ''ہرگز نہیں! میں ایک روز بھی نہیں ٹھہر سکتا۔''

جب وہ نہ مانا تو لوگ خاموش ہو گئے اور جوں توں کر کے سفر کرتے رہے۔ آخر خدا خدا کر کے ساحل آ گیا۔ خشکی کا سفر ختم ہو گیا۔ مگر جب وہ ساحل پر پہنچے تو قریب قریب تمام قافلہ

سوائے پیٹر کے اس قدر رختہ حال ہو گئے تھے کہ اگر دو روز بھی اور سفر جاری رہتا تو ان میں سے شاید ایک بھی زندہ نہ بچتا۔ جہاز موجود تھے اور پیٹر نے ملاحوں کی مدد سے قافلہ والوں کو جہاز میں سوار کرایا اور انہیں لنگر اٹھانے کا حکم دے دیا۔ فوراً ہی جہاز چلے اور سمندر کے پانی کو چیرتے ہوئے منزلیں طے کرنے لگے۔

چونکہ پیٹر جانتا تھا کہ کہیں قیام نہ کیا جائے اس لئے جہاز رات دن اڑے چلے جا رہے تھے۔ بہت کم کسی بندرگاہ پر پانی وغیرہ لینے کے لئے ٹھہرتے تھے جو لوگ خشکی پر سفر کرنے کی وجہ سے خستہ حال ہو گئے تھے بحری سفر میں ان کی صحت اچھی ہو رہی تھی۔ کچھ عرصہ میں جہاز اٹلی کے ساحل پر جا پہنچے۔ یہ لوگ اترے اور روما کی طرف بڑھنے لگے چونکہ یہ حاجی تھے۔ بیت المقدس کا حج کر کے گئے تھے اس لئے پیٹر کو اندیشہ ہوا کہ جس بستی سے وہ گزریں گے اس بستی والے ان کو ٹھہرانے کی کوشش کریں گے اور وہ کہیں ٹھہرنا نہ چاہتا تھا بدیں وجہ اس نے سب سے کہہ دیا کہ کوئی بھی کسی سے یہ نہ کہے کہ وہ حاجی ہیں اور حج کر کے ابھی آ رہے ہیں۔ لوگوں کو یہ بات اس وجہ سے ناگوار گزری کہ وہ چاہتے تھے کہ لوگ ان کی عزت و مدارات کریں مگر پیٹر نے ان کی تمام آرزوؤں کا بھی خون کر دیا مگر وہ پیٹر کی بدولت حج کر کے آئے تھے اس لئے جو کچھ کہتا تھا با دل ناخواستہ اس کی تعمیل کرتے تھے۔

چنانچہ وہ خاموش رہے اور انہوں نے کسی سے بھی یہ تذکرہ نہ کیا کہ وہ حاجی ہیں روما ساحل سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ وہ بہت جلد اس مشہور شہر میں پہنچ گئے اور سب سے بڑے گرجا میں جا ٹھہرے۔ یہاں پیٹر نے خود ہی بتا دیا کہ وہ حج کر کے آئے ہیں۔ لوگ ان کے پاس آنے اور ان کی مدارات کرنے لگے۔ اب اس نے پاپائے روم سے ملاقات کرنے کی کوشش شروع کی۔ اس زمانہ میں اربن ثانی پوپ تھا۔ جو گری گوری اور وکٹر جیسے پوپوں کا شاگرد تھا اور ان دونوں کا معتمد بھی رہ چکا تھا۔

اس کے یہ دونوں پیشرو صلیبی جہاد کی طرف مائل تھے اور چاہتے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ صرف بیت المقدس ہی چھین لیں بلکہ ہرقل اعظم کے تمام مقبوضات جن پر مسلمانوں کا قبضہ تھا ان سے واپس لے لیں۔ لیکن وہ تمام عمر کوشش کرنے پر بھی اہل یورپ کو صلیبی جہاد پر برانگیختہ نہ کر سکے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پوپ کا حکم عیسائی دنیا کے لئے ایک نائب رسول کا حکم رکھتا تھا۔ کوئی بادشاہ بھی اس کے حکم سے سرتابی نہ کر سکتا تھا۔ پوپ بادشاہوں سے بھی زیادہ شان سے رہتا تھا۔ ہر کس و ناکس اس کے حضور میں باریاب نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ پیٹر کو بھی کئی روز انتظار کرنا پڑا اور بڑی کدو کاوش کے بعد وہ

ملاقات کا دن اور وقت مقرر کرا سکا۔ آخر معینہ دن اور مقررہ وقت پر وہ پوپ کے محل میں داخل ہوا اور چند ملازموں کی رہبری سے پوپ کے حضور میں پہنچا۔ اربن ثانی ایک شاندار کمرے میں گدہ دار صوفہ پر نہایت تمکنت سے بیٹھا تھا۔

پیٹر نے اسے جاتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا۔ اربن نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اربن نے دریافت کیا۔ ''تم ابھی حج کر کے واپس آ رہے ہو؟''

پیٹر نے کہا۔ ''جی ہاں!''

اربن: ''لیکن حج کرتے ہی سیدھے میرے پاس کیوں آئے ہو؟''

پیٹر: ''اس لئے کہ آپ کو یہ بتائیں کہ ہمارے مقامات مقدسہ کی کس قدر بے حرمتی ہو رہی ہے۔''

اربن نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ ''بے حرمتی ہو رہی ہے۔''

پیٹر: ''جی ہاں! مسلمان جب اور جہاں چاہتے ہیں آزادانہ آتے جاتے ہیں کوئی انہیں منع نہیں کر سکتا۔ روک نہیں سکتا۔ خواہ وہ کیسی ہی بے ادبی کریں۔''

اربن: ''افسوس پاک یروشلم کی اور یہ حالت۔''

پیٹر: ''جو لوگ وہاں جاتے ہیں وہ خون کے آنسو روتے ہیں۔ جو بے حرمتی آج پاک مقامات کی ہو رہی ہے یہ اچھا تھا کہ اسے دیکھنے سے پہلے عیسائی مر جاتے۔''

اربن: ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

پیٹر: ''وہاں عیسائیوں کو نہایت ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ بیچارے محض اس وجہ سے وہاں پڑے ہیں اور تکلیفوں، اذیتوں اور ذلتوں کو برداشت کر رہے ہیں کہ وہ عیسائی ہیں اور خداوند کی پیدائش گاہ اور مسکن کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔''

اربن: ''آہ بیچارے عیسائی۔''

پیٹر: ''ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ انہیں مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ مٹ رہے ہیں اور پھر وہیں پڑے ہیں۔''

اربن: ''اف کس قدر دردناک حالت ہے ان کی۔''

پیٹر: ''ایک عیسائی ان کی حالت زار دیکھ کر بغیر آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان کی کیفیت دیکھی ہے۔ میرے دل میں زخم پڑ گئے ہیں اور میں آپ کو ان کا حال سنانے آیا ہوں۔''

اربن: ''میں تمہارا مشکور ہوں۔''

پیٹر: ''مسلمانوں کی طرف سے یہاں تک سختی کی جارہی ہے کہ عیسائی کسی کو بھی عیسائی نہیں کر سکتے اگر ایسا کریں تو ان پر ناقابل برداشت مظالم کیئے جاتے ہیں۔ سخت سے سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔''

اربن: ''اف خداوند! ہمارے بھائیوں پر ایشیا میں اس قدر مظالم کیئے جارہے ہیں۔''

پیٹر: ''میرے سامنے ایک نہایت حسین یہودی دوشیزہ جس کے حسن کا جواب شاید دنیا بھر میں نہ ہو۔ عیسائی ہو کر نن بننا چاہتی تھی۔ لیکن چند مسلمانوں نے آکر روک دیا۔''

اربن نے غضبناک ہو کر کہا۔ ''اس قدر توہین کی جارہی ہے۔''

پیٹر: ''جی ہاں! عیسائیوں کو تختہ مشق ستم دیکھ کر خداوند کی روح بے قرار ہو رہی ہے چنانچہ مجھ سے خدا کے بیٹے نے کلام کیا۔''

اس کے بعد نہایت موثر لہجہ میں پیٹر نے حضرت عیسیٰ کے روضہ کا واقعہ سنایا۔ اربن ثانی اس واقعہ کو سن کر رونے لگا۔ اس نے اٹھ کر پیٹر کو گلے سے لگایا اور کہا۔ ''پیٹر! ہمت کرو۔''

پیٹر کے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''میں سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

اربن: ''تم ملک ملک اور شہر شہر دورہ کر کے یہ تمام واقعات بیان کرو۔ اور لوگوں کو صلیبی جہاد کی ترغیب دو۔'' پیٹر: ''بہتر ہے۔ یہ مقتدائے اعظم کا وثیقہ ملاحظہ فرمائیے۔''

اربن نے وثیقہ کھول کر پڑھا اس نے کہا۔ ''تم نے خوب کیا کہ یہ وثیقے لکھا لائے۔ تم شہر بہ شہر تقریریں کرتے ہوئے کوہ ہلپیس کو عبور کر کے کلر مانٹ میں جا کر ٹھہرو۔''

میں یورپ کے تمام بادشاہوں کو خطوط روانہ کروں گا اور لکھوں گا کہ وہ سب کلر مانٹ میں جمع ہو جائیں اور جو کسی وجہ سے خود نہ آسکے وہ اپنے نمائندے بھیج دے۔ میں چاہتا ہوں کہ سب بادشاہوں یا ان کے نمائندوں کے سامنے تقریر کر کے انہیں صلیبی جہاد پر آمادہ کروں۔''

پیٹر: ''میرا منشا بھی یہی ہے۔''

اربن: ''اچھا تو تم توقف نہ کرو بہت جلد روانہ ہو جاؤ۔''

پیٹر: ''میں کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔''

اربن: ''ٹھیک ہے۔'' اب پیٹر اٹھا اور اربن کو سلام کر کے واپس لوٹ آیا۔ اس نے اسی روز سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور دوسرے روز اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆
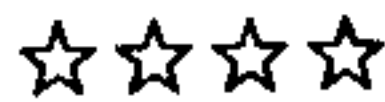
دسواں باب

جوش وغضب کا طوفان

پیٹر روما سے روانہ ہو گیا۔ وہ ایک سفید خچر پر سوار تھا۔ اس کے ساتھ وہی پادری اور تنیں تھیں جو اس کے ہمراہ حج کر کے آئی تھیں۔ پوپ اربن ثانی نے اس سے نہ صرف امداد کا وعدہ کر لیا تھا بلکہ یہ بھی طے کر لیا تھا کہ وہ کلر مانٹ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرے گا اور وہاں تمام بادشاہوں کو جمع کر کے انہیں صلیبی جہاد پر جانے کی ترغیب دے گا۔ اربن ثانی نے اپنا وعدہ ایفا کرنا شروع کر دیا۔ اس نے یورپ کے تمام چھوٹے بڑے حکمرانوں، نوابوں، رئیسوں اور جنگجو لوگوں کو خطوط لکھ دیئے تھے۔

ان خطوط میں وہ تمام باتیں لکھ دی تھیں جو پیٹر سے سنی تھیں اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ کلر مانٹ میں جمع ہو جائیں۔ نیز اس نے یورپ کے تمام گرجاؤں کے پادریوں کے نام بھی مراسلے بھیج دیئے تھے اور ان سے استدعا کی تھی کہ وہ کلیساؤں کی چار دیواریوں سے نکل کر صلیبی جنگ میں حصہ لیں۔

اس کے علاوہ اس نے ایسے لوگوں کو یہ خطوط دے کر روانہ کیا تھا جو اچھے مقرر تھے اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ وہ شہر شہر اور بستی بستی یروشلم کی بے حرمتی اور وہاں کے عیسائیوں کی زار حالت بیان کر کے لوگوں کے دلوں کو اس قدر گرما دیں کہ وہ جنگ پر جانے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

اس کے قاصد جس طرف سے بھی گزرے انہوں نے جگہ جگہ پرجوش تقریریں کر کے لوگوں کے دلوں میں جنگ و پیکار کی آگ بھڑکا دی۔ ادھر پیٹر جس شہر میں اور جس آبادی میں پہنچا اس نے جوشیلی تقریریں کر کے تمام عیسائیوں کو مرنے مارنے پر آمادہ کر دیا۔ تاریخ مجاہد میں لکھا ہے کہ پیٹر ملک بہ ملک اور شہر بہ شہر یروشلم اور وہاں کے عیسائیوں کی مصیبتوں کو بڑی دردناک اور دل شگاف صدا سے بیان کرتا ہوا پھرتا تھا۔ جب وہ بیان کرتے تھک جاتا تھا تو لوگوں کو وہ صلیب جو وہ یروشلم سے ساتھ لے گیا تھا دکھا دیتا تھا۔ بعض اوقات جب وہ زیادہ جوش میں آتا تھا تو چھاتی پیٹ لیتا تھا اور اپنا گوشت نوچ ڈالتا تھا۔ کبھی کبھی رو کر دریا بہا دیتا تھا۔ لوگوں کے جم غفیر اس کے پیچھے ہوئے تھے اور اسے خدا کی طرف سے ایلچی خیال کرنے لگے تھے۔

وہ جس ملک اور جس شہر میں بھی گیا وہاں کے لوگ اس کی تقریروں سے متاثر ہو کر عزیز و اقربا اور گھر بار مال و دولت سب چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لئے۔ آرچ ایک فرنگی مؤرخ اپنی

تاریخ کروسیڈ میں لکھتا ہے کہ اس نے اپنی گرم تقریروں سے تمام یورپ میں آگ لگا دی تھی۔ عیسائی دنیا نے کروٹ لے لی تھی اور بدکار سے بدکار عیسائی بھی مذہبی رنگ میں ڈوب کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے تمام یورپ اپنی ساری آبادی کو ایشیا میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے دھکیل رہا ہے۔ قریب قریب تمام گرجے خالی ہو گئے۔ آبادیاں ویران ہونے لگی تھیں اور لوگ جوق در جوق کلر مانٹ کی طرف دوڑنے لگے تھے۔ مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے دلوں میں جوش کا دریا اُمڈ آیا تھا اور وہ لڑائی پر مستعد ہو گئے تھے۔ پیٹر دی ہرمٹ کی شہرت تمام یورپ اور ساری عیسائی دنیا میں ہو گئی تھی اور لوگ اس کی زیارت کے لئے دیوانہ وار دور دور سے کھنچ کھنچ کر آنے لگے تھے۔

عوام الناس اس پادری کی ہر چیز کو متبرک سمجھنے لگے تھے۔ لوگوں نے اس کی داڑھی کا ایک ایک بال تبرک سمجھ کر نوچ لیا تھا اور اس کے بعد بیچارے اس گدھے کا نمبر آ گیا تھا جس پر وہ سوار ہو کر سفر کرتا تھا۔ اس کے بال بھی نوچے جانے لگے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے جسم پر کسی حصہ پر بھی ایک بال باقی نہ رہا تھا۔ ایک روز اس نے جرمنی کے ایک شہر میں ہزاروں آدمیوں کے درمیان کھڑے ہو کر تقریر کی اس نے کہا۔

"مسیحی بہادرو! میں اس مقام کی زیارت کرنے گیا تھا جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ پاک اور عیسائیوں کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ افسوس وہ مقام جہاں خداوند پیدا ہوئے، پلے بڑھے، جوان ہوئے اور جس جگہ ظالم یہودیوں کے ہاتھوں سے صلیب پر چڑھائے گئے آج مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ مسلمان اس کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں آزادانہ آتے جاتے ہیں اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔ اس پاک مقام کے عیسائیوں پر اس لئے سختیاں کی جاتی ہیں کہ وہ عیسائی کیوں ہیں۔ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ وہاں جو دینی بھائی اور پاک بہنیں رہتی ہیں بڑی مصیبت میں ہیں۔ روتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں کہ دنیا کا سب سے زیادہ پاک مقام یروشلم مسلمانوں کے قبضہ سے نکال کر ایمانداروں (عیسائیوں) کے قبضہ میں آ جائے۔ ان کے رونے کی آوازیں خدا اور خداوند سنتے ہیں ان کی روح بے قرار ہوتی ہے۔ عیسائیو! کیا یہ رونے کا مقام نہیں ہے کہ ہم عیش و عشرت میں زندگی گزاریں اور یروشلم والوں پر بے پناہ ظلم توڑے جائیں۔

یاد رکھو! جو عیسائی آج صلیبی جنگ کے لئے تیار نہ ہو گا کل قیامت کے دن خداوند اس کی طرف سے منہ پھیر لینگے اور خدا کے فرشتے اسے کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ ڈرو اس

عذاب سے جو نا قابل برداشت ہے۔ چھوڑ دو آرام و راحت کو، زر پرستی کو، عزیز و اقارب کی محبت کو، دنیا طلبی کو اور سچے اور پکے دیندار بن کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے چلو۔ کھڑے ہو جاؤ۔ یروشلم کو بچانے کے لئے اپنے عیسائی بھائیوں کو مسلمانوں کے پنجہ ءستم سے آزادی دلانے کے لئے خدا اور خداوند تم پر اپنی برکتیں نازل کریں گے اور تمہارے لئے جنت کے دراز ے کھل جائیں گے۔"

اس کی تقریر نے عیسائیوں کے دلوں میں جوش وغضب کا طوفان موجزن کر دیا۔ ہر طبقہ، ہر عمر اور ہر قسم کے لوگوں میں لڑائی کا جوش پیدا ہو گیا۔

مردوں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں نے جنگ پر جانے کا تہیہ کر لیا اور ایک جم غفیر وہاں سے بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ غرض اس نے کئی ملکوں کا دورہ کیا۔ شہر بہ شہر گھومتا اور تقریریں کرتا پھرا۔ اس کے مواعظ موثر نے تمام ملکوں میں آگ لگا دی اور ایک دنیا اس کے پیچھے ہو گئی۔

چونکہ اربن ثانی کے فرمان تمام یورپ کے بادشاہوں، پادریوں، نوابوں، رئیسوں اور لڑنے والوں کے پاس پہنچ گئے تھے اس لئے تمام یورپ والوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ فرانس ک عظیم الشان شہر کلر مانٹ میں بڑا بھاری جلسہ ہو گا۔ جس میں پوپ بھی شرکت فرمائیں گے اور وہاں صلیبی جنگ کا اعلان کیا جائے گا۔

چنانچہ لوگ ہر خطہ ملک سے روانہ ہو ہو کر کلر مانٹ کی طرف چل پڑے تھے۔ کوئی شہر اور کسی شہر کا کوئی راستہ ایسا نہ تھا جو ان مذہبی دیوانوں سے لبریز نہ ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں ریلیں وغیرہ نہ تھیں عام طور پر لوگ گدھوں، خچروں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ لوگ بھی قافلوں کی صورت میں چل رہے تھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ گھروں کا اثاثہ بیچ بیچ کر گھوڑے اور ہتھیار خرید خرید کر چل پڑے تھے۔ عورتیں شیر خوار بچوں کو بھی اپنے ہمراہ لے آئی تھیں۔ ایک عیسائی کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے جب پیٹر کی تقریر سنی تو اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ حالانکہ اس کی اسی روز شادی ہونے والی تھی۔ جب وہ گھر پہنچا تو اس نے اپنی والدہ سے کہا۔ "میں بزرگ پیٹر کے ساتھ کلر مانٹ جا رہا ہوں۔"

ماں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا شادی سے پہلے ہی؟"

نوجوان: "ہاں!"

والدہ: "مگر تیری دلہن روتے روتے مر جائے گی۔"

نوجوان: "مر جانے دو۔"

والدہ: "لیکن تجھے تو اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔"

نوجوان: ''بے شک!''

والدہ: ''پھر تو ایسی باتیں کیوں کرتا ہے۔''

نوجوان: ''اس لئے کہ میرے دل میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اب مجھے کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ میں کلرمانٹ جا کر صلیبی جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔''

''ایک آواز آئی! تم کو یہ جذبہ مبارک ہو!''

نوجوان اور اس کی والدہ نے جب پلٹ کر دیکھا تو ایک نازنین بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ یہی اس نوجوان کی ہونے والی دلہن تھی۔ اس نے ان دونوں کے پاس آ کر کہا جس عیسائی کے دل میں آج سرفروشی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔ وہ عیسائی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ میرے دل میں بھی لڑائی پر جانے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے اور میں بھی کلرمانٹ جا رہی ہوں۔''

یہ سن کر نوجوان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا۔ ''حب قومی اسی کا نام ہے۔''

نازنین: ''تم کب چلو گے؟''

نوجوان: ''آج ہی۔''

نازنین: ''میں بھی آج ہی روانہ ہو جاؤں گی۔''

نوجوان: ''کیا تم تنہا جاؤ گی؟''

نازنین: ''نہیں! میرے والد، والدہ اور بھائی سب جائیں گے۔''

نوجوان: ''جب تو میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔''

نازنین: ''میں بھی یہی کہنے آئی تھی۔''

نوجوان کی والدہ نے کہا۔ ''اور شادی............؟''

نوجوان: ''اگر زندگی ہے تو پیارے یروشلم سے واپس آنے پر ہو گی''

نازنین: ''یہی بات ہے۔''

والدہ: ''پھر میرا ہی یہاں کون ہے۔ بیٹا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ نوجوان جوش میں آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''یہ نہایت ہی اچھا فیصلہ ہے۔ میں گھوڑوں وغیرہ کا انتظام کر لوں۔''

نازنین چلی گئی اور نوجوان گھوڑے اور ہتھیار خریدنے بازار گیا اور سب چیزیں خرید کر واپس آ گیا۔

اسی روز وہ اور اس کی والدہ پیٹر کے ساتھ کلرمانٹ روانہ ہو گئے۔ اس کی ہونے والی دلہن اور دلہن کا سارا خاندان بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

ہم پہلی صلیبی جنگ کے واقعات لکھ رہے ہیں۔ قارئین کرام سمجھ رہے ہوں گے کہ پہلی صلیبی

جنگ کی تیاریاں شروع کیوں ہوئیں۔ کس نے اس کا آغاز کیا نیز عیسائیوں کی کیا حالت ہوگئی تھی اور کس قدر ان میں جوش پیدا ہو چکا تھا۔ مجاؤ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ پہلی صلیبی جنگ کا بانی پیٹر دی ہرمٹ تھا جس نے یروشلم سے واپس آ کر تمام یورپ میں جوش کا دریا بہا کر لڑائی کی آگ کو سلگانا شرع کر دیا تھا۔ وہ جس بستی میں سے گزرا وہاں کے باشندوں کو ساتھ لے کر اسے ویران کرتا گیا۔

جب اس کے ساتھ زیادہ جمعیت ہوگئی اور کلرمانٹ کے جلسہ کی تاریخ بھی قریب آ گئی تو وہ اس شہر کی طرف روانہ ہوا۔

☆☆☆☆
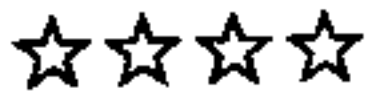
گیارھواں باب

پرجوش عیسائیوں کی روانگی

پوپ اربن ثانی کی تحریروں اور پیٹر دی ہرمٹ کی تقریروں نے تمام یورپ میں آگ سی لگا دی تھی اور ہر ملک کے ہر شہر اور ہر بستی سے لوگ جوق در جوق آ آ کر کلرمانٹ میں جمع ہونے لگے۔ اگرچہ یہ شہر نہایت وسیع تھا اور اس میں ضروریات کی چیزیں بہ کثرت تھیں لیکن وہاں اس قدر مخلوق جمع ہوئی کہ شہر تنگ ہو گیا اور ہر چیز کا قحط پڑ گیا جوں جوں جلسہ کی تاریخ قریب آتی جاتی تھی لوگوں کے جم غفیر روزانہ آتے جاتے تھے۔

یہاں تک کہ جب ان کی زیادہ کثرت ہوگئی تو ان کے لئے شہر سے باہر ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا اور چند ہی دنوں میں ایک نیا شہر اصلی شہر سے بھی بہت زیادہ آباد ہو گیا۔

یورپ کے ہر خطہ سے لوگ کھنچ کھنچ کر چلے آئے تھے اور جو آتے جاتے تھے وہ پیٹر کی زیارت ضرور کرتے تھے۔ عیسائی دنیا اسے ایسا ولی اللہ سمجھنے لگی تھی جو عیسائیوں کو ان کی گری ہوئی حالت سے سنبھال کر اٹھانے اور مسلمانوں سے اس زمانہ کا انتقام دلانے آیا تھا۔ جب انہوں نے ملک شام سے ہرقل اعظم کی رومی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ وہ اسے اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے تھے اور اس کی زیارت کرنا بڑا ثواب سمجھتے تھے۔

لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ الکزیوس نے بھی اپنی سفارت بھیجی ہے اور وہ بھی جنگ میں لڑنے کے لئے تیار ہے۔

اس خبر نے عام لوگوں کو اور بھی خوش کر دیا تھا اور اب وہ پوپ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر اس انتظار کی گھڑیاں بھی ختم ہوگئیں اور پوپ شاہانہ تزک و احتشام سے آ گیا

1: از کارزار صلیبیہ نمبر 24 صفحہ

اور اس کے ساتھ بھی ہزاروں لوگ آئے تھے۔ جس روز پوپ کلرمانٹ میں آیا تھا اس کی رات کو لوگوں نے آسمان میں غیر معمولی روشنی دیکھی۔ ستارے کثرت سے ٹوٹے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد چاند گرہن ہونے لگا۔ اس کے گرد ایک ہالہ کھنچ گیا۔ جو بتدریج چاند کے قریب ہوتا گیا اور ایک دم چاند سرخ ہو گیا۔ ایسا سرخ جیسے کوئی آتشی گولا ہو۔ اس کے فوراً ہی بعد وہ بالکل سیاہ ہو گیا جس سے ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور لوگ گھبرا گئے۔ لوگوں نے ان علامات کو معجزات سے تعبیر کیا اور ہر شخص نے بجائے خود یہ سمجھ لیا کہ دنیا میں ایک زبردست انقلاب آنے والا ہے اور وہ انقلاب یہی ہو گا کہ ملک شام سے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

اگلے روز صبح ہی سے لوگ اس بڑے میدان میں جمع ہونے لگے جو کہ جلسہ کے لئے منتخب کیا گیا تھا چونکہ لاکھوں آدمی جمع ہو گئے تھے اس لئے وہ میدان باوجود بہت کچھ وسیع ہونے کے تنگ ہو گیا۔ اس میدان کے بیچ میں دور تک اونچے اونچے تخت بچھا دیئے گئے تھے اور ان پر فرش کرا دیا گیا تھا جس پر معزز لوگ بیٹھے تھے۔ ان تختوں کے درمیان سٹیج بنایا گیا تھا اور اس پر کرسیاں بچھا دی گئی تھیں۔

ان کرسیوں پر والیان ملک بیٹھے تھے۔ ایک بڑی میز بچھی تھی اور اس کے سامنے والی کرسی پر پوپ اربن ثانی۔ داہنی پر پیٹر دی ہرمٹ اور بائیں پر ایک حسین دوشیزہ بہترین ریشمیں کپڑے اور آبدار موتیوں اور جواہرات کے زیورات پہنے بیٹھی تھی۔

اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور وہ بھی سب کو دیکھ رہی تھی۔ لوگ حیران ہو رہے تھے کہ پوپ کے پاس یہ حسینہ کیوں بیٹھی ہے کون ہے کس لئے آئی ہے کہاں کی رہنے والی ہے۔ مجمع اس قدر تھا کہ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ انسانوں کا سمندر لہریں لیتا نظر آ رہا تھا۔ تمام لوگ نہایت خاموش بیٹھے تھے۔ مردوں میں عورتیں ، بچے اور جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد چند کم سن حسین لڑکیاں آئیں یہ ننوں کا سا لباس پہنے تھیں۔

سفید لباس جو قدرے ڈھیلا تھا۔ سروں سے سفید ہی رومال لپیٹے تھیں۔ وہ میز کے قریب آ کر کھڑی ہوئیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تعریف میں ایک گیت گانا شروع کیا۔

ان کی ترنم ریز آوازیں فضا میں بلند ہوئیں۔ پہلے آہستہ آہستہ پھر اونچی ہونے لگیں۔ انہوں نے گیت ایسے دلکش لہجہ میں گایا کہ پادری اور راہب بھی بے ساختہ تعریفیں کرنے لگے۔ جب وہ گا چکیں تو وہاں سے ہٹ گئیں۔ اب پوپ اربن کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ ’’اب آپ

کے سامنے بزرو محترم پیٹر وہ تمام واقعات بیان کریں گے جو انہیں پاک یروشلم میں پیش آئے۔ آپ نہایت خاموشی اور صبر سکون سے سنیں۔''

پوپ بیٹھ گیا اور پیٹر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس نے آہستہ آہستہ انجیل مقدس کی آیات پڑھیں اور پھر بلند آواز سے کہا۔

''دینی بھائیو! میں حج کرنے کے لئے یروشلم گیا تھا۔ میں نے وہاں جا کر جو کچھ بھی دیکھا۔ اس کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کر سکتا نہ زبان میں طاقت ہے نہ جسم میں قوت۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ پاک مقام جہاں خداوند پیدا ہوئے جہاں آپ نے پرورش پائی۔ جہاں آپ جوان ہوئے اور جہاں آپ نے سب سے پہلا وعظ فرمایا۔ آج کافروں (مسلمانوں) کے قبضہ میں ہے۔ وہ وحشی عرب جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہر مقدس مقام پر آزادانہ آتے جاتے ہیں۔ کوئی انہیں روک نہیں سکتا اگر کوئی دیندار بھائی منع کرے تو اس کا سر اڑا دیا جاتا ہے۔ گرجاؤں کی حالت نہایت خراب ہے۔ دن اور رات ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ پادریوں اور ننوں کی بڑی بے عزتی کی جاتی ہے۔ عیسائیوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو عیسائی بنا سکیں۔

ایک یہودی لڑکی حنا خداوند کے مذہب میں داخل ہونا چاہتی تھی لیکن میرے سامنے کافروں نے اسے روک دیا اور عیسائی نہ ہونے دیا۔ وہاں کے مقتدائے اعظم دل مسوس کر رہ گئے۔ میرے دل پر ان واقعات کا گہرا اثر ہوا اور میں خداوند کے مزار مبارک پر گر کر رویا، روتا رہا دیر تک روتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد خداوند تشریف لائے، روضہ مبارک ایک عجیب روشنی سے بھر گیا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے حضور کی صورت دیکھی۔ آپ نہایت غمزدہ تھے۔ آپ نے فرمایا۔ پیٹر! اٹھ جا اور دینداروں سے کہہ کہ وہ میرے مسکن کو کافروں سے چھڑا لیں۔ جلدی کریں میری روح اس صدمہ سے گھبرا رہی ہے۔ میں حضور کے قدموں میں جا گرا اور عرض کی کہ اے خدا کے بیٹے! خدا سے کہئے کہ وہ میری زبان میں اس قدر طاقت دے کہ میں یہاں کے واقعات بیان کر سکوں اور میرے اس بوڑھے جسم میں اتنی قوت عطا فرمائیے کہ میں سفر کی تکالیف برداشت کر کے ملک ملک اور شہر شہر وعظ نصیحت کرتا پھروں اور پھر ایمانداروں کی جمعیت لے کر اس پاک مقام کو چھڑانے کے لئے آؤں۔

آپ نے فرمایا۔ جا جو تو نے طلب کیا ہے ملے گا۔ میں اگلے ہی روز چلا آیا اور خداوند کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

عیسائی بھائیو! خداوند نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دینداروں کے لئے بہشت کا دروازہ کھل گیا ہے۔ میرے امتیوں کو میرا پیغام پہنچا دے کہ وہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے جلدی سے

اٹھ کھڑے ہوں۔

پیارے بھائیو! بیت المقدس کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ وہاں کے عیسائیوں کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔ تکلیفیں دی جا رہی ہیں اور ان سب باتوں کو دیکھ دیکھ کر خداوند غم ناک ہو رہے ہیں۔

کیا ایک عیسائی خدا کے بیٹے کو غم ناک دیکھ سکتا ہے۔ میرے خیال میں ہرگز نہیں دیکھ سکتا اور اگر کوئی دیکھ سکتا ہے تو وہ عیسائی نہیں ہے۔ اس لئے اب آپ کا فرض ہو جاتا ہے کہ آپ خدا اور خداوند کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور پاک مقام خداوند کے مسکن کو ظالم مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھڑائیں۔ آپ تک خداوند کا پیغام پہنچا کر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب آپ اپنا فرض ادا کریں۔"

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔"ہم اپنا فرض ادا کریں گے۔ خداوند کے نام پر اپنی سب چیزیں قربان کر دیں گے۔"

پیٹر:" خدا تمہیں برکت دے۔"

اب پیٹر بیٹھ گیا۔ پوپ پھر اٹھا۔ اس نے کہا۔" اب آپ کے سامنے یونان کی ایک نازنین اپنے خیالات کا اظہار کرے گی۔ اس کا نام فلورا ہے۔"

اب وہ پری چہرہ جو پوپ کے برابر بیٹھی تھی۔ ہزاروں ناز کے ساتھ اٹھی اور بل کھاتے ہوئے میز کے قریب آ کر کھڑی ہوئی۔ لوگ اسے پہلے ہی سے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ اب اور بھی ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے اور سب اس قدر خاموش ہو گئے کہ سانس لینے کی آوازیں آنے لگیں۔ سیم تن ماہوش نے ذرا بلند آواز سے کہا۔" دینی بھائیو! میں یونان کی رہنے والی ہوں۔ یونانی عورتیں کس قدر خوبصورت ہوتی ہیں۔ اس کا اندازہ تم مجھے دیکھ کر لگا لو۔ میں رومی شہنشاہ الکویوس کی بھیجی ہوئی آئی ہوں۔ قسطنطنیہ سے رومی شہنشاہ نے آپ کے پاس میرے ذریعہ سے یہ پیغام بھیجا ہے کہ مسلمانوں کی چیرہ دستیاں حد سے گزر گئیں۔ انہوں نے بیت المقدس اور انطاکیہ فتح کر لئے ہیں اور اب قسطنطنیہ فتح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت بھی رومی حکومت مسلمانوں کو یورپ کی طرف بڑھنے سے روک رہی ہے۔ اگر خدا نہ کرے ناپاک مسلمانوں نے قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا تو پھر یورپ کی بھی خیر نہ رہے گی اور دنیا کے تختہ سے مسیحی مذہب اٹھ جائے گا۔ اس لئے شہنشاہ روم نے وعدہ کیا ہے کہ وہ صلیبی مجاہدوں کو ہر قسم کی مدد دیں گے اور جب یہ مجاہدین ملک شام سے مسلمانوں کو بے دخل کر کے اور عرب میں گھسا کر

1: از تاریخ مچاڈ صفحہ نمبر 25 مچاڈ لکھتا ہے کہ یورپ کے نیم وحشی لوگوں کے لئے اس سے زیادہ ترغیب کی کوئی چیز نہ تھی۔ صادق

واپس آئیں گے تو انہیں یونانی حسین[1] لڑکیاں ان کی دل بستگی کے لئے دی جائیں گی۔
میں نے خود یہ ارادہ کرلیا ہے کہ جو بہادر سب سے اول پاک یروشلم میں داخل ہوگا میں اسی سے اپنا نکاح کروں گی۔"
مسیحی دلیرو! جہاد کے لئے چلو۔ مسلمانوں کی دولت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تمہیں اس قدر مال غنیمت ملے گا کہ ہر شخص مالدار بن جائے گا۔ یونانی حسین عورتوں سے نکاح کرنا اور مرنے کے بعد جنت میں داخل ہونا۔"
پری جمال دوشیزہ کی تقریر ختم ہوتے ہی لوگوں نے چلا چلا کر کہا۔ "ہم مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے ضرور جائیں گے۔"
اب وہ مہ لقا واپس لوٹ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور پوپ کھڑا ہوا۔ اس نے نہایت باند آواز سے کہا۔
"مسیحی[1] بہادرو! دہشت زدہ قسطنطنیہ اور پامال شدہ بیت المقدس کی آہ وفغاں کی آوازیں عرصہ دراز سے میرے کانوں میں گونج رہی تھیں لیکن میں خیال کر رہا تھا کہ ابھی ان کی امداد کرنے کا وقت نہیں آیا ہے کیونکہ خداوند یا خدا کی طرف سے کوئی ہدایت کسی طرح بھی نہ کی گئی تھی مگر اب ہدایت کر دی گئی ہے اور یہ ہدایت کیوں ہوئی اس لئے کہ مسلمانوں کے مظالم حد سے گزر گئے ہیں۔
بیت المقدس کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ مسیحی لوگ پکڑ پکڑ کر غلام بنائے جا رہے ہیں۔ ان کے گھروں کو برباد کیا جا رہا ہے۔ گرجے گرائے جا رہے ہیں۔ انطاکیہ جو کسی زمانہ میں بطرس حواری کا وطن تھا۔ اب پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ بیت المقدس جو ہمارا محبوب ترین مقام ہے۔ اہل اسلام کے تصرف میں ہے۔ اس جلسہ میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہوں گے جو اس پاک جگہ پر ترکوں کے ظلم وستم ہوتے دیکھ چکے ہیں۔
کیا ہمارے لئے اس سے زیادہ کوئی شرم کی بات ہوسکتی ہے کہ مسلمان کھلے بندوں روضہ مبارک پر جائیں لوگوں کو عیسائی ہونے سے روکیں اور ہم خاموش بیٹھے رہیں۔ ہماری رگ حمیت جوش میں نہ آئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بدقسمتی سے عیسائی بھیڑیئے بن گئے ہیں اور آپس میں ہی ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالتے ہیں۔ مسیحی مسیحیوں ہی کو لوٹ رہے ہیں۔
آہ! آہ! تم نے تیغ زنی چھوڑ کر ڈاکہ زنی اختیار کر لی ہے۔ دیندارو! اگر تمہیں اپنی روح کی

1: از کارزار صلیبیہ نمبر 21 صفحہ

نجات کی آرزو ہے اگر خداوند کی روح کو خوش کرنا منظور ہے۔ اگر خدا کی رضامندی کی تمنا ہے تو باہمی کشت وخون چھوڑ دو اور اس سرزمین کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔ جہاں تمہارے مذہب نے عہد طفلی میں نشوونما پائی۔ اگر تم لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ گے تو خود مسیحا تمہارے رہنما ہوں گے۔ کس کی قسمت ہے جو اس مبارک اور پاک شہر میں مرے۔ جہاں مسیح نے تمہارے واسطے اپنی جان دی۔ تمہیں تو یہ چاہئے کہ دنیا کی محبت، عزیزوں کی الفت اور دولت کی کثرت غرض کوئی چیز بھی تمہیں اس ارادہ سے نہ روکے۔

تم ایک محدود، غیر سرسبز، برف پڑنے والی زمین میں رہتے ہو۔ تمہاری تعداد بڑھ گئی ہے۔ اس ملک کی وسعت تمہارے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے تم آپس میں لڑلڑ کر ایک دوسرے کو کھائے جارہے ہو۔

بدبختو! روضہ اقدس کا راستہ لو۔ اس سرزمین کو مسلمانوں سے چھین لو۔ اگر تم نے ذرا بھی ہمت کی تو تم اپنے دشمنوں کی دولت وحشمت اور مملکت پر قابض ہو جاؤ گے۔

اے بہادرو! تم ان بہادروں کی اولاد ہو جن پر لڑائی میں کسی نے فتح نہیں پائی۔ اپنے خاندان کو دھبہ نہ لگاؤ۔ اپنے ذاتی جھگڑوں کو بھول جاؤ۔ خدا اور خداوند تمہاری مدد کریں گے۔"

پوپ کے خاموش ہوتے ہی ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ "یہ خدا ہی کی مرضی ہے۔ یہ خدا ہی کی مرضی ہے۔"

اربن نے ہاتھ پھیلا کر خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ جب سب چپ ہو گئے۔ تب اس نے کہا۔

"خداوند کا یہ کہنا پورا ہوا کہ جہاں دو یا تین آدمی بھی میرے نام پر جمع ہوتے ہیں میں ان کے درمیان میں موجود ہوتا ہوں اگر خداوند موجود نہ ہوتا تو کبھی تم سب مل کر "خدا ہی کی یہ مرضی ہے" کا نعرہ بلند نہ کرتے۔ لہٰذا میں زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ خدا ہی تھا جس کی آواز تمہاری زبانوں سے سنی گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ میدان جنگ میں تمہارا یہی نعرہ ہو۔ خدا ہی کی یہ مرضی ہے۔ خدا ہی کی یہ مرضی ہے۔ یہ وقت ہے تم سب اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی حاصل کرلو۔"

تمام لوگ یہ سنتے ہی منہ کے بل سجدے میں گر گئے اور سب نے چلا کر کہا۔ "ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور معافی چاہتے ہیں۔"

پوپ اربن ثانی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اٹھو! میرے بچو اٹھو! تمہارے گناہ معاف کر دیئے

[1] یہ تمام تقریر کارزار صلیبیہ کے صفحہ 21 و 22 میں درج ہے۔

گئے ہیں۔ میں ضامن ہوں۔''

سب لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اربن نے کہا'' اب تم صفیں لو اور خداوند کے پاک مسکن کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ مسلمانوں سے لڑو اور انہیں ملک شام، مصر اور فلسطین سے باہر نکال دو۔''

مجمع میں سے آوازیں آئیں ایسا ہی کریں گے۔ ایسا ہی کریں گے۔ اب اربن اور پیٹر نے سرخ رنگ کے کپڑے کی صلیبیں تقسیم کرنا شروع کیں۔ اربن نے پھر کہا'' دیکھو کوئی بوڑھا یا بڑھیا صلیب نہ لے اور بچے بھی صلیب نہ لیں اس لئے کہ جو صلیب لے لے گا اسے جنگ پر جانا پڑے گا۔ بچے اور بوڑھے سفر اور جنگ کی صعوبتیں برداشت نہیں کر سکیں گے۔''

چنانچہ بچوں اور بوڑھوں نے صلیبیں نہ لیں البتہ نوجوان مردوں اور عورتوں نے صلیبیں لیں۔

اگلے ہی روز سے صلیبی مجاہدوں کے گروہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہونا شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے پیٹر دی ہرمٹ ایک لاکھ عیسائیوں کے ساتھ چلا۔ گاڈ فرے بولون کا بادشاہ اسی ہزار فوج لے کر چلا۔ رینالڈ ساٹھ ہزار لشکر لے کر روانہ ہوا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے سردار دس دس، بیس بیس ہزار کے دستے لے کر چل پڑے۔ مچاؤ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ تمام یورپ نے اپنے بہترین جگر پارے مسلمانوں کو ایشیا میں پیس ڈالنے کے لئے بھیج دیئے تھے۔ آرچر اپنی تاریخ کروسیڈ میں لکھتا ہے کہ تمام یورپ اٹھ کر ایشیا کے اوپر گر پڑنے اور اسے کچل ڈالنے کے لئے چل پڑا تھا۔

کارزار صلیبیہ میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کا اس قدر لشکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے پہلی صلیبی جنگ میں روانہ ہوا کہ کسی طرح بھی اس کا شمار نہ کیا جا سکا۔ غرض ٹڈی دل عیسائی مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے پورے سامان اور بڑے جوش و خروش سے روانہ ہوئے۔

☆☆☆☆

بارہواں باب

منزل مقصود

چونکہ الیاس متمول اور ذی حیثیت تاجر تھا اس نے وہ خادموں اور کنیزوں کی پلٹنیں لے کر بیت المقدس سے قونیہ کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر چلتا تھا اور اس کی پریزاد بیٹی حنا بگھی پر بیٹھ کر سفر کرتی تھی۔ وہ رات دن چلے جاتے تھے۔

زیادہ رات ہونے پر ٹھہر جاتے تھے اور صبح سویرے ہی چل پڑتے تھے۔ ملک شام کو طے کر کے وہ قونیہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اور اس مشہور شہر کی طرف بڑھنے لگے۔ جو ترکوں کا دار

السلطنت تھا۔

جوں جوں قونیہ قریب آتا جاتا تھا۔ حنا کا چہرہ کھلی ہوئی کلی کی طرح شگفتہ ہوتا جاتا تھا۔ وہ اکثر پوچھتی رہتی تھی کہ قونیہ اب کتنی دور ہے الیاس اسے بتا دیتا تھا۔

ایک مرتبہ جب اس نے دریافت کیا تو الیاس نے پوچھا بیٹی تجھے قونیہ پہنچ جانے کی اس قدر مسرت کیوں ہے۔؟

حنا یہ سن کر کچھ گھبرا گئی۔ لیکن فوراً بولی! اس لئے ابا کہ قونیہ پہنچ کر میں نقولا سے بہت دور ہو جاؤں گی۔

الیاس: ''کیا اب بھی تجھے اس شیطان کا خیال آتا ہے۔''

حنا: ''ہاں ابا اور جب اس کا خیال آتا ہے تو میرا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔''

الیاس: ''اب نہ ڈر اس کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ یہاں آسکے۔''

حنا: ''اور اسی لئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔''

الیاس: ''مجھے جب وہ وقت یاد آتا ہے جب کہ تو نے میرے سامنے نقولا کی طرف دیکھ کر عیسائی ہونے کا اقرار کیا تھا۔ تو میرے دل میں سنسنی پیدا ہونے لگتی ہے۔''

حنا: ''مگر میں اس وقت اپنے حواس میں کہاں تھی۔''

الیاس: ''لیکن میں نے یہ بات نہیں سمجھی تھی۔''

حنا: ''اس بات کو اس شریف ترک نے سمجھا تھا۔ جو میری خوش قسمتی سے اس وقت گرجہ میں آ گیا تھا۔''

الیاس: ''ہاں اُسے خدا ہی نے بھیج دیا تھا۔''

حنا: ''مگر ابا......''

الیاس: ''ہاں بیٹی۔''

حنا: ''آپ نے اس ترک کو روکا نہیں۔''

الیاس: ''اس کا مجھے بھی ملال ہے اس وقت میں چوک گیا۔''

حنا: ''میں سمجھی کہ آپ قصداً روکنا نہیں چاہتے۔''

الیاس: ''مجھے اس کا خیال ہی نہ ہوا۔''

حنا: ''اسے خیال ہوا ہوگا کہ ہم یہودی بڑے بدخلق ہوتے ہیں۔''

الیاس: ''ضرور ہوا ہوگا۔''

حنا: ''اگر آپ اسے روک لیتے......''

الیاس: ''میرے خیال میں وہ ہرگز نہ رکتا لیکن میں اس کی تواضع کر کے انسانی شرافت سے سبکدوش ہو جاتا۔''

حنا: ''مگر وہ شریف تھا۔ شاید اسے اس کا کچھ خیال نہ ہوا ہو۔''

الیاس: ''یہ بھی ممکن ہے لیکن......''

حنا: ''لیکن آپ کو قیام کرنے کے لئے کہنا ضرور چاہئے تھا۔''

الیاس: ''ہاں۔''

حنا: ''خیر یہاں اس کی مدارات کرنے کی کوشش کیجئے گا۔''

الیاس: ''میری بھولی بیٹی یہاں تو شاید ہم خود اس کے ہی مہمان ہوں گے۔''

حنا: ''مگر جب وہ مل جائے تب ہی تو۔''

الیاس: ''میرے خیال میں وہ کوئی مشہور آدمی ہے اور اس کا جلدی ہی پتہ لگ جائے گا۔''

حنا: ''وہ شاید اپنے آپ کو سفیر بتاتا تھا۔''

الیاس: ''ہاں! مگر میرا خیال ہے کہ وہ سفارت پر بھیجا گیا تھا......''

حنا نے ہنس کر کہا سفارت پر بھیجا گیا تھا۔ جب ہی تو وہ سفیر تھا۔

ہنسنے سے اس کا چہرہ اور بھی دل فریب ہو گیا۔

الیاس نے مُسکرا کر کہا۔ اچھا اب ہنسی بھی اڑانے لگی ہے۔

حنا نے ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ابا جان آپ نے بات ہی ایسی کی جس سے خواہ مخواہ ہنسی آئے۔

الیاس: ''مگر تم نے بات ہی کہاں پوری ہونے دی تُو تو بیچ ہی میں ہنس پڑی۔''

حنا: ''اچھا!......اور آپ کا کیا مطلب تھا۔''

الیاس: ''میرا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی معزز عہدے پر سرفراز ہے۔''

حنا کا چہرہ چمک اٹھا اور اُس نے کہا۔ ''کیسے سمجھا یہ آپ نے؟''

الیاس: ''اس کی ظاہری شان سے۔''

حنا: ''لیکن اگر وہ کسی عہدے پر ہوتا تو بتا نہ دیتا۔''

الیاس: ''نہ ہم نے اُس سے پوچھا اور نہ اس نے ہی بتایا۔''

حنا: ''مگر آپ کو اس کا نام بھی یاد ہے۔''

الیاس: ''ہاں یاد ہے۔''

حنا: ''کیا نام بتلایا تھا بھلا؟''

الیاس: ''غالب۔''
حنا چپ ہوگئی۔ الیاس نے کہا۔ کیوں چُپ ہوگئی؟ کیا یہ نام نہیں بتایا تھا اس نے؟
حنا نے لاپرواہی سے کہا۔ ''مجھے تو یاد ہی نہیں۔''
الیاس: ''مگر مجھے خوب یاد ہے۔''
حنا: ''جب آپ کو یاد ہے تو یہی نام ہوگا۔''
الیاس: ''میرے خیال میں تمہارا حافظہ کچھ خراب ہوگیا ہے۔''
حنا: ''یقیناً! میرے کوئی بات یاد ہی نہیں رہتی۔ اکثر اوقات میں سوچتی رہتی ہوں کسی بات کو لیکن یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کس بات کو سوچ رہی تھی۔''
الیاس: ''کب سے ایسی حالت ہوگئی ہے تیری؟''
حنا: ''جب سے نقولا نے اثر ڈالنا شروع کیا تھا۔''
الیاس: ''وہ یقیناً شیطان ہے۔''
حنا: ''پکا شیطان...... ابا جادوگر بھی تو شیطان ہی ہوتے ہیں۔''
الیاس: ''ہاں بیٹی۔''
حنا: ''خدا نے مجھے اس شیطان سے بچالیا۔''
الیاس: ''ہاں! یہ اس کی مہربانی ہے۔''
حنا: ''یہ سامنے کیا نظر آرہا ہے ابا جان؟''
حنا کی نظر سامنے کی طرف تھی اور الیاس حنا کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسکے کہنے پر سامنے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ کسی مسجد کے بلند مینار نظر آرہے تھے۔
الیاس نے کہا ''بیٹی یہ مسجد کے مینار ہیں۔''
حنا: ''اتنے اونچے۔''
الیاس: ''مسلمان مسجدیں بڑی عالی شان اور ان کے مینا بہت اونچے بناتے ہیں۔''
حنا: ''مگر یہ مسجد ہے کہاں؟''
الیاس: ''میرے خیال میں قونیہ میں ہے۔''
حنا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہم قونیہ میں آپہنچے ابا جان۔''
الیاس: ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے بیٹی۔''
حنا: ''لیکن آبادی تو نظر نہیں آتی۔''
الیاس: ''آبادی باغوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔''

حنا: ''کیا قونیہ کے چاروں طرف باغ ہیں۔''

الیاس: ''ہاں میں نے ایسا ہی سنا ہے۔''

حنا: ''جب تو نہایت اچھا شہر ہوگا۔''

الیاس: ''سنا ہے شہر نہایت خوبصورت اور سواد شہر نہایت دل فریب ہے۔''

حنا: ''باغات کیسے اچھے معلوم ہو رہے ہیں کیسے گہرے رنگ کے سبز درخت ہیں۔''

الیاس: ''ترکوں نے دنیا بھر کی چیزیں لا کر یہاں لگا دی ہیں۔''

حنا: ''شاید ترکوں کو باغ لگانے کا بڑا شوق ہے۔''

الیاس: ''بہت زیادہ! وہ سبزہ کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

حنا: ''مگر ابا جان! یہ تو دن چھپنے لگا۔''

الیاس: ''ہاں بیٹی۔''

حنا: ''کیا ہم دن میں شہر میں داخل نہ ہوسکیں گے؟''

الیاس: ''میرا خیال ہے کہ ہم دن میں ہی شہر کے اندر داخل ہو جائیں گے اس وقت دو گھڑی دن باقی رہ گیا تھا۔ آفتاب مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ اور اس کی سنہری شعاعیں اونچے درختوں کی بلند چوٹیوں پر پڑ پڑ کر جگمگا رہی تھیں۔

حنا دن بھر سفر کرتی رہی تھی۔ اگرچہ اُس کی بگھی سب سے آگے تھی لیکن غبار اڑ اڑ کر اس کے کپڑوں اور چاند سے چہرے پر جم گیا تھا۔ نیز اس کی زلف شبگوں۔ خنجر ابرو۔ اور تیر مژگان پر بھی گرد کی ہلکی سی تہ جم گئی تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اس غبار کے پڑنے سے اس کا پیارا چہرہ اور بھی دل کش ہو گیا تھا۔

حنا میں بچپن کی سی شوخی تھی۔ بات بات پر جرح کرتی تھی۔ الیاس اس کی میٹھی میٹھی باتیں سن کر بڑا خوش ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ عالم شباب میں قدم رکھ بھی چکی تھی مگر ابھی الھڑ پن نہ گیا تھا۔

یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کے باغوں کے درمیان سے گزرنے لگا باغوں کے دوسری طرف ترکوں کا دارالسلطنت مشہور شہر قونیہ تھا۔ ابھی انہوں نے دو تین ہی باغ طے کئے تھے کہ ایک باغ کے دروازے پر چار ترک کھڑے ملے۔

وہ اس قافلہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب حنا اور الیاس ان کے پاس پہنچے تو بے ساختہ حنا کی زبان سے نکل گیا۔ غالب...... ان چار ترکوں میں سے ایک غالب بھی تھا۔ وہ اس ماہوش کی زبان سے اپنا نام سن کر نہایت خوش ہوا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

الیاس نے بھی اُسے دیکھ لیا۔ اُس نے کہا میرے محسن۔

غالب چونک پڑا۔اس نے آہستہ سے کہا میرے بزرگ! آپ آ گئے؟
الیاس:''ہاں میں آ گیا اور خدا کا شکر ہے کہ آپ شہر سے باہر ہی مل گئے''
غالب:''آج اتفاقیہ میں باغوں کو دیکھنے کے لئے آ گیا مگر......''
حنا نے جلدی سے کہا۔لیکن ہمیں آپ کا پتہ آسانی سے لگ جاتا۔
غالب نے اس شوخ ادا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ہاں نہایت آسانی سے جس سے بھی تم دریافت کرتیں وہی بتا دیتا۔
حنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جب تو آپ کوئی بڑے مشہور آدمی ہیں اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر غالب کے دل پر بجلی گری۔اس نے کہا مشہور......نہیں نں مشہور آدمی نہیں ہوں۔
حنا:''پھر آپ کو لوگ کیسے جانتے ہیں؟''
الیاس نے ہنستے ہوئے کہا۔ بڑی شوخ ہے تو حنا! بال کی کھال نکال کر چھوڑتی ہے۔
حنا:''اچھا! آپ ہی بتائیں جب یہ مشہور نہیں ہیں تو لوگ انہیں کیسے جانتے ہیں۔''
الیاس:''اس کا جواب تو یہی دے سکتے ہیں۔''
غالب:''میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے بعض لوگ جانتے ہیں۔''
حنا ہنس پڑی ہنسنے سے اُس کے آبدار موتیوں جیسے دانت نظر آ کر برقباری کرنے لگے۔اس نے ہنستے ہوئے کہا۔لیکن اگر وہ ہمیں بعض آدمی جو آپ کو جانتے ہیں نہ ملتے تو پھر کیسے آپ کا پتہ چلتا؟
غالب:''کوئی نہ کوئی تو مل ہی جاتا۔''
الیاس:''حنا! بس رہنے دے باتوں کو طول نہ دے دن چھپنے لگا ہے۔''
غالب:''جی ہاں مغرب کی نماز کا وقت آ رہا ہے۔''
الیاس:''اچھا تو چلئے۔''
حنا:''مگر ابا جان آپ ٹھہریں گے کہاں؟''
غالب:''اگر آپ پسند کریں تو غریب خانہ موجود ہے۔''
حنا:''مگر جب آپ غیر معروف ہیں تو ضرور غریب ہوں گے اور غریب آدمیوں کے مکان چھوٹے ہوتے ہیں۔''
غالب:''نہیں خدا کے فضل سے مکان بڑا ہے۔''
حنا:''جب تو چلئے۔''
اب یہ سب چلے اور باغوں کو طے کر کے قونیہ کی شہر پناہ کے سامنے جا پہنچے۔

قونیہ کے گرد نہایت مضبوط فصیل تھی اور فصیل میں چاروں طرف بلند اور عالی شان دروازے تھے۔ یہ لوگ اس طرف کے دروازے میں داخل ہو کر شہر کے اندر پہنچ گئے اور غالب کے ساتھ چلنے لگے۔

☆☆☆☆

تیرھواں باب

مہمان نواز

ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا۔ البتہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ وہ سرپٹ دوڑا چلا جا رہا ہے۔ سنہری دھوپ سمٹ سمٹ کر غائب ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہ قافلہ شہر کی بڑی سڑک پر چل رہا تھا۔ حنا نے آج تک قونیہ کو نہ دیکھا تھا۔ وہ دلچسپی کی نظروں سے خوشنما عمارتوں کشادہ سڑکوں اور مسلمانوں سے بھرے ہوئے راستوں کو دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

مسلمانوں کو عمارتیں بنانے کا بڑا سلیقہ ہے نہایت اچھی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ بازار خوب تھے اور راستے چوڑے تھے۔

مسلمان سادہ مگر سفید پوشاک پہنے نظر آ رہے تھے۔ حنا انہیں دیکھ رہی تھی اس نے غالب سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ کیا آپ کے یہاں چھوٹے اور بڑے سب سفید ہی لباس پہنتے ہیں؟

غالب اس کے چہرے کی طرف پہلے سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا غبار کی ہلکی تہ جما ہوا چہرہ چاند سے زیادہ دلکش اور پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں مسلمان سادہ اور سفید لباس پہنتے ہیں۔

حنا: ''سفید کپڑے کیسے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔''

غالب: ''یہاں بچے اور مرد رنگین لباس نہیں پہنتے۔''

حنا: ''اور عورتیں۔''

غالب: ''سب رنگین لباس پہنتی ہیں۔''

حنا: ''شہر بھی کس درجہ خوبصورت ہے۔''

غالب: ''آپ کو پسند آ گیا۔''

حنا: ''بہت زیادہ! میں نے ایسی شان دار عمارتیں دیکھی ہی نہیں۔''

غالب: ''خدا کا شکر ہے کہ تم اس شہر کو پسند کرتی ہو۔''

حنا: ''میں تو قونیہ کو معمولی شہر سمجھ رہی تھی۔''

غالب: ''مگر اسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔''

حنا: ''ہے ہی دیکھنے کے قابل۔''

الیاس حنا اور ان کے ساتھ والے تمام دیکھ رہے تھے۔ کہ راستہ میں جو مسلمان بھی ملتا تھا۔ وہ غالب کو نہایت ادب سے سلام کرتا تھا۔

انہوں نے سمجھ لیا کہ غالب کوئی نہایت معزز شخص ہے لیکن اور تو اس بات کو سمجھ کر ہی خاموش ہو گئے مگر حنا سے نہ رہا گیا۔ اس نے شوخی کے انداز سے دریافت کیا۔ آپ کو تو ہر آدمی سلام کرتا ہے۔؟

غالب: ''مسلمانوں میں قاعدہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے۔''

حنا: ''مگر آپ بھی تو مسلمان ہیں۔''

غالب: ''ہاں خدا کے فضل و کرم سے۔''

حنا: ''لیکن آپ تو سلام نہیں کرتے۔''

غالب: ''وہ مجھے سلام کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے۔''

حنا: ''آپ بھی انہیں موقعہ نہ دیں جلدی سے سلام کرلیا کریں۔''

غالب: ''میں تو چاہتا ہوں......''

حنا نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کچھ بھی نہیں چاہتے۔''

غالب نے اس شوخ ادا کو دیکھ کر کہا۔ ''تم نے کیسے سمجھ لیا۔''

حنا: ''اگر آپ چاہیں تو سلام کر سکتے ہیں۔''

غالب: ''دیکھو میں اس آنے والے شخص کو سلام کروں گا۔''

سامنے سے ایک نوجوان آرہا تھا۔ مگر جس وقت وہ قریب آیا اور اس نے غالب کو دیکھا۔ فوراً سلام کر کے نکلا چلا گیا۔

غالب نے کہا۔ اب بتاؤ میں اسے سلام کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے سلام کرنے ہی نہ دیا۔ خود ہی کرلیا۔

حنا اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے دریافت کیا۔ مگر آپ ہیں کون؟

غالب: ''میں غالب ہوں۔''

حنا: ''اجی غالب والب نہیں......''

غالب: ''اور؟''

حنا: ''آپ کا عہدہ کیا ہے۔''

غالب: ''میں فوجی افسر ہوں۔''

حنا: ''مگر بیت المقدس میں تو آپ سفیر بتا رہے تھے؟''

غالب: ''وہاں میں سفیر بنا کر ہی بھیجا گیا تھا۔''

حنا: ''اچھا تو آپ بتانا نہیں چاہتے کہ آپ ہیں کون۔''

غالب: ''بتا تو رہا ہوں۔''

حنا: ''کیا بتا رہے ہیں آپ۔''

غالب: ''یہی کہ میں ایک فوجی افسر ہوں۔''

اب وہ ایک نہایت عالی شان محل کے صدر دروازہ پر جا کر رُکے۔ حنا نے محل کو دیکھا بڑا شاندار لمبا چوڑا تھا۔ اس کے صدر دروازے پر بہت سے سپاہی کھڑے تھے انہوں نے غالب کو دیکھتے ہی ادب سے سلام کیا اور ادھر اُدھر ہٹ گئے۔

الیاس نے دریافت کیا۔ کیا یہی دولت خانہ ہے جناب کا؟

غالب: ''جی ہاں! میرا جھونپڑا یہی ہے۔''

حنا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ جھونپڑا ہے تو محل کیسا ہو گا۔

غالب: ''میں تم کو محل بھی دکھاؤں گا۔''

حنا: ''تو محل ہی میں کیوں نہیں لے چلتے آپ ہمیں۔''

غالب: ''محل میں ٹھہرنے کے لئے سلطان سے اجازت لینے کی ضرورت ہے اور اب اتنا وقت نہیں رہا ہے۔''

حنا: ''گویا آپ سلطان کے پاس جا سکتے ہیں۔؟''

غالب: ''کیوں نہیں۔''

حنا نے مسکرا کر کہا۔ جب تو آپ کوئی بہت ہی چھوٹے سے افسر ہیں۔

غالب نے بھی مسکراتے ہوئے کہا ٹھیک سمجھا آپ نے۔

اب مغرب کی اذان ہوئی۔ غالب بے قرار سا ہو گیا۔ اس نے الیاس سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ ان خادموں کے ساتھ چلے جائیں یہ آپ کو کمرے بتا دیں گے۔ آپ وہاں ٹھہریں میں نماز پڑھ کر حاضر ہوں گا۔

حنا نے اسے مضطرب ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ آپ بے چین اور پریشان کیوں ہو گئے۔ کیا سلطان نے آپ کو یاد فرمایا ہے؟

غالب: ''ہاں! اس سلطان نے جس سے بڑھ کر کوئی اور سلطان نہیں ہے۔''

حنا نے حیران ہو کر دریافت کیا۔ ''وہ کون ہے۔''

غالب: ''وہ خدا ہے جو سلطانوں کو سلطان بناتا ہے۔''
حنا: ''مگر وہ کہاں بلا رہا ہے آپ کو؟''
غالب: ''مسجد میں اذان ہو رہی ہے۔ اب ہر مسلمان اپنے کام چھوڑ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلا جائے گا۔''
حنا: ''کیا سلطان بھی۔''
غالب: ''ہاں سلطان بھی۔''
حنا: ''گویا آپ کی قوم میں ہر شخص نماز پڑھتا ہے اور جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔''
حنا: ''مگر یہ آپ کے خادم......؟''
غالب: ''یہ بھی نماز پڑھتے ہیں کوئی مسلمان کسی بے نماز کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتا۔''
حنا: ''مگر انہیں آپ ہمارے ساتھ بھیج رہے ہیں۔''
غالب: ''ان کا وضو ہے یہ تم کو کمروں میں پہنچا کر واپس آجائیں گے اور میں یہاں سے جا کر وضو کروں گا۔ معاف کرنا کیونکہ اس وقت باتیں کرنے کا موقعہ نہیں ہے۔''
یہ کہتے ہی اس نے اپنے خادموں سے کہا تم انہیں کمروں میں ٹھہرا کر فوراً مسجد میں آجاؤ۔
وہ فوراً لوٹا اور تیز قدم بڑھا کر مسجد میں پہنچ گیا۔ مسجد اس کے محل کے قریب ہی تھی۔ نہایت بڑی اور شاندار تھی۔ لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔
زیادہ تر لوگ وضو کر کے بیٹھ گئے تھے۔ کچھ حوض کے چاروں طرف بیٹھے جلدی جلدی وضو کر رہے تھے۔ مسجد کے میناروں پر کھڑے ہوئے دو موذن اذان دے رہے تھے۔ غالب بھی آستینیں چڑھا کر حوض کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرنے لگا اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور اذان ختم ہوتے ہی وہ بھی وضو سے فارغ ہو گیا۔
اذان دینے والے مینار سے نیچے اترے ایک شریف صورت نورانی داڑھی والے قاضی امام ہوئے اور تمام مسلمان صفیں قائم کر کے کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہی گئی اور نماز شروع ہو گئی۔
نماز پڑھ کر غالب مسجد سے باہر نکلا اور ذرا لپک کر محل میں داخل ہوا یہ محل جیسا باہر سے شاندار معلوم ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ اندر سے خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔
وہ صدر دروازے سے بڑھ کر پائیں باغ میں پہنچا اور اسے عبور کر کے چبوترے پر چڑھا۔ چبوترے کو طے کر کے سامنے والے کمروں میں پہنچا ان کمروں میں مہمان ٹھہرائے گئے تھے۔ ہر کمرے میں بلوری شمعیں روشن ہو رہی تھیں اور ان کی کافی روشنی کمروں میں پھیلی ہوئی تھی۔

اتفاق سے غالب اس کمرے میں پہنچے جس میں صرف حنا اور الیاس تھے۔ الیاس نے کہا۔ یہ محل تو نہایت شان دار ہے اس میں اتنے کمرے ہیں کہ سوسوا سو آدمی تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوئے۔

غالب: ''جی ہاں! اس میں ہزار آدمیوں سے زیادہ آسکتے ہیں۔''

الیاس: ''بے شک! مگر آپ تو اس میں تنہا رہتے ہوں گے؟''

غالب: ''جی نہیں میں تنہا نہیں رہتا۔''

الیاس: ''شاید آپ کی شادی ہوگئی ہے۔ اور...... حنا اشتیاق آمیز نگاہوں سے غالب کو دیکھ کر بے قرار ہوگئی اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

غالب نے کہا نہیں ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے۔ حنا کے چہرے سے مسرت وشادمانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ الیاس نے دریافت کیا۔ پھر اور کون رہتا ہے آپ کے ساتھ؟

غالب: ''میری والدہ ہے ان کی کنزیں ہیں۔ میں ہوں میرے ملازم ہیں اور گاہے بگاہے دو چار مسافر بھی آ ٹھہرتے ہیں۔''

حنا: ''گویا آپ مہمان نواز ہیں۔''

غالب: ''ہر مسلمان مہمان نواز ہوتا ہے۔''

اب غالب کے خادموں کی پلٹن آئی۔ غالب نے ان سے دریافت کیا۔ ''کیا ان کے جانور اصطبل میں بند کرادیئے گئے؟''

ایک خادم: ''جی ہاں! اور ان کے لئے دانہ اور چارہ کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔''

غالب: ''اور ان کا سامان''

وہی خادم: ''سب ان کے کمروں میں لگوا دیا گیا ہے۔''

غالب: ''اور داروغہ مطبخ کو......''

خادم: ''کھانا تیار کرنے کی اطلاع دے دی گئی ہے۔''

غالب نے الیاس سے دریافت کیا اور کسی چیز کی ضرورت ہے آپ کو۔

الیاس: ''کسی چیز کی نہیں۔''

حنا نے کہا۔ کیوں ہے کیوں نہیں۔

غالب نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ فرمایئے کس چیز کی ضرورت ہے۔

حنا: ''گرم پانی کی ہاتھ منہ دھونے کے لئے۔''

خادم نے کہا ''گرم پانی آفتابوں میں رکھ دیا گیا ہے۔''

غالب: ''لیجئے جایئے اور ہاتھ منہ دھو لیجئے۔''
حنا: ''کہاں جانا پڑے گا ہمیں۔''
الیاس نے مسکرا کر کہا۔ کم سے کم دو چار کوس تو چلنا پڑے گا۔
غالب: ''جی ہاں! بائیں باغ کے قریب چبوترہ کے کنارے تک لیکن۔''
حنا: ''لیکن کیا؟...... میں اس سے دور ہرگز نہ جاؤں گی۔''
غالب: ''آپ کہیں بھی نہ جائیں یہیں آفتابہ منگا دیا جائے گا۔''
حنا نے نازآفرین چتون سے دیکھ کر کہا۔ اس کی ضرورت نہیں میں وہاں تک چل سکتی ہوں۔

وہ اور الیاس دونوں اٹھ کر چلے گئے اور تھوڑی دیر میں منہ ہاتھ دھو کر آ گئے۔ کچھ ہی دیر کے بعد کھانا آ گیا۔ سب نے کھایا۔ جب کھانا کھا چکے تب غالب نے کہا۔ اب اور کس چیز کی ضرورت ہے۔

الیاس: ''کسی چیز کی نہیں۔''
غالب: ''اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔''
الیاس: ''بہتر ہے تشریف لے جایئے۔''
غالب اٹھ کر چلا گیا اور یہ سب آرام کرنے کی فکر کرنے لگے۔

☆☆☆☆
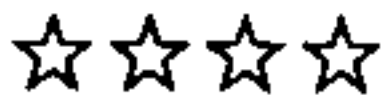
چودھواں باب

"لشکروں کی آمد"

پوپ اربن ثانی اور پیٹر کی تقریروں نے تمام یورپ میں آگ لگادی ہر شخص جنگ پر جانے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ بشپ اور پادری تمام گرجوں سے نکل آئے اور نازک اندام ننوں کو بھی نکال لائے اور قریہ قریہ، بستی بستی وعظ ونصیحت کرتے پھرنے لگے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ بچے کھچے آدمی بھی کھینچ کھینچ کر دوڑے اور صلیبی مجاہدوں کے لشکروں میں مل گئے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ کلر مانٹ کی کونسل سے پہلے یورپ میں قحط پڑ گیا تھا۔ فصلیں تباہ ہو گئی تھیں۔ کیا مفلس اور کیا مال دار سب ہی پریشانی میں مبتلا تھے۔

امیروں کو تو خیر جوں توں کر کے روٹی مل بھی جاتی تھی۔ لیکن غریبوں کا گذر ساگ اور درختوں کے پتوں ہی پر رہ گیا تھا۔ لیکن جب یورپ سے لشکر ایشیا کی طرف روانہ ہونے شروع ہوئے تو ارزانی ہوگئی۔

جن لوگوں نے غلہ ذخیرہ کرلیا تھا۔ انہوں نے اس کے خراب ہو جانے کے خوف سے نکال نکال کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یورپ سے اتنی تعداد لوگوں کی روانہ ہو چکی تھی کہ بازاروں اور آبادیوں میں آدمی نظر ہی نہ آتے تھے اور اس لئے ہر چیز سستی ہوگئی تھی۔

ارزانی کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ پانچ پینس یعنی تقریباً چار روپے میں سات بھیڑیں ملنے لگی تھیں۔ عیسائی مؤرخ مثلاً مچاؤ آرچر اور گیبرٹ اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں کہ پہلی صلیبی جنگ کے زمانہ میں عیسائی جوش میں حد سے گزر گئے تھے اور ان کا جوش جنوں کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ سریع الاعتقادی کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ بعض لوگ کسی مجنون عورت یا بکری یا بطخ کو یہ سمجھ کر کہ اس میں خدا کی رُوح حلول کرگئی ہے اُسے راہنما بنا کر بیت المقدس کی طرف جوق درجوق روانہ ہوگئے تھے۔

دین کے مذہبی لوگوں نے فتویٰ دے دیا تھا کہ یہودیوں[1] کی ملعون قوم نے خداوند حضرت عیسیٰ) کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ اس لئے عیسائیوں کا فرض ہے کہ وہ اس ناپاک قوم کو نیست ونابود کریں۔

چنانچہ اس فتویٰ کا یہ اثر ہوا کہ یورپ میں جو یہودی جہاں کہیں آباد تھے۔ ان پر عیسائیوں

---

1. از کارزار صلیبیہ صفحہ 27

نے حملے کر دیئے اور انہیں لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے کو دنیا میں یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔ نوجوانوں بڈھوں عورتوں اور بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر کے ان کی دولت لوٹ لی گئی اور ان کے مکانوں میں آگ لگادی گئی۔ عبادت خانے گرا کر کھنڈر بنا دیئے گئے۔

نہ ایک یہودی باقی چھوڑا گیا۔ نہ کسی یہودی کا گھر باقی رکھا گیا مینس کے یہودیوں نے وہاں کے اُسقف کو اپنی تمام دولت دے کر اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انہیں اور ان کے اہل وعیال کو اپنے محل میں پناہ دے کر بلوائیوں کے دست ستم سے بچائے۔

اسقف نے بے شمار دولت لے کر سارے یہودیوں کو اپنے محل میں پناہ دی۔ مگر عیسائیوں نے اسقف کے احترام کا بھی خیال نہ کیا اور ایک صبح کو کونٹ امیکو بلوائیوں کی حمایت ساتھ لے کر اسقف اعظم کے گھر پر جا چڑھا۔ دروازے توڑ ڈالے اور مظلوم یہودیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

عورتیں رو رہی تھیں بچے چیخ رہے تھے۔ مرد خوشامدیں کر رہے تھے۔ لیکن ان سنگدلوں کے دل پر کسی کی آہ وزاری کا مطلق بھی اثر نہ ہوا اور انہوں نے انہیں قتل کر کر کے ایک کے اوپر ایک کو ڈالنا شروع کر دیا۔ بچوں کے سامنے اُن کے والدین اور والدین کے سامنے اُن کے بچوں کو ذبحہ کیا گیا۔ جب یہودیوں نے یہ عالم دیکھا اور وہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے۔ تب انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کا خاتمہ کر ڈالا اور اس طرح مینس میں ایک یہودی بھی باقی[1] نہ رہا۔

کوئی نہیں جانتا کہ کتنے یہودی اور یہودیوں کی کتنی عورتیں اور عورتوں کے کتنے معصوم بچے وحشی عیسائیوں نے مار ڈالے۔ اس طرح وحشیانہ مظالم کی ابتداء عیسائیوں نے یورپ سے ہی شروع کر دی۔

خوب اپنے ہاتھ خون میں رنگے اور خوب یہودیوں کی دولت لوٹی یہودی عام طور پر مال دار تھے۔ عیسائی انہیں لوٹ لوٹ کر متمول ہو گئے۔ آرچر ایک فرنگی مؤرخ اپنی تاریخ کروسیڈ میں لکھتا ہے کہ مذہبی دیوانوں نے صلیبی جہاد کو کشت وخون اور ڈاکہ زنی کا بہانہ قرار دے دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مذہبی دیوانوں نے جس وحشیانہ بربریت سے اس مقدس کام کام آغاز کیا وہ بے حد نفرت انگیز تھا۔ انسانیت ان پر اس وقت تک لعنت بھیجتی رہے گی جب تک دنیا میں تاریخ اور تاریخوں میں ان کی سفاکی کی داستانیں موجود ہیں۔

---

[1] از کارزار صلیبیہ صفحہ 27

یہ واقعات ایسٹر کے زمانہ میں شروع اپریل 1096ء میں رونما ہوئے ہم باب ہائے ماسبق میں بیان کر چکے ہیں کہ عیسائیوں کے لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ یہ واقعات جو ہم نے اب بیان کئے ہیں ان کے کوچ کے دوران میں واقع ہوئے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ تین لاکھ سے زیادہ عیسائی یورپ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ اتنی بڑی تعداد تھی جو کسی ایک راستہ سے ایک ہی وقت میں نہ گزر سکتی تھی۔ اس لئے اس عظیم الشان لشکر کے کئی گروہ ہو گئے تھے اور وہ مختلف راستوں سے چل پڑے تھے۔

ان میں سے پیٹر بلغاریہ ہوتا ہوا قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور سب سے پہلے وہی ایک لاکھ کا جرار لشکر لے کر قسطنطیہ پہنچا! ان میں قسطنطیہ کا شہنشاہ الکزیوس تھا۔ اس نے بھی صلیبی جہاد کی ترغیب دی تھی۔ اور یہ وعدہ کیا تھا کہ فتح مند مجاہدوں کو یونان کی حسین عورتیں دے گا۔

اس نے اس لشکر کے آتے ہی اس کی خاطر و مدارت شروع کر دی لیکن اس لشکر میں ایسے سیہ کار اور شورہ پشت عیسائی تھے کہ وہ بدمستیاں کرنے لگے۔ اول اول تو انہوں نے بازاروں میں چلنے والی عورتوں اور لڑکیوں کو چھیڑنا، دق اور پریشان کرنا شروع کر دیا اور پھر رفتہ رفتہ گھروں میں گھس گھس کر عورتوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔

جب الکزیوس کو ان کی بیہودہ حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ ناخوش ہوا اور اس نے وہاں سے انہیں جلد از جلد ٹالنا چاہا۔ مگر ان کی جمعیت اتنی بھاری تھی کہ اگر وہ ذرا بھی اپنی ناخوشی کا اظہار کرتا تو وہ اسے مار ڈالتے اور اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیتے۔

اس لئے اس نے پیٹروی ہرمٹ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ان شیطانوں کو جلد از جلد وہاں سے لے جائے اور مسلمانوں پر حملہ کر دے۔ پیٹر آمادہ ہو گیا اور اس عظیم الشان لشکر کو لے کر منسیا کی طرف روانہ ہو گیا۔

منسیا ایک سرحدی قلعہ تھا جو قزل ارسلان کی حکومت میں تھا اور یہیں سے قونیہ کی سرحد شروع ہوتی تھی لیکن جس روز یہ بلا قسطنطنیہ سے دور ہوئی اسی روز ایک اور وحشیوں کا گروہ آ پہنچا۔ یہ رینالڈ آیا تھا جس کے ہمراہ ساٹھ ہزار لشکر تھا۔

رینالڈ اٹلی کا باشندہ تھا۔ اس کے ساتھ زیادہ تر جرمنی کے لوگ تھے۔ یہ شخص نہایت سفاک، بے درد، ناخدا ترس، بدکار، آوارہ مزاج، حریص اور ظالم تھا چونکہ یورپ سے ایشیا خصوصاً فلسطین اور شام میں آنے کا راستہ قسطنطنیہ ہی سے تھا اس لئے تمام عساکر اسی طرف سے آ رہے تھے۔

یہ لشکر پیٹر والے لشکر سے بھی زیادہ کمینہ خصلت اور اوباش تھا۔ ناظرین یہ سمجھ لیں کہ ہم اپنی

طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھ رہے ہیں۔ نہ عربی مورخوں کی تاریخوں سے لکھا جا رہا ہے بلکہ یہ سب فرنگی مؤرخوں کی تاریخوں سے ان کے ہی الفاظ میں تحریر کیا جا رہا ہے۔ اس لشکر کے سپاہیوں نے قسطنطنیہ میں ایسا اودھم مچایا کہ وہاں کے شہری سخت خوفزدہ ہو گئے اور وہ ان سے ڈر کر اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔ تمام بازار وغیرہ بند ہو گئے۔

رینالڈ اور اس کے سپاہی یہ سمجھے کہ قسطنطنیہ والے ان سے نفرت کرتے اور انہیں برا سمجھتے ہیں۔ انہیں غصہ آ گیا اور وہ گھروں میں گھس گھس کر لوگوں کو ستانے لگے۔

الکزیوس نے بڑی حکمت عملی سے انہیں بھی وہاں سے ٹالا اور فتوحات اور مسلمانوں کی دولت کا لالچ دے کر اسلامی مملکت کی طرف دھکیل دیا۔ یہ لوگ بھی منسیا کی طرف چلے لیکن کچھ دور چل کر قلعہ اگزرو گورو کی طرف چل پڑے۔ قلعہ اگزرو گورو بھی سرحدی قلعہ تھا اور اسلامی قلمرو میں داخل تھا۔ ان کے جاتے ہی ایک اور ٹڈی دل لشکر آ گیا۔ اس لشکر میں جرمنی، فرانسیسی، اٹیلین، بلغاروی اور دوسرے ممالک کے لوگ تھے۔

یہ لشکر پہلے ہر دو لشکروں سے جمعیت میں زیادہ تھا۔ اس میں ہر ملک کے چیدہ اور سر برآوردہ لوگ شامل تھے۔ عورتیں بھی کثرت سے تھیں۔ انہوں نے بھی قسطنطنیہ میں آ کر وہی رویہ اختیار کیا جو اس سے پہلے والے کر چکے تھے۔

الکزیوس خوب جانتا تھا کہ ان مسیحی مجاہدوں میں اس قدر جوش و غضب کا طوفان امڈا ہوا تھا کہ جو شخص بھی ان کی مرضی کے خلاف کوئی ذرا سی بھی حرکت کرتا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتے اور اسے ٹھکانے لگا دیتے۔

اگرچہ وہ بادشاہ تھا اور اس کے پاس لشکر بھی کافی تھا مگر وہ ان لوگوں کا مقابلہ کسی طرح بھی نہ کر سکتا تھا۔ دوسرے وہ ایک اسلامی قلمرو کو تہ و بالا اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے جا رہے تھے اس لئے بھی وہ ان سے کچھ تعرض نہ کرتا تھا اور ان کی شرمناک حرکتوں سے چشم پوشی کر کے ان کی تواضع کرتا رہتا تھا۔ تیسرے وہ عیسائی تھے اور وہ خود بھی عیسائی تھا۔ اس لئے نہ چاہتا تھا کہ عیسائیوں پر حملہ کر کے ان کی قوت کو کمزور کرے۔ اس نے اس لشکر کی بھی بڑی مدارت کی مگر جب ان کی حرکات بھی ناقابل برداشت ہو گئیں تو اس نے ان کے سپہ سالاروں کو ہر ممکن طریقہ سے خوش کر کے انہیں بھی مسلمانوں کی طرف دھکیل دیا۔

یہ آخری لشکر تھا۔ عیسائی وحشیوں کا جو مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے اسلامی قلمرو کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر کا رخ منسیا کی طرف جس طرف پیٹر گیا تھا ہو گیا ور کھیتوں کو پامال، باغوں کو اجاڑتا ہوا روانہ ہوا۔

ان کے چلے جانے کے بعد الکویس نے اطمینان کا سانس لیا اور اب اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کب عیسائی مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ان کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور کب اس خوشخبری کو سنتا ہے۔

☆☆☆

پندرہواں باب

صفیہ

رات بھر حنا، الیاس اور اس کے ساتھ والے نہایت آرام اور اطمینان سے سوتے رہے۔ صبح جب وہ اٹھے تو دیکھا کہ غالب کے خادم کمروں کے باہر کھڑے اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب مہمان اٹھیں اور کب ان سے کسی ضرورت کو کہیں۔

انہوں نے اٹھ کر ضروریات سے فراغت کی حنا اور الیاس نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ آج حنا نے نارنجی رنگ کی قبا پہنی اور اس پر چند ہار جو جواہرات کے تھے پہن لئے۔ اس پوشاک اور ہاروں کی جگمگاہٹ نے اس کے چہرے میں بجلیاں سی بھر دیں۔ تھوڑی ہی دیر میں غالب آ گیا۔ اس نے آتے ہی حنا کو اور حنا نے اُسے دیکھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ جھجک کر رہ گئے۔

الیاس نے غالب کو دیکھتے ہی کہا۔ ’’آیئے! آپ وہیں کیوں کھڑے ہو گئے۔‘‘ غالب بڑھ کر ان کے پاس جا بیٹھا۔ جوں جوں وہ حور وش حنا کو دیکھتا تھا اس کی ہوس دید اور بڑھتی جاتی تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ اس عزبدہ جو کو نہ دیکھے مگر دل نہ مانتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا اور جب دیکھتا تھا اس کی آنکھوں سے نکلنے والی بجلیاں اس کی آنکھوں کے ذریعہ سے اس کے دل پر گرتی تھیں اور وہ بے چین ہو جاتا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد ہی ناشتہ آ گیا اور ان تینوں نے بیٹھ کر ناشتہ کیا جب فارغ ہو گئے تب الیاس نے کہا۔ ’’ہم سب شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

غالب: ’’بہتر ہے کس وقت جایئے گا۔‘‘

الیاس: ’’جب آپ کہیں‘‘

غالب: اگر آپ بازار جانا چاہیں تو وہ ابھی کھلا نہیں ہو گا۔ چار چھ گھڑی دن چڑھے کھلتا ہے اور اگر......‘‘

الیاس: ’زیادہ تر تو بازار ہی دیکھنا ہے۔‘‘

غالب: ’’تو شام کے وقت جایئے گا۔‘‘

الیاس: ''اچھا شام ہی کو سہی۔''
غالب: ''رات کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''
الیاس: ''بالکل نہیں۔''
حنا نے شوخ نظروں سے غالب کو دیکھ کر اپنے باپ الیاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔'' مگر ابا......''
الیاس: ''کیا کہتی ہے بیٹی؟''
حنا: ''یہ تو حرم سراء میں جا سوئے تھے۔''
غالب: ''نہیں جب میں زنانخانہ میں جانے لگا تو معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کی بی بی تشریف لائی ہیں۔''
حنا اور الیاس نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ الیاس نے کہا۔'' وزیر اعظم کی بی بی آئیں تھیں؟''
غالب: ''جی ہاں''
حنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' مگر آپ تو ایک چھوٹے سے افسر ہیں۔''
غالب: ''پھر کیا ہوا۔''
حنا: ''کیا وزیر اعظم کی بیوی ادنیٰ اور اعلیٰ سب کے یہاں چلی جاتی ہیں۔''
غالب: ''ہاں! وہ ہر ایک مسلمان کے گھر چلی جاتی ہیں۔''
حنا: ''مگر جب ابھی آپ کی شادی نہیں ہوئی تو وہ آئیں کس کے پاس تھیں۔''
غالب: ''میری والدہ کے پاس۔''
حنا: ''کیا آپ کے کوئی ہمشیرہ بھی ہے۔''
غالب: ''ہے۔''
حنا: ''آپ سے بڑی ہے یا چھوٹی۔''
غالب: ''چھوٹی ہے۔''
حنا: ''شاید اس کی بھی ابھی شادی نہ ہوئی ہوگی۔''
غالب: ''ابھی نہیں ہوئی ہے۔''
حنا: ''نہ منگنی ہوئی۔''
غالب: ''منگنی ہو چکی ہے۔''
حنا: ''کہاں''

غالب: ''وزیراعظم کے صاحبزادہ کے ساتھ۔''
حنا: ''جب تو آپ حقیقت میں بہت ہی چھوٹے آدمی ہیں۔''
حنا یہ کہہ کر ہنسنے لگی۔ الیاس نے کہا۔ ''ان باتوں سے تیرا کیا منشا ہے بیٹی۔''
حنا: ''انہوں نے کل ہی تو کہا تھا کہ میں ایک چھوٹا افسر ہوں۔''
الیاس: ''ہاں کہا تھا تو؟''
حنا: ''کیا وزیراعظم کے بیٹے سے چھوٹے سے افسر کی ہمشیرہ منسوب ہو سکتی ہے؟''
الیاس: ''ان مسلمانوں میں ہو جاتی ہے ان میں چھوٹا بڑا کوئی نہیں ہوتا۔''
حنا: ''لیکن ابا! یہ بات نہیں ہے۔''
الیاس: ''اور کیا بات ہے۔''
حنا: ''یہ اپنے آپ کو چھپا رہے ہیں۔''
غالب: ''کیا چھپا رہا ہوں میں۔''
حنا نے شوخی سے کہا۔ ''اب میں آپ سے تو باتیں نہیں کر رہی ہوں۔''
غالب: ''مگر تذکرہ تو میرا ہی کر رہی ہو۔''
حنا: ''تم کیوں نہیں بتا دیتے کہ تم کون ہو۔''
غالب: ''میں انسان ہوں۔''
حنا نے بے ساختگی کے ساتھ ہنس کر کہا۔ ''کون کہتا ہے۔''
الیاس نے مسکرا کر کہا۔ ''بڑی شوخ ہے تو حنا۔''
حنا: ''میں شوخ ہوں۔''
الیاس: ''اور......''
حنا: ''یہ ہیں۔''
غالب: ''میں نے کیا شوخی کی۔''
حنا: ''آپ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔''
غالب: ''کیسے؟''
حنا: ''آپ افسر وفسر کوئی بھی نہیں ہیں اور ہمیں افسر بتا رہے ہیں اور وہ بھی فوجی افسر۔''
غالب: ''پھر کون ہوں میں۔''
حنا: ''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ انسان ہیں۔''
غالب: ''مگر تم تو مجھے انسان سمجھتی ہی نہیں۔''

حنا: ''سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''
غالب: ''بس تو تم کوشش ہی نہ کرو۔''
حنا: ''ایک شرط سے نہ کروں گی۔''
غالب: ''کس شرط پر؟''
حنا: ''آپ مجھے اپنی ہمشیرہ کے پاس لے چلیں۔''
غالب: ''بڑی خوشی سے مگر............''
حنا: ''مگر مجھے جلد واپس آنا پڑے گا۔''
غالب: ''نہیں تم عمر بھر بھی نہ آنا۔''
حنا: ''کچھ تہذیب اور ادب کے قاعدے سیکھنے پڑیں گے۔''
غالب: ''اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ میری والدہ نہایت نیک اور سیدھی ہیں۔''
حنا: ''اور کیا بات کرنی ہوگی مجھے۔''
غالب: ''کچھ بھی نہیں۔''
حنا نے الیاس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''سن رہے ہیں آپ ابا۔''
الیاس: ''ہاں سن رہا ہوں۔''
حنا: ''اب ان سے پوچھئے کہ انہوں نے مگر...... کیوں کہا تھا۔''
الیاس: ''تو ہی پوچھ لے۔''
حنا: ''یہ بتا چکے ہیں۔''
غالب: ''تم کہنے کہاں دیتی ہو۔''
حنا: ''اور میں نے منع کب کیا ہے۔''
غالب: ''بیچ میں کون بول اٹھتا ہے۔''
حنا: ''لیجئے! میں بیچ میں بول اٹھی۔ اچھا اب نہ بولوں گی۔ فرمائیے مگر کیا؟''
غالب: ''میری بہن تم سے زیادہ شوخ ہے۔''
الیاس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ناممکن ہے غالب۔''
غالب: ''اب یہ اس بات کا خوب اندازہ کر لیں گی۔''
حنا نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ بھی مجھے ابا کی طرح شوخ سمجھنے لگے ہیں۔''
غالب: ''میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جیسی باتیں تم کرتی ہو ایسی وہ کرتی ہے۔''
حنا: ''جب تو خوب لطف آئے گا۔''

غالب: "میں نے صبح اس سے تمہارا ذکر کیا تھا۔"

حنا: "اچھا! بس تو چلیے۔"

غالب: "ایک اتنی اجازت دیجئے۔"

حنا: "کہ آپ ان سے اجازت لے آئیں۔"

غالب: "دیکھیے پھر بیچ میں بول پڑیں تم۔"

حنا نے آبدار سفید موتیوں جیسے دانتوں میں اپنی زبان دبا کر کہا۔ "ہاں! غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔"

غالب: "میں یہ دیکھ لوں کہ تمہارے ساتھی جو میرے مہمان ہیں ان میں سے سب نے ناشتہ کر لیا ہے یا نہیں اور کسی شخص کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

الیاس: "تمہارے ملازم نہایت مستعد ہیں۔ انہوں نے سب کو ناشتہ کرا دیا ہوگا۔"

غالب: "مگر پھر بھی میرا فرض ہے کہ میں خود بھی دریافت کر لوں۔"

حنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب تو بڑے اچھے آدمی ہیں آپ۔"

غالب مسکراتا ہوا اٹھا اور ان تمام کمروں میں گیا جن میں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے اور ہر ایک سے ہر بات دریافت کر کے واپس آ گیا۔

الیاس نے دریافت کیا۔ "کہیے دریافت کر آئے۔"

غالب: "ہاں! سب نے ناشتہ کر لیا ہے۔"

الیاس: "میں تو پہلے ہی کہتا تھا۔"

غالب نے حنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آؤ! اب میرے ساتھ چلو۔"

حنا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلیے۔"

دونوں چلے اور چبوترے کو طے کر کے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوئے۔ اس کے دوسری طرف حرم سرائے تھی۔ حنا سمجھتی تھی کہ محل اتنا ہی بڑا ہے جتنا کہ اس نے باہر کا حصہ دیکھا تھا مگر جب وہ حرم سرا میں داخل ہوئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ باہر کے حصہ سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ اس میں بھی اول پائیں باغ تھا۔ اس کے بعد چبوترہ تھا اور چبوترے سے ملے ہوئے بڑے بڑے کمرے تھے۔ حنا نے کہا۔ "محل تو آپ کا نہایت شاندار ہے۔"

غالب نے اس کے روئے انور پر نظریں جما کر کہا۔ "آپ کو پسند ہے۔"

حنا: "اچھی چیز تو سب کو ہی پسند ہوتی ہے۔"

غالب: "دیکھو والدہ کو ذرا جھک کر سلام کرنا۔"

حنا نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ ''کس طرح...... ذرا سلام کر کے بتا دیجئے۔''
غالب نے اس شوخ ادا کو دیکھ کر کہا۔ ''کس قدر شریر ہو تم حنا۔''
حنا گویا بگڑ گئی۔ اس نے کہا۔ ''اچھا میں شریر ہوں۔''
غالب: ''کیا خفا ہو گئیں۔''
حنا: ''خفا! ہاں! مگر نہیں میں آپ سے خفا نہیں ہو سکتی۔''
غالب: ''کیوں۔''
حنا: ''اس لئے کہ آپکے یہاں مہمان ہیں۔''
غالب: ''اچھا! اب معاف کر دو حنا۔ آئندہ میں کوئی بات نہ کہوں گا۔''
حنا: ''اقرار کرتے ہو۔''
غالب: ''ہاں۔''
حنا: ''اچھا معاف کر دیا۔''
اب یہ دونوں چبوترہ چڑھ کر کمروں کی طرف بڑھے۔ غالب نے کہا۔ ''دیکھو سامنے والے کمرہ میں والدہ صاحبہ ہیں۔''
حنا: ''آپ تو پھر باتیں کرنے لگے۔''
غالب: ''بھول ہو گئی۔''
حنا ہنس پڑی اس نے کہا۔ ''نہیں! آپ شوق سے باتیں کیجئے۔''
غالب: ''اب باتیں کرنے کا موقعہ ہی نہیں رہا۔''
دونوں سامنے والے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا۔ اس میں قالین کا فرش ہو رہا تھا اور ایک صوفہ پر ایک ادھیڑ عمر کی عورت سفید لباس پہنے بیٹھی تھی۔
یہی غالب کی والدہ صفیہ تھی۔ حنا نے اس کے قریب جا کر نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا۔ صفیہ نے اسے دعا دیکر کہا۔ ''آؤ بیٹی! بیٹھو۔''
حنا ان سے الگ کرسی پر بیٹھنے لگی۔ صفیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہاں بیٹھو! میرے پاس تمہارا ہی نام حنا ہے۔''
حنا نے ادب سے جھک کر کہا۔ ''جی ہاں!۔''
صفیہ: ''یہ غالب تو کہتا تھا کہ تم بڑی شوخ ہو مگر مجھے تو بڑی سیدھی معلوم ہوتی ہو۔''
حنا نے شرارت بھری چتون سے غالب کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا۔ ''اچھا! تم مجھے ہر جگہ شوخ کہہ رہے ہو۔ دیکھو تم کو کیسے سیدھا بناتی ہوں۔''

غالب قدرے مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ حنا نے کہا۔ ''یہ مجھے شوخ ہی کہتے ہیں۔''
صفیہ: ''بیٹی! تو رات ہی یہاں کیوں نہ چلی آئی۔''
حنا: ''مجھے کوئی لایا ہی نہیں۔''
صفیہ نے غالب کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیوں بھئی! تم رات اس پیاری بیٹی کو میرے پاس کیوں نہ لے آئے۔''
غالب: ''امی جان! مجھے خیال ہوا کہ شاید ان کے والد انہیں آنے کی اجازت نہ دیں یا آپ مناسب نہ سمجھیں۔''
حنا: ''واہ وا! میں مناسب نہ سمجھتی۔''
غالب: ''اور ابا کیوں اجازت نہ دیتے وہ تو بڑے اچھے ابا ہیں۔''
صفیہ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ غالب بھی مسکرا پڑا۔ صفیہ نے کہا۔ ''اگر ابا اچھے ہیں تو بیٹی بھی اچھی ہے۔''
حنا شرما گئی اور خاموش ہو گئی۔ صفیہ تے دریافت کیا۔ ''بیٹی! تو بیت المقدس سے آئی ہے۔''
حنا: ''جی ہاں!''
صفیہ: ''راستہ میں تکلیف تو بہت ہوئی ہو گی۔''
حنا: ''جی نہیں! سفر بڑے آرام سے کٹا۔''
صفیہ: ''اب تو میرے ہی پاس رہا کرنا بیٹی۔''
حنا: ''یہ تو میری بڑی خوش قسمتی ہو گی۔''
صفیہ نے غالب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بھئی! اسے الزہرہ کے کمرے میں لے جاؤ مگر اس شریر سے کہہ دینا کہ وہ اس کے ساتھ شرارت نہ کرے۔'' غالب بہت اچھا کہہ کر اٹھا۔ حنا بھی اٹھی۔ اس نے پھر جھک کر صفیہ کو سلام کیا۔ انہوں نے دعا دی اور اب غالب اور حنا اس کمرے سے نکل کر زہرہ کے کمرے کی طرف بڑھے۔ حنا نے باہر نکلتے ہی کہا۔ ''آپ نے اپنی والدہ سے بھی کہہ دیا کہ میں شوخ ہوں۔''
غالب: ''مگر اس وقت تو تم نے سیدھا پن دکھانے میں کمال کر دیا۔''
حنا مسکرانے لگی۔ یہ دونوں ایک اور کمرہ میں داخل ہوئے اس کمرہ میں بھی قالینوں کا فرش ہو رہا تھا اور ایک کرسی پر ایک مہ جبین دوشیزہ بیش قیمت لباس پہنے بیٹھی تھی۔ دروازہ کی طرف اس کی پشت تھی۔ غالب نے کہا۔ ''الزہرہ: دیکھو حنا آئی ہے۔''

اس نے جونہی اپنا چہرہ اس کی طرف کیا۔ حنا اس حسینہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔''

☆☆☆☆

سولہواں باب

الزہرہ

یہ حسینہ غالب کی بہن الزہرہ تھی۔ نہایت حسین تھی۔ اس کا چہرہ گول، عارض بھرے بھرے۔ رخسارے تاباں، پیشانی کشادہ اور آنکھیں غزال چین کی طرح بڑی بڑی اور رسیلی تھیں۔ اس کے چہرے سے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا۔''آہا! بھائی جان ہیں۔''

غلاب:''اور یہ؟.........''

الزہرہ نے بے ساختگی کے انداز سے کہا۔''یہ بھابی.....مگر نہیں میں بڑی شوخ ہوں نہیں حنا! معاف کرنا۔''

اس نے بڑھ کر حنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اگر کوئی اور ایسی بات کہتی تو شاید حنا بگڑ جاتی مگر یہ اس شکرلب نے کہی تھی جس کی گالیاں سننے میں بھی اسے لطف آتا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔''کہہ لیجئے جو جی میں آئے کہہ لیجئے۔''

الزہرہ:''نہیں! میں اپنی حد سے بڑھ گئی۔ پہلی ہی ملاقات اور ایسی بات معاف کر دو تم! بہن مجھے معاف کر دو۔''

حنا:''میں معاف کر دوں۔؟''

الزہرہ:''ہاں اور کون معاف کریگا۔''

حنا:''(غالب کی طرف اشارہ کر کے) یہ جو مجھے یہاں لائے۔''

غالب ڈر گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ حنا خفا ہو گئی۔ اس نے کہا۔''الزہرہ! تم بعض اوقات ایسی شریر ہو جاتی ہو کہ.........''

حنا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔''آپ میرے سامنے سرزنش نہیں کر سکتے۔''

الزہرہ:''جب تو مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔''

حنا:''تو کیا میں سزا دے سکتی ہوں۔''

الزہرہ:''ضرور۔''

حنا:''اچھا کیا سزا دوں میں؟''

الزہرہ: ''جو دل چاہے۔''

حنا: ''کس دل سے سزا دوں۔''

الزہرہ: ''جو معافی کا ایک لفظ بھی نہیں کہنے دیتا۔''

حنا: ''الزہرہ تم کو کوئی بھی سزا نہیں دے سکتا۔''

الزہرہ: ''تو معاف تو کر سکتی ہے۔''

حنا: ''ہاں''

الزہرہ: ''اچھا تم نے معاف کر دیا مجھے۔''

حنا: ''ہاں معاف کر دیا۔''

الزہرہ: ''کیسی نیک ہو تم۔''

حنا: ''اور تم......''

الزہرہ: ''شریر ابھی بھائی جان نے آپ سے کیا کہا تھا؟''

حنا: ''مگر تم شریر نہیں ہو۔''

الزہرہ: ''اور......''

حنا: ''شوخ ہو۔''

الزہرہ: ''وہ تو ایک ہی بات ہوئی۔''

غالب: ''اب کھڑے ہی کھڑے باتیں ہوا کریں گی۔''

الزہرہ: ''لیجئے! انہیں تمہارا خیال شروع ہو گیا۔ بیٹھ جایئے ورنہ یہ مجھ سے خفا ہو کر خدا جانے کیا کیا کہنے لگیں گے۔''

حنا جھینپ گئی۔ غالب نے ذرا تیز نظروں سے الزہرہ کو دیکھا۔ الزہرہ نے کہا۔'' بیٹھ جاؤ حنا! وہ دیکھو وہ گھورنے لگے ہیں۔ مجھے (غالب سے)۔'' اب بیٹھی تو یہ نہیں اور آپ مجھے گھور رہے ہیں۔ انہیں گھوریئے نہ۔''

حنا: ''مجھے............''

الزہرہ: ''مگر تم کو یہ گھور نہیں سکتے۔ پوچ تو مجھے ہی سمجھ رکھا ہے۔''

غالب: ''الزہرہ تو اتنی شوخ کیوں ہے۔''

الزہرہ: ''بہن حنا! یہ چاہتے تو ہیں تم کو بٹھانا مگر تم بیٹھتی نہیں۔ خفا مجھ پر ہو رہے ہیں۔ بیٹھ جاؤ نہیں تو............''

حنا: ''اچھا! چلو بیٹھیں گے۔''

دونوں ایک ہی صوفہ پر جا بیٹھیں۔ الزہرہ نے کہا۔'' بھائی جان نے مجھ سے صبح تمہارا ذکر کیا تھا۔ مجھے تمہارے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا مگر..........''

حنا:'' مگر اب دیکھ کر پچھتائیں گی۔''

الزہرہ:'' بہت زیادہ اگر میں تم کو ایسا سمجھتی تو......''

حنا:'' تو کمرے میں بھی نہ گھسنے دیتی۔''

الزہرہ:'' یہی بات ہے۔ میں نے تم کو ایسا خوبصورت نہ جانا تھا۔''

حنا: خوبصورت...... میں خوبصورت ہوں۔''

الزہرہ:'' خدا نہ کرے تم تو کالی کلوٹی ہو۔ الٹے توے سے بھی بڑھ کر کہو اب تو خوش ہوئیں لیکن......''

حنا:'' لیکن کیا؟''

الزہرہ:'' کوئی ان بھائی جان سے پوچھے کہ یہ تمہاری تعریفیں کیوں کر رہے تھے۔''

حنا:'' تم ہی پوچھو۔''

الزہرہ:'' میں کیوں پوچھوں۔ جب تم کالی ہو تم ہی پوچھو۔''

حنا:'' مجھے انہوں نے تمہاری بابت پہلے ہی بتا دیا تھا۔

الزہرہ:'' یہ سب ہی کو بتا دیا کرتے ہیں۔''

حنا:'' کیا بھلا؟''

الزہرہ:'' یہی کہ میں نیک ہوں بھولی ہوں۔ آخر تو یہ بھائی جان ہیں نہ۔''

حنا:'' مگر تم......''

الزہرہ:'' بڑی شریر ہوں کہہ دو نہ وہی بھائی جان والی بات۔''

حنا:'' یہ بات نہیں ہے۔''

الزہرہ:'' اور؟''

حنا:'' اس قدر خوبصورت ہو کہ میں تمہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔''

الزہرہ:'' مجھے تو تم اب بھی ایسی ہی معلوم ہوتی ہو۔''

حنا:'' کیسے جانا تم نے؟''

الزہرہ:'' باتیں کچھ بہکی بہکی کر رہی ہو لیکن......''

حنا:'' کیا......''

الزہرہ:'' تم میں نہ مروت ہے نہ محبت۔''

حنا: ''کیسے اندازہ کر لیا تم نے؟''

الزہرہ: ''بھائی جان تمہارا ذرا دیر کھڑا رہنا گوارا نہ کر سکے اور وہ اتنی دیر سے کھڑے ہیں تم کو مطلق بھی خیال نہ آیا۔''

حنا: ''مگر یہ کھڑے ہی کیوں ہیں؟''

الزہرہ: ''ہاں! انہیں تو چلا جانا چاہئے تھا۔ یہی بات ہے نا؟ لیجئے بھائی جان اور کیجئے ان کی طرفداری۔ سن لیا آپ نے۔''

حنا: ''گویا میں نے یہی تو کہا ہے۔''

الزہرہ: ''اچھا اور کیا کہا ہے؟''

حنا: ''کیا بیٹھنے کے لئے کرسیاں نہیں ہیں۔''

الزہرہ: ''بھائی جان! جی تھوڑا نہ کیجئے۔ یہ آپ کو جانے کے لئے نہیں بلکہ بیٹھنے کے لئے کہہ رہی ہیں۔''

غالب زیرلب مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''الزہرہ! امی جان نے کہا تھا کہ انہیں شرارت کر کے پریشان نہ کرنا۔''

الزہرہ: ''امی جان نے کہا تھا یا آپ کہہ رہے ہیں۔''

غالب: ''اب تم ان سے ہی دریافت کر لو۔''

الزہرہ: ''یہ تو وہی کہیں گی جو آپ کہیں گے۔''

غالب: ''کیوں؟''

الزہرہ: ''اس لئے کہ ابھی یہ تمہاری مہمان ہیں اور جب......''

غالب: ''گویا تم انہیں اپنے پاس مہمان رکھنا چاہتی ہو۔؟''

الزہرہ: ''چاہتی تو ہوں لیکن امید نہیں کر رہی۔''

غالب: ''امید کیوں نہیں؟''

الزہرہ: ''آپ ان کے سامنے میری برائیاں کر رہے ہیں۔''

غالب: ''اچھا تو میں جا رہا ہوں۔''

غالب چل پڑا۔ الزہرہ نے حنا سے کہا۔ ''وہ ناراض ہو کر جا رہے ہیں بلا لو نا۔''

حنا: ''ناراض تو تم نے ہی کیا ہے تم ہی بلاؤ۔''

الزہرہ نے بلند آواز سے کہا۔ ''بھائی جان! یہ آپ کو بلا رہی ہیں۔ غالب واپس لوٹ آیا۔ اس نے حنا سے دریافت کیا۔ ''کیا کہتی ہو؟ حنا شوخ و شریر الزہرہ کو دیکھ رہی تھی۔ الزہرہ نے

کہا۔ ’’اب بلایا ہے تو کہہ ڈالو۔‘‘

حنا: ’’مگر بلایا تو تم نے ہے۔‘‘

الزہرہ: ’’تمہارے ہی تو کہنے سے وہ پھر چلے جائیں گے۔‘‘

حنا نے شرمیلی نظروں سے غالب کو دیکھ کر کہا۔ ’’انہوں نے بلایا ہے۔ آپ کو۔‘‘

الزہرہ: ’’میں تو اقرار کر رہی ہوں مگر کس کے کہنے سے بلایا ہے۔ اچھا تم نہ کہو میں ہی کہے دیتی ہوں۔‘‘

غالب: ’’ہاں! تو ہی کہہ دے۔‘‘

الزہرہ: ’’یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ ناراض ہو کر نہ جائیں۔‘‘

غالب: ’’نہیں میں ناراض نہیں ہوں۔‘‘

الزہرہ: ’’اب تو اطمینان ہو گیا تم کو؟‘‘

غالب چلا گیا۔ حنا نے مسکرا کر کہا۔ ’’میرے ابا! مجھے ہی شوخ بتایا کرتے ہیں۔‘‘

الزہرہ: ’’اور وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔‘‘

حنا: ’’لیکن اگر وہ تم کو دیکھیں......؟‘‘

الزہرہ: ’’تو بہت خوش ہوں گے۔‘‘

حنا: ’’ہاں! خوش تو ضرور ہوں گے لیکن انہیں معلوم ہو جائے گا۔‘‘

الزہرہ: ’’کہ نیک اور بھولی لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔‘‘

حنا: ’’اور جب باتیں سنیں۔‘‘

الزہرہ: ’’تو اور بھی قائل ہو جائیں گے۔‘‘

حنا: ’’اچھا کیا تم میرے ابا سے ملو گی۔‘‘

الزہرہ: ’’نہیں۔‘‘

حنا: ’’کیوں؟‘‘

الزہرہ: ’’اس لئے کہ میں پردہ میں رہتی ہوں۔ مسلم لڑکیاں مردوں سے باتیں نہیں کیا کرتیں۔‘‘

حنا: ’’کیا اس محل کی چار دیواری میں رہنے سے تمہارا جی نہیں گھبراتا۔‘‘

الزہرہ: ’’میرا جی باہر نکلنے سے گھبراتا ہے۔‘‘

حنا: ’’تعجب ہے۔‘‘

الزہرہ: ’’خاموش! امی جان تشریف لا رہی ہیں۔‘‘

صفیہ کمرہ میں آئی یہ دونوں ماہ طلعت کھڑی ہو گئیں۔ صفیہ نے کہا۔ ''حنا! تجھے الزہرہ نے پریشان تو نہیں کیا؟''

حنا: ''جی نہیں۔''

صفیہ: ''یہ ذرا زیادہ شوخ ہے۔''

الزہرہ: ''امی جان! میں بیچاری شوخی کیا جانوں''

صفیہ: ''ہاں! تو تو بڑی سیدھی لڑکی ہے۔ ذرا دیر بھی تو نچلی نہیں بیٹھتی۔ چلو کھانا تیار ہو گیا ہے۔''

الزہرہ: ''چلیے! آؤ بہن حنا۔''

حنا: ''چلو۔''

یہ دونوں صفیہ کے پیچھے پیچھے کھسر پھسر کرتی چل پڑیں۔

☆☆☆☆

سترھواں باب

مسلمانوں کی جرات

رینالڈ ساٹھ ہزار کا عظیم الشان لشکر لے کر منسیا کی طرف چلا تھا لیکن کچھ دور چل کر اسے معلوم ہوا کہ اگزروگورو کا قلعہ قریب قریب خالی پڑا ہے۔ وہاں جس قدر بھی اسلامی لشکر تھا وہ درالسلطنت قونیہ میں طلب کر لیا گیا ہے صرف سو سوا سو سپاہی ہی باقی رہ گئے ہیں۔ رینالڈ یہ سن کر بڑا خوش ہو گیا تھا اور منسیا جانے کی بجائے اگزروگورو کی طرف چل پڑا تھا۔

اگزروگورو قونیہ اور قسطنطنیہ کی سرحدوں کے اتصال پر واقع تھا۔ اگرچہ قسطنطنیہ کا شہنشاہ الکزیوس اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کو شکست دے کر قونیہ تک قبضہ کر لے مگر وہ خوب جانتا تھا کہ مسلمانوں کو چھیڑ کر اپنی سلطنت کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس لئے وہ اس کی جرات نہ کرتا تھا۔ البتہ وہ یورپ کو ابھارتا اور اکساتا رہتا تھا اور چاہتا تھا کہ اہل یورپ مسلمانوں سے ٹکرا جائیں۔

اس کی خوش قسمتی سے پیٹر دی ہرمٹ اور پوپ اربن ثانی نے یورپ والوں کو ترغیب دے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیج دیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ قونیہ میں قزل ارسلان کی حکومت تھی۔ اسے کوئی مہم درپیش تھی اور اس نے اگزروگورو اور منسیا دونوں قلعوں کی فوجوں کو قونیہ میں بلا لیا تھا چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ قسطنطنیہ کا بادشاہ جس کی سرحد ملی ہوئی تھی ان لشکروں کی غیر حاضری میں ان قلعوں کی طرف

رخ کرنے کی بھی جرات نہ کرے گا۔ اس لئے اس نے ایسا کیا تھا۔

اسے خبر نہ تھی کہ یورپ میں کیا ہو رہا ہے اور کن وحشی درندوں سے مسلمانوں کا سابقہ پڑنے والا ہے۔ اگر اسے ذرا بھی علم ہوتا تو وہ اس کا بندوبست کر لیتا۔ رینالڈ ٹڈی دل لشکر لے کر قلعہ اگزرد گورو کے سامنے جا پہنچا۔ اس قلعہ میں عیسائی اور مسلمان دونوں ہی آباد تھے۔ اچھی خاصی آبادی تھی۔ مگر سپاہی صرف سوسوا سو ہی تھے۔

اس لشکر جرار کو دیکھ کر مسلمان سہم گئے۔ سپاہیوں نے فوراً دروازے بند کرے اور خود فصیل پر جا چڑھے۔ ان کی مدد کے لئے شہری مسلمان بھی آ گئے اور یہ سب تیر کمانیں لے لے کر انتظار کرنے لگے کہ جب عیسائی بڑھیں گے تب وہ حملہ کریں گے۔

قلعہ کے عیسائی باشندے اپنے ہم مذہبوں پر حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہو گئے اور اس بات کی کوشش کرنے لگے کہ جس طرح بھی ممکن ہو قلعہ کے دروازے کھول دیئے جائیں اور صلیبی مجاہدوں کو قلعہ کے اندر داخل کر لیا جائے۔ رینالڈ نے اپنے ہی لشکر کے کئی حصے کئے اور ان میں سے چار حصوں کو تو قلعہ کے چاروں طرف پھیلا دیا اور باقیوں کو مسلح کھڑے رہنے دیا۔ مسلم سپاہیوں اور قلعہ کے مسلمانوں کی بھی مجموعی تعداد ایک ہزار سے نہ بڑھ سکی پھر ان کے پاس نہ تیروں کے گٹھے تھے نہ سنگریزے اور نہ فلاخنیں جن کے ذریعہ سے پتھروں کو مار سکتے تھے۔

وہ کمی تعداد اور بے سروسامانی کی وجہ سے یہ سمجھ رہے تھے کہ عیسائی قلعہ پر قابض ہو جائیں گے لیکن اس یقین پر بھی وہ لڑنے پر آمادہ تھے کہ ان کے دلوں میں خوف و دہشت نے غلبہ نہیں کیا تھا۔ لیکن ان کی تعداد اس قدر کم تھی کہ وہ قلعہ کے چاروں طرف فصیل پر نہیں پھیل سکتے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے لشکر کے چار ٹکڑے برابر کر کے فصیل پر چاروں طرف پھیلا دیا تھا۔

قلعہ کے باہر صلیبی علم لہرا رہے تھے اور عیسائی حملہ کرنے پر تیار نظر آتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں طبل جنگ بجا۔ نقاروں پر چوب پڑی اور عیسائی شور وغل کر کے قلعہ کی طرف بڑھے۔

حملہ چاروں طرف سے ایک ساتھ کیا گیا۔ عیسائی نقارے، نرسنگھے اور دوسرے باجے بجاتے اور شور کرتے حملہ آور ہوئے۔ چونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ کہ مسلمان فصیل پر اس قدر کم ہیں کہ انہیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے وہ سمجھ گئے کہ قلعہ شیران اسلام سے خالی ہے اور تھوڑی سی جرات سے اس پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شور کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ مسلمان خاموش کھڑے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب وہ تیروں کی زد میں آ گئے تو انہوں نے کمانیں اٹھا کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔

ان کے جانستاں تیر کمانوں سے نکل نکل کر چلے اور دشمنوں کے سروں و سینوں میں ترازو ہو گئے۔ جن عیسائیوں کے تیر لگے وہ زخمی ہو ہو کر گھوڑوں سے نیچے گرے اور گرتے ہی گھوڑوں کے سموں میں روندے گئے۔

عیسائیوں کا لشکر ہر طرف سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا۔ ان کی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بڑھ کر قلعہ کی مضبوط فصیل کو بہا لے جائے گا۔ مسلمان دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ان کی زندگیاں خطرہ میں پڑ گئی ہیں اور وہ کوئی دم کے مہمان ہیں مگر اس پر بھی وہ ہراساں نہ تھے بلکہ نہایت پھرتی اور چابک دستی سے تیر برسا رہے تھے۔

ان کے بہت کم تیر خالی جاتے تھے۔ ورنہ ہر تیر کسی نہ کسی عیسائی کے [illegible] کاری زخم لگاتا تھا کہ وہ زخمی بے اختیار گھوڑے سے گر کر تڑپتا اور [illegible] چلا جاتا تھا اگرچہ عیسائی زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ ان کی صفوں میں رخنے [illegible] جاتے تھے۔ لیکن ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مرنے والوں سے کمی ہوتی معلوم نہ ہوتی تھی اور وہ جوش وغضب سے بل کھاتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کی تعداد ہی کچھ نہ تھی اس لئے بہت کم تیروں کی باڑھیں مار رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ باوجود اس کے کہ عیسائی زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے لیکن ان کے قدم نہ رکتے تھے اور وہ برابر بڑھتے جا رہے تھے۔ آخر وہ بڑھتے بڑھتے فصیل کے اس قدر قریب آ گئے کہ اگلے دستے تیروں کی زد سے نکل گئے۔ اب مسلمان تیر افگنی کو فضول سمجھ کر فصیل سے نیچے اتر آئے اور ہر طرف والے ہر دروازہ پر پہنچ گئے۔ چونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ عیسائی آتے ہی دروازے توڑنے کی کوشش کریں گے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ پھاٹک ٹوٹ جائیں گے اس لئے انہوں نے خود ہی چاروں طرف کے دروازے کھول دیئے اور دروازوں کے اندر ہی تلواریں سونت سونت کر مرنے اور مارنے پر مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے۔

عیسائی اس طرح دروازے کھلے دیکھ کر پہلے تو جھجکے انہیں خیال ہوا کہ مسلمان قلعہ کے اندر زیادہ ہیں اور اب وہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جب مسلمان باہر نہ نکلے تب ان کی ہمتیں بڑھیں اور انہوں نے دروازوں میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ مسلمان تلواریں سونتے کھڑے ہی تھے جونہی عیسائی دروازوں میں داخل ہوئے انہوں نے فوراً ہی جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں کے جس قدر سپاہی بڑھے، مسلمان لپک لپک کر انہیں مار ڈالتے تھے اگرچہ عیسائی مر رہے تھے لیکن برابر بڑھ بڑھ کر دروازہ میں داخل ہو رہے تھے اور جو دروازہ میں آ جاتے تھے۔ مسلمان انہیں ختم کر دیتے تھے۔ اس طرح

چاروں دروازوں پر مسلمانوں نے عیسائیوں کو قتل کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ عیسائیوں کو بڑا جوش اور بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح دروازے میں کھڑے ہوئے مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیں اور اندر جا کر ان کا قتل عام شروع کر دیں لیکن مسلمانوں نے گویا تہیہ کر لیا تھا کہ جتنے عیسائی بھی اندر داخل ہوں گے وہ ان سب کو مار ڈالیں گے۔ چنانچہ وہ ہر اس عیسائی کو مار ڈالتے تھے جو اندر داخل ہو جاتا تھا اور سواروں کو قتل کرتے ہی ان کے گھوڑے قلعہ کے اندر لے جاتے تھے چونکہ عیسائی زیادہ تعداد میں دروازہ کے اندر نہ جا سکتے تھے تھوڑے تھوڑے جاتے تھے اس لئے مسلمان انکو مار ڈالتے تھے۔

سچ پوچھئے تو مسلمانوں کی یہ بڑی ہی جرات و ہمت تھی کہ وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں ساٹھواں حصہ ہوتے ہوئے جنگ کر رہے تھے اور یہ سمجھ کر لڑ رہے تھے کہ مریں گے تو سہی لہٰذا کیوں نہ بہادری کی موت سے لڑ کر مریں۔ جب کوئی انسان مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کی قوت بڑھ جاتی ہے اور وہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کر گزرتا ہے۔

مسلمانوں کو مدد آنے کی توقع ہی نہ تھی اس لئے وہ جان پر کھیل کر موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ انہوں نے چاروں طرف دروازوں پر تقریباً تین ہزار عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ عیسائی یہ کیفیت دیکھ کر رک گئے اور سوچنے لگے کہ مسلمانوں کو کس طرح سے باہر نکالیں یا اندر دھکیل دیں جس سے وہ میدان میں مقابلہ کر سکیں لیکن بہت کچھ غور و خوض کرنے پر بھی ان کی سمجھ میں کوئی تدبیر نہ آئی۔

اِدھر مسلمانوں نے مردہ عیسائیوں کو کھینچ کھینچ کر قلعہ کے اندر ڈالنا شروع کر دیا تاکہ راستہ صاف ہو جائے اور عیسائی پھر آگے آئیں اور وہ انہیں قتل کریں لیکن اب عیسائیوں نے کسی دروازے پر بھی بڑھنے کی جرات نہ کی وہ چپ چاپ کھڑے دیکھتے رہے۔

مسلمان بھی تلواریں سونتے اس انتظار میں رہے کہ عیسائی بڑھیں تو وہ انہیں پھر قتل کرنا شروع کر دیں کچھ دیر تک دونوں فریق کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے بلکہ غضبناک نگاہوں سے گھورتے رہے۔ عیسائیوں کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمتیں ہار چکے ہیں اور اب مزید قتل ہونے کے لئے بڑھنا نہیں چاہتے۔

ابھی یہ ایک دوسرے کو دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعہ کے اندر شور برپا ہوا۔ مسلمانوں نے حیران ہو کر اُدھر دیکھا۔ انہیں قلعہ کے اندر کے عیسائی تلواریں لئے مسلمانوں کے گھروں میں گھستے نظر آئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مسلمان سمجھ گئے کہ قلعہ کے عیسائیوں نے بیوفائی اور غداری کی اور وہ مسلم عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کے لئے ان کے گھروں میں گھس رہے ہیں۔ اس حادثہ نے

انہیں مضطرب کر دیا اور اہل و عیال کی محبت نے اس قدر بے قرار کر دیا کہ وہ دروازوں میں کھڑے نہ رہ سکتے تھے لہٰذا وہ بچوں اور عورتوں کو بچانے کے لئے دوڑ پڑے۔ ان کے دروازوں سے ہٹتے ہی عیسائیوں کا سیلاب قلعہ کے اندر داخل ہو گیا اور انہوں نے اندر جاتے ہی زور و شور سے نعرے لگا لگا کر مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے۔

ابھی مسلمان اپنے عزیز و اقارب کی خبر لینے بھی نہ پائے تھے کہ باہر سے آنے والے عیسائیوں نے دھاوا بول دیا۔ مسلمان کچھ گھبرا گئے لیکن یہ گھبراہٹ چند لمحوں کے لئے تھی۔ وہ فوراً سنبھلے اور اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر باہر سے آنے والے عیسائیو کی طرف پلٹ پڑے اور تلواریں کھینچ کھینچ کر ان کے اوپر جا ٹوٹے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان صرف ایک ہزار ہی تھے اور ان میں بھی زیادہ تعداد ان شہریوں کی تھی جو فنون حرب سے ناواقف محض تھے پھر ان کی یہ مختصر تعداد بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی ان سے یہ غلطی ہو گئی کہ انہوں نے اپنی جمعیت کو ایک جگہ فراہم نہ کر لیا اگر وہ ایک جگہ جمع ہو جاتے تو شاید ایسا ہولناک انجام نہ ہوتا جو ہوا۔

مسلمان چاروں طرف سے باہر سے آنے والے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور اس جوش و غضب سے حملہ کیا کہ عیسائی حیران رہ گئے۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر وار کرنے اور حملے کر کر کے عیسائیوں کو قتل کرنے لگے۔

ان کی تلواریں بڑی تیزی سے چل چل کر سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ ہاتھ، پیر، سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے اور خون کے پرنالے بہنے لگے۔ عیسائی انہیں کم اور نہایت ہی کم دیکھ کر شیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی غضبناک ہو ہو کر حملے کرنے شروع کر دیئے تھے، نہایت سختی اور بڑے جوش میں آ آ کر۔

وہ مسلمانوں کے چاروں طرف چھا گئے اور پرزور حملے کر کے انہیں شہید کرنے لگے۔ عیسائی اس قدر قلعہ کے اندر گھس آئے کہ اس میں مزید سپاہیوں کے آنے کی گنجائش نہ رہی۔ مسلمانوں نے جب اپنے سر اٹھا اٹھا کر ان کے ٹڈی دل لشکر کو دیکھا تو ان کے دل ڈوب گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ان میں سے ایک مسلمان کا بھی بچنا ناممکن ہے۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ حسرت بھری نظروں سے اور اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر نہایت جوش سے حملہ کر دیا۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا اور ہر مجاہد نے نہایت سختی سے حملہ کیا وہ اپنے سامنے والے عیسائیوں پر جا ٹوٹے اور نہایت پھرتی سے انہیں قتل کرنے لگے۔

انہوں نے صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ دستوں کے دستے قتل کر کے بچھا دیئے۔ دور تک

میدان عیسائیوں کی لاشوں سے پاٹ دیا۔ خون کے دریا بہا دیئے۔ عیسائی تین ہزار تو دروازے ہی میں مارے گئے تھے اب قریباً تیرہ ہزار قلعہ کے اندر قتل ہو گئے اور اس طرح سے صرف ایک ہزار مسلمانوں نے سولہ ہزار عیسائیوں کو مار ڈالا۔

تاریخوں میں دنیا کی کسی قوم کے بھی ایسی بہادری کے واقعات نہیں ملتے جیسی شجاعت مسلمانوں نے دکھائی ہے یا تو یرموک کے مقام پر صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار عیسائیوں سے جنگ کی تھی۔ اور یا قلعہ اگز روگورو میں ایک ہزار مسلمان ساٹھ ہزار عیسائیوں سے لڑے اور پھر کس جوش و دلیری سے کہ حیرت ہوتی ہے۔

چونکہ جنگ نے طول کھینچا اور مسلمانوں نے کثیر تعداد عیسائیوں کی قتل کر ڈالی اس لئے اب ان کے اعضا ست پڑ گئے۔ بازو شل ہو کر اس قدر بھاری ہو گئے کہ تلواروں کا جلد جلد اٹھانا مشکل ہو گیا اور اس لئے اب ان کے حملوں میں کمی آ گئی۔

عیسائیوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ لی۔ ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ رینالڈ بھی ایک اونچی جگہ پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے جوش میں آ کر بلند آواز سے کہا۔ ''مسیحی دلیرو! مسلمان تھک کر چور ہو گئے ہیں ان پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑو اور ایک ایک کو چن چن کر قتل کر ڈالو۔''

عیسائیوں نے یہ سنتے ہی ہر طرف سے جوش و غضب میں آ آ کر حملے کئے اور اس شد و مد سے اور اس زور و شور سے کہ مسلمانوں کی تعداد کثیر شہید ہو گئی۔ دراصل مسلمان لڑتے لڑتے اور عیسائیوں کو قتل کرتے کرتے اس قدر تھک گئے تھے کہ ان کے بازو اس قدر وزنی ہو چکے تھے کہ اب ان سے تلواریں نہ اٹھتی تھیں اور اگر اٹھ بھی جاتی تھیں تو حملہ نہ ہوتا تھا۔ جب مسلمانوں کی زیادہ تعداد شہید ہو گئی تو ایک پر جوش نوجوان نے کہا۔ ''مسلمانو! ہر مسلمان شہید ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری تمنا پوری ہونے والی ہے۔ ہماری شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن ہمیں شہید ہونے سے پہلے خدا اور خدا کے رسول صلعم کو خوش کرنے کے لئے ان بے دین عیسائیوں کو اچھی طرح قتل کر ڈالنا چاہئے تاکہ حوریں ہماری روحوں کا استقبال کرنے کیلئے آسانی دروازہ تک آ جائیں۔'' اس کی مختصر تقریر نے مسلمانوں میں جوش و غضب کی ایک لہر دوڑا دی اور ان میں سے ہر ایک نے ہر جگہ سنبھل کر اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر نہایت شدت سے حملہ کر دیا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کہاں سے اور کیسے طاقت آ گئی۔ وہ چاروں طرف بکھر گئے اور اس جوش و خروش سے حملے کرنے لگے جیسے تازہ دم لوگ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے پھر عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر ان کی تلواریں سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں پھر خون کی

ندیاں بہنے لگیں۔ عیسائی یہ کیفیت دیکھ کر حیران ہو کر گھبرا گئے۔
انہوں نے حملے چھوڑ دیئے اور محض مدافعت کرنے لگے۔ ان کمزور تھکے ہوئے اور گنتی کے چند مسلمانوں نے ہزاروں عیسائیوں کو تہ تیغ کر ڈالا اور یہ ثابت کر دیا کہ مرتا مرتا بھی مسلمان دو چار دشمنوں کو قتل کر ڈالنا بچوں کا کھیل سمجھتا ہے۔
عیسائیوں کو ان کی اس جی داری پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ انہوں نے پھر سمٹ کر بے بس و ناتواں مسلمانوں پر یلغار کی۔ اگر چہ مسلمان بھی ڈٹ گئے اور نہایت جوش وخروش سے لڑنے لگے لیکن ان کی طاقت نے جواب دے دیا اور اب انکے بازو اس قدر ناکارہ ہو گئے کہ تلواروں کا اٹھانا تو کیا سنبھالنا بھی دشوار ہو گیا۔
عیسائیوں نے ہر طرف سے انہیں دبایا اور ان پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمانوں نے ڈھالیں سروں پر اٹھالیں لیکن عیسائیوں کی تلواروں نے ڈھالیں پھاڑ ڈالیں اور مجبور و بے کس مسلمانوں کو قتل کرنے لگے۔ عیسائیوں نے جوش میں آ کر نعرہ لگا۔ ''خدا کی مرضی یہی ہے۔''
مسلمانوں نے حیرت بھری نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''خدایا! ہماری غلطیاں !، ہمارے گناہ معاف کرنا۔ ہم تیرے دربار میں آ رہے ہیں۔''
عیسائیوں نے خدا ہی کی یہ مرضی ہے کہ نعرے لگا لگا کر نہایت جوش وخروش سے حملے کرنے شروع کر دیئے۔
چونکہ اب مسلمانوں میں بالکل ہی قوت باقی نہ رہی تھی اس لئے وہ شہید ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد کم ہوتی گئی یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک ایک کر کے وہ سب شہید ہو گئے اور ایک بھی لڑنے والا مسلمان زندہ باقی نہ رہا۔
عیسائیوں نے اچھل اچھل کر اور کود کود کر فتح کے نعرے لگائے اور اب وہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کا قتل عام کرنے کے لئے سارے قلعہ میں پھیل گئے۔

☆☆☆☆

اٹھارہواں باب

ہولناک سفاکی

قلعہ اگزر و گورو کی جنگ میں صرف ایک ہزار مسلمانوں نے جن میں لڑنے والے صرف سو سوا سو ہی تھے۔ عیسائیوں کے ٹڈی دل لشکر سے لڑ کر ان کے اکیس 21 ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔
اگر انہیں ذرا دم لینے اور آرام کرنے کا موقعہ مل جاتا تو وہ پھر تازہ دم ہو کر لڑتے اور عجب

نہیں تھا کہ پندرہ بیس ہزار عیسائیوں کو اور قتل کر کر کے انہیں شکست دے کر بھگا دیتے۔ لیکن شاید خدا ہی کو یہ منظور نہ تھا۔ نہ انہیں کوئی امداد پہنچی نہ آرام ملا اور وہ اسلامی شیر لڑتے ہی لڑتے ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے لیکن شہید ہونے پر بھی اپنی بہادری کی ایک مثال باقی چھوڑ گئے۔ جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔

جب تمام مسلمان شہید ہو گئے تو وحشی عیسائی قلعہ میں پھیل گئے اور مسلمانوں کے گھروں میں جا گھسے۔ پردہ نشین عورتوں اور عصمت مآب خواتین کو ان کے گیسوؤں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتے ہوئے گھروں سے باہر لانے لگے! وہ عورتیں جن کے سروں کی چادریں اور دوپٹوں کے پلے بھی کسی نے نہ دیکھے تھے۔ اب ننگے سر کھینچ کھینچ کر باہر نکالی جا رہی تھیں معصوم بچے جو یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ کیا اور کیوں ہو رہا ہے ہاتھوں میں لے لے کر اچھالے اور نیزوں کی انیوں پر روکے جا رہے تھے۔

بڈھے اور بیمار نہایت بے دردی اور بے رحمی سے قتل کئے جا رہے تھے۔ عیسائی ایسے وحشی درندے بن گئے تھے جنہیں انسانیت سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا تھا۔ تعصب نے انہیں اندھا کر دیا تھا اور وہ قلعہ اگز رد گورد کے مسلمانوں پر نہایت سنگ دلانہ اور وحشیانہ مظالم کر رہے تھے۔

پوپ اربن ثانی اور پیٹر دی ہرمٹ نے یورپ میں تقریریں کر کر کے قومی منافرت کے جو جذبات ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے آج وہ اس نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔

انہوں نے سینکڑوں بچوں کو اچھالا اور نیزوں کی انیوں پر روک روک کر مار ڈالا تھا۔ سینکڑوں بڈھوں بیماروں اپاہجوں اور کمزور عورتوں کو ذبح کر ڈالا تھا پچاسوں مکانوں میں آگ لگا دی تھی۔

وہ جوش انتقام میں اندھے ہو گئے تھے اور لڑنے والے مسلمانوں کا انتقام کمزور عورتوں بے کس و معصوم بچوں ناکارہ بڈھوں اور بیمار مجبوروں سے لے رہے تھے۔

ہر عیسائی وحشیانہ بربریت پر اتر آیا تھا اور وہ مظلوم مسلمانوں کو مٹا اور فنا کر رہا تھا۔ عورتیں گھبرائی، بچے سہمے اور بڈھے ڈرے پھر رہے تھے عصمت مآب خواتین اپنی عصمتوں کو بچانے کے لئے اپنی جانیں دے رہی تھیں۔ بچے اپنے والدین کو اور مائیں اپنے بچوں کو مرتا دیکھ رہی تھیں! مسلمان مردوں (جن میں صرف بڈھے یا بیمار ہی تھے) عورتوں اور بچوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ خوف و دہشت سے آنکھیں حلقوں کے اندر گھس گئی تھیں۔ عیسائی ہر محلہ میں پہنچ گئے تھے۔ اور ایک سرے سے ہر گھر میں گھس رہے تھے ان کی رگ سیہ کاری بھڑک اٹھی اور وہ مسلم عورتوں کو نشانہ بدکاری بنانا چاہتے تھے۔

لیکن مسلمان عورتیں اگر حقیقت میں وہ مسلمان ہیں کسی لالچ نہ کسی خوف اور کسی سختی سے بھی متاثر ہوکر بدکاری کی طرف نہیں جھکتیں جو مسلم عورت سیہ کاری کی طرف جھکی وہ مسلمان نہیں کہلا سکتی۔

کیونکہ ایسی عورتوں اور اسے مردوں کے متعلق خداوند عالم اپنے کلام پاک قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''(یعنی زنا کے نزدیک تک نہ جاؤ۔ وہ بڑی بے حیائی اور بُری راہ ہے۔)''

زنا کرنے والی عورتیں یا مرد زنا جیسے بڑے گناہ کی پاداش میں دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ پھر کون ایسا مسلمان ہے جو بے حیائی کر کے دوزخ خریدے گا۔

اگز روگورو میں طیب نامی ایک سوداگر تھا مالدار تھا وہ بڈھا تھا اور بیمار بھی اس کی بیوی قمر بڑھیا تھی ایک نوجوان لڑکی عائشہ بھی، اس کی شادی ہو چکی تھی۔ اور شادی کی مسرت آفرین یادگار ایک لڑکا تھا۔

عائشہ کا شوہر تجارت کے سلسلہ میں قونیہ گیا ہوا تھا۔ ماسوائے طیب یا دو ملازموں کے جو بڈھے تھے اور کوئی نہ تھا چند عیسائی مکان کے اندر گھس آئے اور جب طیب کے خادموں نے انہیں باہر چلے جانے کے لئے کہا تو انہوں نے ان دونوں بے گناہوں کو قتل کر ڈالا۔

طیب یہ کیفیت دیکھ کر فوراً باہر نکل آیا۔ اس نے کہا عیسائیو تم ہم سے کیا چاہتے ہو۔

چند عیسائیوں نے کہا۔ بڈھے خبیث ہم تمہاری دولت چاہتے ہیں۔

طیب: ''دولت آبرو اور جان کا صدقہ ہوتا ہے کیا تم ہمیں دولت لے کر گزند نہ پہنچاؤ گے۔''

عیسائی: ''نہیں۔''

طیب نے خزانہ کی چابیاں ان کے حوالے کر کے کہا۔ لو یہ چابیاں ہیں اور وہ سامنے کمرہ ہے اس میں خزانہ ہے تم سب کچھ لیجاؤ مگر ہماری زندگیاں محفوظ رہنے دو۔

عیسائی چابیاں لے کر چلے گئے اور کمرہ کھول کر تمام خزانہ نکال لیا جب وہ دولت لے کر چلے تو ان کی نظر عائشہ پر جا پڑی۔ عائشہ نہایت حسین تھی۔ ایک عیسائی نے کہا کس قدر حسین لڑکی ہے۔

دوسرے نے کہا۔ اسے بھی پکڑ کر لے چلو۔ وہ سب عائشہ کی طرف بڑھے عائشہ سمجھدار تھی۔ ان کے برے تیور دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئی۔ اور جونہی عیسائی اس کی طرف بڑھے وہ لپک کر ایک کمرے میں جا گھسی اور جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

عیسائی دروازہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا حسین لڑکی باہر نکل آؤ ورنہ ہم دروازہ توڑ کر زبردستی نکال لیں گے۔

عائشہ نے کہا۔ ہم پر رحم کرو تم دولت کے بھوکے ہو۔ دولت لیجاؤ۔

عیسائی: ''ہم تمہیں بھی چاہتے ہیں۔''

عائشہ: ''میں تمہارے ساتھ زندہ نہیں جا سکتی۔''

اتفاق سے عائشہ کا ننھا سا بچہ آ گیا۔ شاید اس نے عائشہ کو کمرہ کے اندر گھستے دیکھ لیا تھا۔ اگر چہ وہ بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ مگر غالباً اس بات کو سمجھ گیا تھا کہ عیسائی بھیڑیئے اس کی والدہ عائشہ کو مارنا چاہتے ہیں تو وہ بھاگ کر دروازہ کے پاس پہنچ گیا اور امی! امی! پکارنے لگا۔

عیسائی اس بچہ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ وہ عائشہ کا بچہ ہے انہوں نے اسے پکڑ لیا اور ایک شخص نے کہا دیکھو! اے حسین لڑکی! تمہارا بچہ ہمارے پاس آ گیا اگر تم نے دروازہ نہ کھولا تو ہم اس تمہارے نونہال کو مار ڈالیں گے۔ عائشہ پر اپنے لاڈلے بیٹے کی محبت کا غلبہ ہوا وہ بے قرار ہو کر بڑھی اور دروازہ کھولنے لگی لیکن دفعتہً اسے کچھ خیال آیا اور وہ پھر رک گئی اس نے کہا نہیں! نہیں!! تم انسان ہو اور یقین ہے کہ ایک معصوم بچے کو قتل نہ کرو گے۔

ایک نوجوان عیسائی نے کہا مار ڈالو اس بچہ کو! ایک بیدرد عیسائی نے اس پھول سے زیادہ نازک بچہ کا گلا گھونٹنا شروع کیا بچے کی آنکھیں پھیلنے لگیں اس نے کہا امی آہ امی!۔

عائشہ کا دل ہل گیا وہ سمجھ گئی کہ عیسائی بھیڑیئے اس کے لخت جگر کو چیر پھاڑ رہے ہیں مگر وہ اپنے بچے سے زیادہ اپنی عصمت کو عزیز سمجھتی تھی اور یہ خوب جانتی تھی کہ عیسائی دولت کے لٹیرے اور عصمت کے ڈاکو ہیں اس لئے وہ دل پر جبر کر کے کھڑی رہی دروازہ کے پاس اور فرط رنج وقلق سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔ کلیجہ سنسنانے لگا اور سینہ دبنے لگا۔

جبکہ بے رحم عیسائی معصوم بچہ کا گلا گھونٹ رہا تھا اور مظلوم لڑکا ہاتھ پیر مار رہا تھا اس وقت اس کی نانی یعنی طیب کی بیوی قمر آ گئی وہ تڑپ کر بڑھی اور جو عیسائی معصوم بچہ کا گلا گھونٹ رہا تھا اس نے اس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا اور ضعیف ہاتھوں سے اس قدر گھونٹا کہ وہ بے دم ہو کر گر پڑا اور بچہ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر زمین پر آ پڑا۔

عیسائیوں کو قمر کی یہ دلیری اور جرات دیکھ کر غصہ آ گیا اور انہوں نے تلواریں کھینچ کر اس ضعیفہ کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

اس عرصہ میں طیب بھی وہاں آ گیا اس نے کہا آہ! بے درد ظالم یہ تم نے کیا کیا تم نے میری پیاری بیوی کو مار ڈالا۔

عیسائی جوش وغضب سے دیوانے ہو گئے تھے ان میں سے ایک نے اس کے سر پر بھی تلوار ماری اور وہ چکرا کر گرا۔

عائشہ کمرے کے اندر یہ تمام باتیں سن رہی تھی وہ سمجھ گئی کے اس کے ماں اور باپ دونوں کو ظالم عیسائیوں نے مار ڈالا اور چونکہ اس کے بچہ کی بھی اب کوئی آواز نہ آرہی تھی اس لئے اس نے یہ ہی سمجھ لیا کہ شاید اس کا بھولا بچہ بھی قتل کر دیا گیا۔

اب بے اختیار اس کے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے چھت کی طرف اشکبار آنکھیں اٹھا کر کہا خدایا! ہمارے کس گناہ کی پاداش میں تو ہمارا یہ امتحان لے رہا تھا ہم تیرے بندے اور تیرے پیارے حبیب ﷺ کی اُمت میں ہیں ہم پر رحم کر۔

جب وہ یہ دعا مانگ رہی تھی۔ اس نے بچہ کی کمزور آواز سنی جو پست لہجہ میں پکار رہا تھا امی! امی!! پھر اس کا دل ہل گیا اس نے کہا بچہ! آہ میرے بچہ!! ایک عیسائی نے کہا بے وقوف حسینہ دروازہ کھول دے ورنہ تیرے اس بچہ کا بھی خاتمہ کر دیا جائے گا۔

عائشہ نے روتے ہوئے کہا۔ آہ! ظالمو! خدا ہی کی یہ مرضی ہے۔

تمام عیسائیوں نے چلا کر کہا ہاں خدا ہی کی یہ مرضی ہے! اور ایک سفاک عیسائی نے بچے کی ٹانگیں پکڑ کر گھمایا بچہ نے کہا امی! امی"! مجھے بچاؤ۔

ظالم عیسائی نے اسے دیوار سے کھینچ مارا معصوم بچہ کی کھوپڑی دیوار سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ عائشہ کا دل کانپ گیا۔ نور نظر کی محبت نے سینے میں ایسا جوش مارا کے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

باہر نکلتے ہی اس نے اپنے ماں باپ اور بچہ کی لاش کو دیکھا فرط رنج وقلق سے اس کا کلیجہ الٹنے لگا اس نے کہا آہ سفاک ظالمو! یہ تم نے کیا کیا۔

عیسائی ہنستے ہوئے اس کی طرف بڑھے ان میں سے ایک نے کہا پری رو حسینہ غم نہ کرو عائشہ کو جوش آ گیا وہ مسلمان تھی۔ اسلامی خون اس کی رگوں میں کھولنے لگا۔ وہ ایک عیسائی کی طرف جھپٹی اور قبل اس کے وہ یا اس کے ساتھی خبردار اور ہوشیار ہوں عائشہ نے شیرنی کی طرح دوڑ کر اس کی ناک پر گھونسا مارا۔

عیسائی کے نکسیر جاری ہو گئی اور وہ لڑکھڑا کر گرا اس کے گرتے ہی عائشہ نے دوڑ کر تلوار اٹھالی اور تلوار ہاتھ میں لیتے ہی عیسائیوں پر ٹوٹ پڑی اتنے میں کہ عیسائی سنبھلیں اس نے ایک کا خاتمہ کر دیا اور پھر دوسرے پر لپکی اور اسے بھی قتل کر ڈالا۔ اس وقت اسے جوش آرہا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا نتھنے پھڑک رہے تھے اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہی تھی۔

عیسائی اس نازک اندام کو اس طرح تلوار چلاتے دیکھ کر حیران رہ گئے مگر جب ان کے تین چار ساتھی مارے گئے تو وہ جوش میں آ کر بڑھے اور انہوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر کر اس پر تلواروں کا مینہ برسا دیا عائشہ کے سر پر بہت سی تلواریں پڑیں اور اس کے سر کی کئی پھانکیں کھل گئیں۔

وہ ایک آہ کر کے گری اور گرتے ہی شہید ہوگئی اس میں شک نہیں کہ عائشہ مرگئی لیکن اپنی بے نظیر بہادری اور عصمت مآبی کی زندہ یادگار چھوڑ گئی سفاک عیسائی اس تمام خاندان کا خاتمہ کر کے اور دولت لے کر باہر نکلے اور دوسرے گھروں میں جا گھسے۔

اگر ان تمام مظالم کو جو ان وحشی درندوں نے اگزرو گورو کے مسلمانوں پر کئے تفصیل وار بیان کیا جائے تو ضخیم کتاب ہو جائے اس لئے ہم تفصیل سے قطع نظر کر کے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بیرحم جلادوں نے کسی ایک مسلمان کو بھی زندہ باقی نہ چھوڑا سب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور چن چن کر قتل کر ڈالا بڈھوں، بیماروں، مولویوں، قاریوں، حافظوں، عورتوں اور بچوں غرضیکہ سب کو قتل کر دیا اور سب کے بعد مسجدوں میں آگ لگا دی گئی جس قدر قرآن شریف ملے سب کو جلا دیا۔

مچاؤ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے عیسائیوں کے اس سفاک گروہ نے عاجز اور بے پناہ مسلمانوں پر شدید مظالم توڑے اپنے اندھا پن میں انہوں نے تعصب اور مطلق العنانی کو جمع کر لیا اور صلیب کے جھنڈے کے نیچے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جن سے انسانیت اور فطرت کانپ اٹھیں۔(تاریخ مچاؤ صفحہ 73)

بس یہ سمجھ لیجئے کہ دن چھپنے تک خونریزی اور آتشزدگی کی جاتی رہی اور شام ہونے سے پہلے ہی پہلے اگزرو گورو کے مسلمانوں کا خاتمہ ہو گیا اور ایک بھی فرزندان توحید میں سے زندہ باقی نہ رہا۔

☆☆☆☆

اُنیسواں باب

مصیبت زدہ مسافر

عیسائی درندے رات ہونے تک وحشیانہ مظالم کرتے رہے جب آفتاب ان کی سفاکانہ بربریت کی تاب نہ لا کر حجلہء مغرب میں روپوش ہو گیا تب عیسائی بھیڑیے مجبور ہو گئے اور وہ بھی آرام کرنے کی فکر کرنے لگے مگر انہوں نے مظالم ناروا سے اس وقت ہاتھ کھینچے جب کوئی مسلمان زندہ اور کوئی مسجد بھی باقی نہ رہی۔

دراصل وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی یادگار بھی باقی نہ رہنے دیں چنانچہ انہوں نے تمام بڑی بڑی عمارتیں اور اونچے اونچے محلوں میں آگ لگا کر انہیں خاکستر کر دیا کسی مسلمان کا کوئی ایک گھر بھی ایسا باقی نہ رہنے دیا۔ جس کی ایک ایک چیز نہ لوٹ لی ہو۔

تواریخ عالم میں ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے عیسائی شہروں پر قبضہ کیا مگر ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ انہوں نے عیسائیوں پر انسانیت سوز مظالم کیے ہوں۔

عورتوں، بچوں، بڈھوں، بیماروں اور مذہبی پیشواؤں کا قتل عام کیا ہو مکانات جلائے اور گرجوں کو گرایا ہو لیکن ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ عیسائیوں نے کسی اسلامی شہر پر قبضہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کو بے دریغ قتل نہ کر دیا ہو۔

عورتوں، بڈھوں، بیماروں، عالموں، حافظوں کو چن چن کر مار ڈالا ہو گھروں کو جلا نہ دیا ہو۔ مسجدوں کو منہدم نہ کر دیا ہو عورتوں کی عصمت دری نہ کی ہو اور قرآن شریف کی بے حرمتی نہ کی ہو۔

جس قدر مظالم شیطانی دماغ میں آ سکتے تھے عیسائیوں نے وہ تمام مسلمانوں پر کیے تاریخ عالم کے اوراق ان کی وحشیانہ سفاکیوں سے بھرے پڑے ہیں۔

جس قوم کی تعلیم یہ ہو کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تم دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دو جس قوم کو حضرت عیسیٰ نے یہ تعلیم دی ہو کہ تم امن و سکون سے رہو۔

خدا کی مخلوق پر سختیاں نہ کرو۔ اسی قوم نے دنیا میں سب سے زیادہ ہولناک اور انسانیت سوز مظالم کیے خود عیسائی مورخوں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑی ہے کہ عیسائیوں کی وحشیانہ حرکتوں اور برابر مظالم نے عیسائیت پر بدنما داغ لگا دیا ہے۔

اس کے برعکس اسلام کی تعلیم ہے کہ برابر کا بدلہ لو اللہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ترجمہ: (یعنی اور ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ناک کا بدلہ

ناک کان کا بدلہ کان دانت کا بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ زخم، یہی بدلہ ہے۔)
مسلمان پروردگار کے اس حکم سے آگے نہیں بڑھتے وہ انتقام اتنا ہی لیتے ہیں جتنا انہیں ستایا جاتا ہے۔اس سے زیادہ نہیں۔
سچ پوچھئے تو مذہب وہی ہے جس کی تعلیم عین فطرت کے مطابق ہو اور جس کے ماننے والے وحشی درندے نہ ہوں عیسائیت کی یہ تعلیم کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کردو فطرت کے بالکل خلاف ہے۔
اس لئے کے کوئی شخص کتنا بھی بے غیرت، بے حمیت اور بزدل کیوں نہ ہو ٹپنے سے اسے طرارہ آہی جائے گا اور وہ انتقام لئے بغیر نہ رہے گا اگر وہ انتقام لیتا ہے یا انتقام لینے کا جذبہ بھی اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے تو وہ مذہب سے انحراف کرتا ہے اور مذہب سے انحراف کرنا خدا سے بغاوت کرنا ہے۔
لیکن اسلام کی تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے حکم یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک طماچہ مارے تو تم بھی ایک ہی مارو کوئی تمہارا ایک دانت توڑے تو تم بھی اس کا ایک دانت توڑ دو گویا بدلہ لو مگر برابر کا زیادتی مت کرو اور اگر معاف کردو تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔
چنانچہ مسلمان ایسا ہی کرتے ہیں عیسائی اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ ان کے مذہب میں بہت سی خامیاں ہیں مثلاً یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنا سور کا گوشت کا کھانا شراب کا عام طور پر استعمال کرنا۔ پادریوں اور ننوں کا گرجہ میں داخل ہونے کے بعد شادیاں نہ کرسکنا وغیرہ وغیرہ اور بہت سی ایسی باتیں ہیں۔
وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام میں کوئی ایک خامی بھی نہیں ہے مسلمان کسی انسان کو خدا کا بیٹا نہیں بتاتے سور کا گوشت اور شراب وزنا اور قمار بازی اسلام میں حرام ہے۔
چنانچہ تعلیم یافتہ جن میں بڑے بڑے رئیس اور نواب شامل ہیں مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں خیر مطلب یہ ہے کہ وحشی عیسائیوں نے اگز رو گورو میں ایسے ہولناک اور وحشیانہ مظالم کئے کہ انسانیت ان کے افعال قبیحہ پر ماتم کرتی رہ گئی اور عیسائی مورخوں کو بھی انہیں سفاک اور ظالم لکھنا پڑا۔

جب رات ہوگئی تب طیّب کو ہوش آیا اس نے آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر اپنے گرد وپیش دیکھا اس کی بیوی قمر اس کی بیٹی عائشہ اور اس کے نواسے کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔
اس کا کلیجہ جل گیا وہ سینہ پکڑ کر اٹھ بیٹھا اس نے بیٹھ کر فاتحہ پڑھی اور جوش میں آ کر کہا آہ تم جنہیں دیکھ کر میں جیتا تھا جن کی زندگی پر میری زندگی کا انحصار تھا۔ بے گناہ مار ڈالے گئے ہی

خدا اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے حلف اٹھاتا ہوں کہ وحشی عیسائیوں سے تمہارا انتقام لوں گا۔ خدا میری مدد کرے اور میرے ضعیف بازوؤں میں اتنا زور اور اتنی قوت عطا فرمائے کہ میں اپنا حلف پورا کرسکوں۔

اب وہ اٹھا آہستہ آہستہ اور وہاں سے چل کر ایک زمین کھودنے کا اوزار لایا زمین کھودی اور نماز جنازہ پڑھ کر تینوں کو ایک ہی گڑھے میں دفن کر دیا۔

وہ خوب جانتا تھا کہ اگر وہ اسلامی لباس پہن کر باہر نکلا اور کسی عیسائی نے اسے دیکھ لیا تو وہ یقیناً مار ڈالا جائے گا اس لئے اس نے ان مردہ عیسائیوں میں سے جنہیں عائشہ نے قتل کیا تھا ایک سپاہی کے کپڑے اتار کر اپنے کپڑوں کے اوپر پہنے اور گھر سے باہر نکلا۔

رات کا وقت تھا اور رات اندھیری تھی عیسائی فتح کی خوشیاں منا رہے تھے شور وغل کر رہے تھے شراب پی پی کر ناچ رہے تھے۔ تمام قلعہ غیر مہذبانہ آوازوں سے گونج رہا تھا۔

وہ اندھیرے میں چل پڑا تھوڑی دور چل کر جب محلہ کی مسجد کے پاس پہنچا تو اس نے اسے خاک کا ڈھیر پایا سفاک ظالموں نے اسے آگ لگادی تھی اور وہ جل کر تو دہ خاک بن گئی تھی۔

وہ اس خاک کے ڈھیر کو دیکھ کر رو پڑا اس نے کہا خداوند عالم ہم سے کونسی غلطی سرزرد ہوگئی تھی جس کی پاداش میں ہم پر تیرا عذاب نازل ہوا ہمارے زن فرزند مارے گئے اور مسجدیں جلادی گئیں پروردگار کیا تو نے ہماری آزمائش لی ہے (الہ العالمین) ہم تیرے بندے ہیں تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور جب تک زندہ رہیں گے تیری ہی عبادت کرتے رہیں گے

اے خدا مظلوم مسلمانوں کا سفاک اور وحشی عیسائیوں سے انتقام لے، کسی عمر فاروق کو بھیج خالدؓ کو بھیج ابو عبیدہؓ کو بھیج طارقؒ کو بھیج محمد قاسم کو بھیج الغرض کسی ایسی ہستی کو بھیج جو ان انسانی درندوں سے مسلمان شہید کا انتقام لے سکے۔

اس کے آنسو جاری ہوگئے اور وہ دیر تک وہاں کھڑا روتا رہا یاد کرتا رہا کہ وہ اپنے نواسے کا ہاتھ پکڑ کر اس مسجد میں نماز پڑھنے آیا کرتا تھا اس کا نواسہ دوڑ کر اس کے لئے پانی لایا کرتا تھا دونوں پاس پاس بیٹھ کر وضو کیا کرتے تھے اور پاس پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے آج اس کا نواسہ نہایت بے رحمی سے مار ڈالا گیا تھا اور مسجد جلادی گئی تھی۔

اس کا دل امڈا چلا آرہا تھا اور وہ رو رہا تھا خدا جانے اور کون کونسی باتیں اسے یاد آرہی تھیں روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی...... لیکن اس نے ضبط کیا اور آنسو پونچھ کر آگے بڑھا وہ جس طرف سے بھی گزرا اس نے مسلمانوں کے گھروں کو خاک کیے ڈھیر پایا مسلمانوں کی لاشیں گلی کوچوں میں بڑی بے قراری کے ساتھ بڑی عیسائیوں کی وحشیانہ سفاکی کی داستان سنا رہی

تھیں۔ جب وہ کسی مسلمان کی لاش کے پاس سے تو اس کا دل ہل جاتا اور وہ آنسوؤں کے چند قطرے ٹپکا کر آگے بڑھ جاتا غرض وہ بڑی دیر میں قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔

کچھ عیسائی دروازے پر موجود تھے لیکن وہ شراب پی کر مست ہو رہے تھے طیب ان کے اس نے نہایت خاموشی اور ہوشیاری سے گزر گیا چونکہ وہ اپنے لباس پر عیسائی سپاہیوں کا لباس پہنے تھا اس لئے کسی عیسائی نے اسے نہ ٹوکا اور وہ دروازے سے باہر نکل آیا۔

اس نے باہر نکل کر حسرت بھری نظروں سے اس قلعہ کو دیکھا جہاں اس کی زندگی کے خوشگوار ایام بسر ہوئے تھے اور جس جگہ اس کی مسرت کی دنیا تاراج ہوگئی تھی۔

وہ کھڑا ہوا دیکھتا رہا اور روتا رہا کچھ دیر کے بعد اس نے کہا اے وہ جگہ جہاں میری مسرت کی دنیا بنی اور بن کر اجڑ گئی الوداع! وہ قونیہ کی طرف چل پڑا شاید اس لئے کہ اپنی بیٹی کے شوہر کو گھر کی بربادی کا حال سنا دے وہ چلتا رہا جس قدر اس کی طاقت اسے اجازت دیتی رہی۔ بلکہ اپنی طاقت سے زیادہ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے اتنی دور نکل جائے کہ عیسائی درندے اس کے پاس تک نہ پہنچ سکیں لیکن آدھی رات کے بعد وہ تھک کر چور ہو گیا اور جب اس سے بالکل بھی نہ چلا گیا تو راستہ سے ایک طرف ہٹ کر درختوں کے جھنڈ میں پڑ گیا پڑتے ہی اس پر ضعف طاری ہو گیا آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

ایک تو وہ بیمار تھا دوسرے بڈھا تھا تیسرے گھر کی بربادی نے طاقت سلب کر لی تھی چوتھے سفر کرتا رہا تھا ان تمام حوادث نے اسے نیم مردہ کر دیا تھا اور وہ غفلت کے عالم میں پڑا رہ گیا تھا۔

جب اسے ہوش آیا تو آفتاب نکل آیا تھا وہ کلمہ پڑھ کر اٹھا ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر پھر چل پڑا۔

کچھ دور چل کر پہاڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور وہ درہ میں گھس کر سفر کرنے لگا جب بھوک لگتی تو پہاڑی درختوں کے پھل توڑ کر کھا لیتا اور پیاس معلوم ہونے پر کسی چشمہ سے پانی پی لیتا۔

وہ رات اور دن سفر کر رہا تھا چونکہ کمزور زیادہ ہو گیا تھا اس لئے بہت آہستہ آہستہ چلا جاتا تھا تاہم اپنی طاقت سے زیادہ چل رہا تھا جب تھک جاتا کسی چٹان یا پتھر پر پڑ جاتا اور جب ستا لیتا پھر چل پڑتا۔ نماز پابندی کے ساتھ وقت پر پڑھتا تھا۔

ایک روز وہ اس قدر تھک گیا کہ اٹھا نہ گیا ہر چند اٹھنے کی کوشش کی مگر نہ اٹھ سکا وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا آخری وقت آ گیا ہے اور پہاڑی چٹانوں پر ہی اس کا دم ختم ہونے والا ہے۔

اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا مانگی۔ اے پروردگار! جو صدمات مجھ پر سے گزر گئے ان کی وجہ سے میں خود زندہ رہنا نہیں چاہتا لیکن ..... اتنی مہلت دے کہ میں ان زہرہ

گداز واقعات کو کسی مسلمان کے کانوں تک پہنچادوں بس اتنی ہی تمنا ہے اور پھر تو مجھے اس عالم میں بلا لینا جہاں میرے عزیزوں اور اگز روگورو کے مسلمانوں کو بلالیا ہے۔

جب وہ دعا مانگ چکا تو اس پر ضعف کا غلبہ ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر مردہ کی طرح چٹان پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

بیسواں باب

فسانہ غم

عصر کا وقت تھا جب طیّب بے ہوش ہوا تھا اور وہ رات بھر بالکل غفلت کے عالم میں پڑا رہا جب سورج نکلا تب اسے ہوش آیا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اس کے گرد کئی مسلمان بیٹھے تھے۔

سورج بہت کچھ چڑھ آیا تھا اور دھوپ چٹانوں اور پتھروں پر اچھی طرح پھیل گئی تھی۔

طیّب نے سنا ایک مسلمان کہہ رہا تھا بزرگ عیسائی! کیا تم پادری ہو؟

ناظرین بھولے نہ ہوں گے کہ طیّب اپنے لباس پر عیسائی سپاہیوں کے کپڑے پہن رکھے تھے اور چونکہ داڑھی تھی اور علی العموم عیسائی پادری بھی داڑھی رکھتے تھے اس لئے مسلمانوں نے انہیں پادری سمجھا۔

طیّب نے کمزور آواز میں کہا پانی......اس وقت انہیں پیاس معلوم ہو رہی تھی کئی مسلمان دوڑ گئے اور وہ جلدی سے پانی لائے طیّب نے پانی پیا۔ پانی پی کر اس کے حواس درست ہوئے اور بدن میں کچھ توانائی آئی۔

ایک مسلمان نے پھر دریافت کیا مقدس پادری! تم کہاں سے آ رہے ہو؟

طیّب نے کہا میں پادری نہیں ہوں۔

وہی مسلمان: ''اچھا تم عیسائی سپاہی ہو۔''

طیّب: ''نہیں میں وحشی عیسائی بھی نہیں ہوں۔''

وہی مسلمان: ''اور کون ہو تم۔''

طیّب: ''میں ایک مسلمان ہوں۔''

''سارے مسلمانوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا مسلمان ہو تم؟''

طیّب: ''ہاں خدا کے فضل سے میں مسلمان ہوں۔''

وہی مسلمان: ''تم کہاں سے آ رہے ہو۔''

طیّب: ''اگز روگورو سے۔''

وہی مسلمان: ''اور کہاں جانے کا قصد ہے۔؟''

طیّب: ''قونیہ۔''

وہی مسلمان: ''مگر آپ نے یہ عیسائیوں کا لباس کیوں پہن رکھا ہے؟''

طیّب: ''آہ! یہ ایک بڑی جان گداز داستان ہے جو میں کہوں گا۔''

وہی مسلمان: ''اچھا ٹھہریئے! ہمارے قافلہ کے کچھ لوگ پیچھے آ رہے ہیں۔ انہیں آ لینے دیجئے تب سنایئے گا۔''

طیّب: ''تمہارا قافلہ کہاں سے آ رہا ہے۔''

وہی مسلمان: ''قونیہ سے۔''

طیّب: ''اور کہاں جانے کا مقصد ہے۔''

وہی مسلمان: ''اگزروگورو۔''

طیّب: ''تم شاید سوداگر ہو۔''

وہی مسلمان: ''جی ہاں۔''

طیّب: ''کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ؟''

وہی مسلمان: ''پچاس ساٹھ ہیں۔''

طیّب: ''تھوڑے ہیں۔''

وہی مسلمان: ''کیا راستہ میں ڈاکوؤں کا خوف ہے؟''

طیّب: ''راستہ میں نہیں بلکہ اگزروگورو میں۔''

وہی مسلمان: ''تعجب ہے۔''

طیّب: ''ہاں تعجب ہے بدمعاش عیسائی...... اس وقت ایک نوجوان سامنے سے آتا نظر آیا وہ اچھی پوشاک پہنے تھا طیّب اس کی طرف دیکھنے لگا۔

جب وہ ذرا اور قریب آیا تب طیّب نے مسلمانوں سے دریافت کیا کیا یہ نوجوان ہی امیر قافلہ ہے؟

ایک نوجوان نے کہا جی ہاں! یہی امیر التجار محمد ہاشم ہیں۔

ہاشم ہے طیّب نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا اور اٹھنے کا قصد کیا لیکن وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی نہ اٹھ سکا جو مسلمان اس سے باتیں کر رہا تھا اس نے دریافت کیا کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔

طیّب: ''جانتا ہوں! تم سب شاید قونیہ کے رہنے والے ہو۔''

وہی مسلمان: ''جی ہاں!...... کیا آپ اٹھنا چاہتے ہیں۔''
طیّب: ''ہاں...... مجھے اٹھاؤ میں اس نوجوان کو بتاؤں گا کہ...... آہ نہیں کہا جائے گا۔
خونچکاں فسانہ نہیں کہا جائے گا محمد ہاشم جب بالکل ہی پاس آ گیا تب اس نے غور سے طیّب کو دیکھا طیّب کے آنسو جاری ہو گئے تھے محمد ہاشم اسے پہچان کر تیزی سے بڑھا اور اس کے قریب بیٹھ کر بولا۔ ابا! ابا! ابا! تم کہاں؟
طیّب نے کہا بیٹا میں بربادی اور خانہ ویرانی داستان سنانے کے لئے زندہ رہ گیا ہوں۔
محمد ہاشم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بربادی اور خانہ ویرانی۔''
طیّب: ''ہاں''
محمد ہاشم: ''کیا بجلی گری؟''
طیّب: ''ہاں ایسی بجلی جس نے سارے اگز رو گورو کو جلا کر خاک سیہ کر دیا ہے۔''
محمد ہاشم: ''ذرا مفصل سنائیے۔''
طیّب: ''آہ! کس دل سے سناؤں میں ضعیفی میں غم وقلق برداشت کرنے کے لئے زندہ کیوں رہا۔''
محمد ہاشم: ''خدا کے لئے سنائیے کیونکہ میرا اضطراب بڑھا جا رہا ہے۔''
طیّب: ''بیٹا! ایک روز ہم اگز رو گورو کے مسلمان کاروبار میں مصروف تھے کہ دفعتاً غل ہوا عیسائی آ گئے! عیسائی آ گئے تمام مسلمان فصیل پر جا چڑھے لوگوں نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا تو انہیں ٹڈی دل عیسائیوں کا لشکر آتا ہوا نظر آیا۔
میں بیمار تھا مجھے خادموں نے آ کر بتایا میں نے فوراً ان کو لڑنے کے لئے بھیج دیا۔
سننے میں آیا ہے کہ عیسائی اکثریت سے تھے کہ وہ تمام قلعہ کے چاروں طرف پھیل گئے اور چار طرف میدان کے ٹڈی دل لشکر سے لبریز ہو گئے......''
محمد ہاشم: ''مگر اتنے عیسائی آ کہاں سے گئے؟''
طیّب: ''کوئی نہیں جانتا شاید انطاکیہ کے شہنشاہ نے بدعہدی کی اور اس نے دنیا بھر کے تمام عیسائیوں کو جمع کر لیا۔''
محمد ہاشم: ''مجھے اور ہر مسلمان کو اس کی طرف سے یہی اندیشہ تھا۔''
طیّب: ''اور وہ اندیشہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔''
محمد ہاشم: ''اچھا محترم بزرگ پھر کیا ہوا۔''
طیّب: ''قلعہ میں سپاہی صرف سو تھے لیکن تمام مسلمان ان سپاہیوں کی امداد کے لئے جا

پہنچے مگر پھر بھی وہ ایک ہزار سے زیادہ نہ ہو سکے۔''

محمد ہاشم: ''اگزروگورو میں مسلمان ہیں ہی کم۔''

طیّب: ''ان مسلمانوں نے نہایت دلیرانہ طریقہ پر جنگ کی لیکن عیسائیوں کے سیلاب کو نہ روک سکے وہ وحشی درندے قلعہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے چن چن کر ایک ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا۔''

محمد ہاشم اور تمام مسلمان حیرت اور افسوس بھری نظروں سے طیّب کو دیکھتے اور بڑی توجہ سے اگزروگورو کی بربادی کی داستان سن رہے تھے۔

محمد ہاشم نے غم اندوز لہجہ میں کہا۔ تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔

طیّب: ''ہاں! نوجوانوں کو شہید کرنے کے بعد عورتوں بچوں اور بڈھوں کو بھی ختم کر دیا۔''

یہ سن کر مسلمانوں کے چہرے غیظ وغضب سے سرخ ہو گئے محمد ہاشم نے کہا۔

کیا تمام مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا گیا؟

طیّب: ''ہاں! گھروں اور مسجدوں کو بھی جلا دیا گیا۔''

اب مسلمان بے قرار و پریشان ہو گئے ان میں سے چند نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا اور کہا۔

خدایا...... اوخدا...... یہ کیا ہوا؟ یہ ہم نے کیا سنا؟

طیّب اب اگزروگورو میں نہ کوئی مسلمان رہا ہے اور نہ کوئی مسجد باقی رہی ہے۔

محمد ہاشم بت بنا بیٹھا تھا اس کے چہرے سے غم افسوس غصہ کی مخلوط علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں اس نے کہا۔

افسوس! میں یہ ہوش ربا اور روح فرسا داستان سننے کے لئے زندہ ہوں۔

طیّب: ''زندہ ہو اور ابھی اور زندہ رہو۔''

محمد ہاشم: ''کس لئے؟''

طیّب: ''اپنی بیوی اور اپنے بچہ کا انتقام لینے کے لئے۔''

محمد ہاشم: ''کیا میرا عزیز بچہ اور جان سے زیادہ عزیز بیوی بھی مار دیئے گئے؟''

طیّب۔ ہاں!...... اور تمہاری ساس قمر بھی؟

محمد ہاشم کے قلب پر رنج والم کا پہاڑ گر پڑا۔ اس کا دل فرط غم وقلق سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس نے کہا۔

''آہ! اے خدا یہ کیا ہو گیا؟''

طیّب: ''انہوں نے مجھے بھی تو اپنے خیال میں مار ڈالا تھا لیکن مجھ بے حیا کی زندگی تھی جو بچ گیا گویا یہ غم بھری داستان سنانے کے لئے زندہ رہا۔''

رفتہ رفتہ محمد ہاشم کے دل سے غم والم کے بادل چھٹنے لگے اور اس کے برعکس جوش وغضب کا دریا اُمڈ آیا اور اس نے کہا۔

''خدایا! میرے بازوؤں میں زور وقوت عطا فرما...... اس قدر زور وقوت کہ میں عیسائی وحشیوں سے معصوم مسلمانوں کا انتقام لے سکوں۔''

طیّب اور تمام مسلمانوں نے آمین کہی۔ محمد ہاشم نے طیّب سے کہا۔ ''عموی جان! میں آپ کے ساتھ چند آدمیوں کو کئے دیتا ہوں اور آپ قونیہ چلے جائیں۔''

طیّب: ''اور تم بیٹا؟''

محمد ہاشم: ''میں باقی جانبازوں کو ساتھ لے کر اگزروگورو جاؤں گا اور بے رحم وسفاک عیسائیوں سے لڑوں گا۔''

طیّب: ''جوش وغضب میں آ کر ہوش وحواس نہ کھو بیٹھو۔ اگر عیسائی دس بارہ ہزار ہوتے تو کیا ایک ہزار مسلمان ان کا صفایا نہ کر ڈالتے۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں نے پندرہ ہزار سے بھی زیادہ عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔''

محمد ہاشم: ''آپ کو کچھ معلوم ہوا تھا کہ کس قدر عیسائی تھے؟''

طیّب: ''ساٹھ ستر ہزار بتائے جاتے تھے۔''

محمد ہاشم: ''کچھ پرواہ نہیں۔ خدا مدد کرے گا۔ کیا حضرت خالدؓ ساٹھ آدمیوں کو ساتھ لے کر ساٹھ ہزار عیسائیوں سے نہیں لڑے تھے؟''

طیّب: ''وہ لڑے تھے مگر بیٹا! دانش مندی سے کام لو۔''

محمد ہاشم: ''کیا کروں؟''

طیّب: ''تم قونیہ واپس چلو اور سلطان قزل ارسلان سے تمام واقعہ کہہ کر ان کے لشکر کے ساتھ آؤ اور پھر عیسائی درندوں سے انتقام لو۔''

محمد ہاشم: ''لیکن میری رگوں میں جوش وغضب سے خون کھول رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اسی وقت جا کر ان وحشیوں کو ختم کر ڈالوں یا خود شہید ہو جاؤں۔''

طیّب: ''بیٹا! اگر کسی چٹان کو سر مار کر اسے توڑنا چاہو تو اس کا ٹوٹنا ناممکن ہے لیکن اگر تدبیر سے توڑو تو نہایت آسانی کے ساتھ توڑی جاسکتی ہے۔''

محمد ہاشم: ''تو کیا اتنا عرصہ میں صبر کروں۔''

طیب: ''ہاں صبر کرو۔''

محمد ہاشم: ''آہ! کیسے صبر کروں گا میں؟''

طیب: ''دل میں انتقام کا جذبہ پیدا کرو۔ یہ جذبہ خود ہی صبر وشکر کرنے پر مجبور کر دے گا۔''

ایک مسلمان نے محمد ہاشم سے کہا۔'' اگر آپ جنگ کے لئے چلنا چاہتے ہیں تو ہم سب آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کی پرواہ نہیں کہ دشمنوں کو ماریں گے یا خود ہی مر جائیں گے لیکن مصلحت یہی ہے کہ سلطان کو اس روح فرسا واقعہ سے مطلع کر کے اسلامی لشکر کے ہمراہ آئیں اور عیسائی بھیڑیوں سے انتقام لیں۔''

محمد ہاشم کچھ سوچنے لگا۔ طیب نے کہا۔'' خدا فرماتا ہے کہ جان بوجھ کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

تمہارے ساتھ لشکر نہیں ہے۔ لڑنے والے سپاہی نہیں ہیں۔ محض سوداگر ہیں اگر تم انہیں لے کر لڑنے چلے جاؤ گے تو خدا کے حکم کی نافرمانی ہوگی اس لئے تم قونیہ چلو یہی بہتر ہے۔''

محمد ہاشم نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔'' جبر کروں گا۔ صبر کروں گا۔ اچھا چلئے قونیہ ہی چلتے ہیں۔''

وہ طیب کو اُٹھوا کر اپنی قیام گاہ پر لے گیا اور اسے گھوڑے پر سوار کر کے اور خود بھی معہ اپنے سپاہیوں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر قونیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆

اکیسواں باب

سلطان قزل ارسلان

محمد ہاشم کو غم بھی تھا اور غصہ بھی۔ انتقام کا جوش بھی تھا نیز اسلامی جذبہ بھی۔ چاہتا تو وہ یہ تھا کہ وہ جو لوگ اس کے ساتھ ہیں انہیں ہی لے جا کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان سب کو قتل کر ڈالے یا خود ختم ہو جائے لیکن وہ طیّب کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتا تھا اس لئے اس کے اور دوسرے مسلمانوں کے کہنے سننے سے قونیہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اب اس کی تمنا تھی کہ جلد سے جلد قونیہ پہنچ جائے لیکن طیّب بیمار تھا۔ زخمی تھا۔ اس میں زیادہ سفر کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے وہ اسی قدر سفر کرتا تھا جسقدر طیّب کی طاقت اجازت دیتی تھی۔

راستہ میں طیّب نے اپنے بچ آنے اور محمد ہاشم تک پہنچ جانے کے بھی تمام واقعات سنا دیئے تھے۔ اگرچہ غم و قلق سے اس کا سینہ پھٹا جاتا تھا لیکن وہ صبر و تحمل سے کام لے رہا تھا اور محمد ہاشم کو بھی صبر کرنے کی تلقین کرتا جاتا تھا۔ تمام مسلمانوں کو بھی سخت غم و افسوس تھا۔ اس زمانہ کے مسلمان ایسے تھے کہ جب سنتے تھے کہ کسی جگہ پر مسلمانوں پر غیر مسلموں نے چڑھائی کر کے انہیں اذیت دی ہے تو وہ بے چین ہو جاتے تھے اور فوراً انتقام لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور جب تک انتقام نہ لے لیتے تھے آرام سے نہ بیٹھتے تھے۔

ایک آج کل کے مسلمان ہیں کہ انہیں عام مسلمانوں کی تکالیف کا تو کیا قریب ترین عزیزوں کے بھی مصائب کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ان کے سامنے ان کے بھائیوں پر ظلم و ستم کئے جاتے ہیں وہ آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں مگر ان کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی اور جذبہ اسلامی جوش میں نہیں آتا۔

شاید وہ اسلام کی اس تعلیم کو بھول چکے ہیں۔ ترجمہ: ''یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔''

اگر وہ اس بات کو بھول نہ گئے ہوتے تو مسلمانوں کی تکلیفوں کا ضرور بالضرور احساس کرتے۔ چونکہ ہم اسلام کی تعلیم سے روگردانی کرنے لگے ہیں اس لئے خدا نے ہم کو دنیا ہی میں سزا دینا شروع کر دی ہے اور ہم ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب ہماری ساری دنیا میں دھاک تھی اور ہر ایک ملک کا فرمانروا ہم سے

کانپتا تھا۔ دولت، ثروت اور عزت وحشمت ہمارے قدموں سے لگی پھرتی تھیں۔ آج ہم ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ جب تک ہم اسلام کی تعلیم پر عمل نہ کرنے لگیں گے اس وقت تک اسی طرح سے ذلیل اور قعر مذلت میں گرتے چلے جائیں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سچے اور پکے مسلمان بن جائیں۔ اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے لگیں۔ پھر دنیا و جہان میں ہماری شہرت ہو جائے گی۔ الغرض محمد ہاشم طیّب اور ان کے ساتھ والے مسلمانوں کو بڑا رنج وقلق تھا اور وہ حتی الامکان نہایت تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ بالآخر وہ قونیہ کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ چونکہ اب طیّب کی طبیعت بھی کچھ رو بہ اصلاح ہوتی چلی جا رہی تھی اس لئے وہ تیز قدمی سے چلنے لگے تھے۔

ایک روز وہ ایک ایسے سرسبز و شاداب جنگل میں سے گزرے جو کہ چراگاہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس میں ہر قسم کے چرندے اور پرندے بہ کثرت رہتے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں چند شاہی سواروں کو دیکھا۔ وہ گھوڑے دوڑائے کسی ہرن کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

محمد ہاشم نے بھی اپنا گھوڑا ان کی طرف چھوڑ دیا جب شاہی سواروں نے اسے اپنی طرف دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنی اپنی جگہ پر رک گئے۔ محمد ہاشم نے ان کے قریب جا کر سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر دریافت کیا۔

''کیا آپ ہم سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں؟''

محمد ہاشم: ''جی ہاں!''

ایک سوار: ''کیا؟''

محمد ہاشم: ''اعلیٰحضرت سلطان المسلمین اس وقت کہاں ہیں؟''

وہی سوار: ''قریب ہی ہیں ان سامنے والے درختوں کی قطار کی دوسری طرف۔''

محمد ہاشم: ''آپ کا شکریہ''

وہی سوار: ''آپ کے کچھ پریشان وحزیں آثار معلوم ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔؟''

محمد ہاشم: ''آپ شکار کھیلئے آپ کو اس سے کیا؟''

وہی سوار: ''شکار...... اب ہم پر شکار کھیلنا حرام ہو گیا ہے۔ بتایئے کیا بات ہے؟''

محمد ہاشم: ''اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ آیئے۔ حضور سلطان کے سامنے تمام واقعات عرض کروں گا۔''

وہی سوار: ''چلئے۔''

یہ شاہی سوار پانچ تھے۔ انہوں نے شکار کھیلنا ملتوی کر دیا اور محمد ہاشم کے ساتھ چل پڑے۔

محمد ہاشم انہیں ہمراہ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان کے ساتھ ان درختوں کی قطاروں کی طرف چلا۔ جس طرف شاہی سوار نے سلطان کو بتایا تھا۔

یہ درخت کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھے۔ وہ بہت جلد وہاں پہنچ گئے اور ان درختوں کو عبور کر کے ایک ایسے نشیبی میدان میں پہنچے جس میں چھوٹی چھوٹی ہری اور ملائم گھاس کھڑی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ سلطان قزل ارسلان ایک زین پوش پر بیٹھا تھا اور اس سے ذرا فاصلے پر کئی معزز لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک غالب تھا اور دوسرا ایک بالکل ہی نوعمر اور خوبرو جوان تھا جس کی مسیں ابھی بھیگنی شروع ہوئی تھیں۔

اس کا نام منصور تھا۔ یہی وہ وزیر اعظم کا بیٹا تھا جس کے ساتھ غالب کی ہمشیرہ کی منگنی ہوئی تھی۔

ان دونوں میں سے الگ ایک ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا تھا اس کا نام غیاث الدین تھا اور یہی قونیہ کا وزیر اعظم اور منصور کا باپ تھا۔

محمد ہاشم اور تمام مسلمان سلطان کو دیکھتے ہی گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور انہوں نے بڑھ کر سلطان کو سلام کیا۔

سلطان نے سلام کا جواب دے کر محمد ہاشم سے کہا۔ ''نوجوان سوداگر! کیا تم اگزروگورو نہیں گئے؟''

محمد ہاشم: ''میں روانہ ہو گیا تھا لیکن ....''

قزل ارسلان: ''لیکن کسی ضرورت سے واپس لوٹ آئے۔''

محمد ہاشم: ''جی ہاں!''

قزل ارسلان: ''کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

محمد ہاشم: ''اعلیٰ حضرت کو ایک جانکاہ اطلاع دینے آیا ہوں۔''

قزل ارسلان نے حیران ہو کر اسے دیکھتے ہوئے حیرت زدہ لہجہ میں کہا۔ ''جانکاہ اطلاع دینے؟''

محمد ہاشم: ''جی ہاں!''

قزل ارسلان: ''کیا؟''

محمد ہاشم: ''عیسائی بھیڑیوں نے اگزروگورو کے تمام مسلمانوں کو شہید کر ڈالا ہے۔''

قزل ارسلان اس طرح سے چونک پڑا جیسے اس کے سینے میں سینکڑوں بچھوؤں نے ڈنگ مارا ہو۔ اس نے کہا۔ ''تمام مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔''

محمد ہاشم: ”جی ہاں! مردوں، عورتوں اور بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔“
قزل ارسلان نے بصد افسوس و تاسف کے انداز سے کہا۔ ”آہ! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔“
محمد ہاشم: ”وحشی عیسائیوں نے مسلمانوں کے گھروں، مسجدوں اور قرآن شریفوں تک کو جلا کر خاک کر ڈالا۔“

قزل ارسلان جوش و غضب سے بھر کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دریافت کیا۔ ”بے رحم ظالموں نے یہ سفا کی کب کی۔“
محمد ہاشم: ”ابھی چند روز ہوئے۔“
قزل ارسلان: ”تم کو کیسے معلوم ہوا؟“
محمد ہاشم: ”اگز روگورو سے صرف ایک (طیّب کی طرف اشارہ کر کے) یہ باقی بچے ہیں۔ انہوں نے تمام واقعہ بیان کیا ہے“
قزل ارسلان نے طیّب سے استفسار فرمایا۔ ”محترم بزرگ عیسائی! تم کیسے آ گئے۔“
طیّب: ”حضور! یہ خدا ہی کو خبر ہے۔“
قزل ارسلان: ”تم رومی عیسائیوں کو پہچانتے ہو۔ کیا وہ رومی تھے۔ قسطنطنیہ یا اس کے نواح کے رہنے والے۔“
طیّب: ”نہیں حضور! وہ غالباً یورپ کے رہنے والے تھے۔“
قزل ارسلان: ”تعجب ہے۔“
طیّب: ”سخت تعجب ہے حضور!“
قل ارسلان” کتنے لوگ ہیں۔“
طیّب: ”مجھے معلوم ہوا تھا کہ ساٹھ ستر ہزار ہیں۔“
قزل ارسلان: ”انہوں نے قلعہ کیسے فتح کر لیا؟“
طیّب نے تمام روداد سنا دی۔ اس وقت سلطان کے قریب غیاث الدین، منصور، غالب اور دوسرے لوگ بھی آ کھڑے ہوئے تھے اور وہ سب بھی طیّب کی دل گداز داستان سن رہے تھے۔ قزل ارسلان عیسائیوں کی بربرانہ سفا کی اور وحشیانہ درندگی کی داستان سن کر سخت غضبناک ہو گیا۔

اس نے جوش میں آ کر کہا۔ ”میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یا تو بے رحم اور سفاک عیسائیوں سے مجبور و بے بس مسلمان شہیدوں کا انتقام لوں گا یا اسی جدوجہد میں خود بھی شہید ہو جاؤں گا۔“

سب سلطان کا منہ دیکھنے لگے۔ سلطان نے کہا۔ ''غالب''
غالب ایک قدم آگے بڑھا اور سر جھکا کر بولا۔ ''پیرومرشد''
قزل ارسلان: ''تم آج ہی قونیہ پہنچ کر لشکر کو تیاری کا حکم دو۔''
غالب: ''بہتر ہے۔''
قزل ارسلان: ''اور وزیر اعظم ......''
غیاث الدین: ''اعلیٰ حضرت''
قزل ارسلان: ''تم آج قونیہ واپس پہنچتے ہی رسد کا انتظام کرو اور سامان حرب اور رسد وغیرہ فوراً روانہ کر دو۔''
غیاث الدین: ''بہت اچھا حضور!''
قزل ارسلان: ''اور تم منصور!''
منصور: ''عالم پناہ!''
قزل ارسلان: ''تم مجاہدوں کو جمع کرو۔ مجاہدین تمہاری سرکردگی میں جائیں گے۔''
منصور: ''بہت بہتر حضور!''
قزل ارسلان: ''یہ تمام انتظامات دو چار روز میں ہی پایہ تکمیل تک پہنچ جانے چاہئیں۔''
غیاث الدین: ''ایسا ہی ہوگا حضور!''
قزل ارسلان: ''جب تک میں معصوم مسلمان شہداء کا وحشی عیسائیوں سے انتقام نہ لے لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ شاید بزدل اور مکار عیسائیوں نے سمجھ لیا ہے کہ مسلمانوں کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ قزل ارسلان مسلمانوں کا محافظ اور ان کا حمایتی ہے۔''
غالب: ''اور حضور کے خانہ زاد جان توڑ کر لڑیں گے اور یہ ثابت کر دیں گے کہ مسلمان شیر ہیں۔ شیروں کی اولاد ہیں، انہیں چھیڑنا موت کو دعوت دینا ہے۔''
قزل ارسلان: ''میں یہی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگزروگورو اور منسیا دونوں قلعوں پر حملے کئے گئے ہوں گے خدا کرے منسیا میں خیریت ہو اور وہاں کے مسلمان عافیت سے ہوں۔''
سب نے آمین کہی۔
قزل ارسلان: ''شکار بند کرو اور فوراً واپس چلو۔''
غیاث الدین: ''بہتر ہے۔''
سلطان اور سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اب واپسی کا بگل بجا۔ چاروں طرف سے

شاہی سوار دوڑ دوڑ کر آنے لگے۔تھوڑی ہی دیر میں تقریباً پانچ سو سوار جمع ہو گئے۔سلطان انہیں اور محمد ہاشم اور اس کے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر قونیہ کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆☆

بائیسواں باب

حسین واعظہ

حنا اپنے والد الیاس سے اجازت لیکر الزہرہ کے پاس ہی رہنے لگی جیسی کہ وہ شوخ تھی ایسی ہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی الزہرہ تھی۔ دونوں کی طبیعتیں یکساں تھیں۔خوب گھل مل کر رہنے لگی تھیں۔الزہرہ جس قدر شوخ تھی اسی قدر نیک طبیعت بھی تھی اور ایسی خوش اخلاق کہ جو کوئی بھی اس سے ایک مرتبہ باتیں کر لیتا تھا اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔خصوصاً اس کی ہم سن لڑکیاں جو اس سے ملنے آتی تھیں وہ نہایت خوش ہو کر جاتی تھیں۔ نیز خود اس کی بھی یہی خواہش رہتی تھی کہ کوئی اس سے ناخوش نہ ہو۔ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش اخلاقی کی بڑی تعریف کی ہے۔آپؐ نے فرمایا ہے کہ اچھے اخلاق والے ہی جنت میں داخل ہوں گے چنانچہ آنحضرت صلعم کا اخلاق تو بڑھا ہوا تھا ہی لیکن رسول زادیوں اور اُمہات المومنینؓ (مومنوں کی مائیں'' آنحضرت صلعم کی تمام بیگمیں بھی نہایت خوش اخلاق تھیں میں بھی ان کی تعظیم کرتی ہوں۔حنا اس کی ایسی گرویدہ ہوگئی تھی کہ ہروقت سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اس کے ساتھ ہی رہتی تھی۔نہیں چاہتی تھی کہ ایک دم بھی اس سے الگ ہو۔

وہ الزہرہ کی والدہ صفیہ کی ایسی ہی عزت کرتی تھی۔جیسی کہ الزہرہ کرتی تھی اور صفیہ بھی اسے الزہرہ ہی کے برابر سمجھتی تھی۔ حنا جب اپنے باپ الیاس سے ملتی تھی تو الزہرہ اور اس کی والدہ کی بڑی تعریفیں کرتی تھیں اور اکثر اس سے باتوں باتوں میں کہہ بھی دیا کرتی تھی کہ وہ اب ان کے پاس سے کبھی بھی جانا نہیں چاہتی۔

ادھر غالب، الیاس اور اس کے ساتھیوں کی اس درجہ مدارت کرتا تھا کہ وہ سب کے سب مداح ہو گئے تھے اور اس سے محبت کرتے تھے۔اور صرف غالب ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان انہیں غالب کا مہمان سمجھ کر ان کی عزت خدمت اور تواضع کرنے لگا تھا۔

الیاس خود اور اس کے تمام ساتھی یہودی تھے۔ وہ مسلمانوں کی خوش اخلاقی کے قائل ہو گئے تھے۔ان کے دل میں مسلمانوں کا احترام بڑھ گیا تھا اور ان سے محبت بھی کرنے لگے تھے۔ ایک روز حنا الزہرہ کے پاس بیٹھی تھی۔ الزہرہ اس سے کہہ رہی تھی کہ۔ بھائی جان کہہ رہے تھے''

حنا نے مسکرا کر کہا۔'' کون سے بھائی جان۔''

الزہرہ نے تیکھی چتون سے حنا کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔'' گویا میرے بہت سے بھائی جان ہیں۔''

حنا:'' اب یہ تو مجھے خبر نہیں۔''

الزہرہ:'' پھر تم نے کون سے بھائی جان سے کہا؟''

حنا:'' اکثر باہر میاں غالب سے جو ملنے آتے ہیں وہ بہن الزہرہ کہا کرتے ہیں۔''

الزہرہ:'' اور وہ ٹھیک کہتے ہیں۔''

حنا:'' کیسے؟''

الزہرہ:'' مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ان کی بہنیں تمام مسلمانوں کی بہنیں ہیں۔''

حنا:'' کیا اچھا طریقہ ہے تمہارے یہاں۔''

الزہرہ:'' مسلمان اپنی ہم عمر لڑکیوں کو بہنیں اور عورتوں کو امی جان کہا کرتے ہیں۔''

حنا:'' اور مردوں کو؟''

الزہرہ: عمو جان۔''

الزہرہ:'' جی ہاں!''

حنا:'' کس قدر مہذب ہو تم لوگ۔''

الزہرہ:'' یہ سب تعلیم اسلام کا اثر ہے۔''

حنا:'' بے شک! ہاں بھائی جان کیا کہہ رہے تھے؟''

الزہرہ'' بس کچھ نہیں۔''

حنا:'' کیا خفا ہو گئیں۔''

الزہرہ:'' بھلا میں اور تم سے خفا ہو سکتی ہوں۔''

حنا:'' تو پھر کہہ ڈالو۔''

الزہرہ:'' کیا؟''

حنا:'' جو کچھ کہہ رہی تھیں۔''

الزہرہ:'' کچھ خیال نہیں رہا۔''

حنا:'' مگر تمہاری شوخ نگاہیں کہہ رہی ہیں کہ تم ......''

الزہرہ:'' جھوٹ بول رہی ہوں۔''

حنا:'' یہ کہنے کی تو میں جرات نہیں کر سکتی۔''

الزہرہ: ''کیوں؟''

حنا: ''اس لئے کہ خوف ہے کہ کہیں تم ناخوش نہ ہو جاؤ۔''

الزہرہ: ''کیا میں تم سے ناخوش ہو سکتی ہوں۔''

حنا: ''اب اس کی تو مجھے خبر نہیں۔''

الزہرہ: ''حنا! میں حقیقت میں شوخ تھی۔ بہت زیادہ شوخ اس لئے سب میری ناز برداری کرتی تھیں مگر جب سے تم آئی ہو میری شوخی جاتی رہی ہے اور اب میں تمہاری ناز برداری کرنے لگی ہوں۔''

حنا: ''تمہارا شکریہ۔''

الزہرہ: ''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے خوف رہتا ہے کہ کہیں کسی بات پر ناخوش ہو کر چلی جاؤ۔''

حنا: ''تمہیں چھوڑ کر میں کہاں جا سکتی ہوں۔''

الزہرہ: ''کیا اعتبار ہے تمہارا۔''

حنا: ''اعتبار کیوں نہیں ہے۔''

الزہرہ: ''باہر نکلنے اور مردوں سے آنکھیں چار کرنیوالی عورتیں اور لڑکیوں کے اطوار کچھ اور ہی ہوتے ہیں وہ قابل اعتبار ہی نہیں رہتیں۔''

حنا: 'مگر میں ان میں سے نہیں ہوں۔''

الزہرہ: ''اچھا تم باہر ہی کیوں نکلتی ہو؟''

حنا: ''کچھ عادت سی پڑ گئی ہے۔''

الزہرہ: ''کیا یہ اچھا ہے کہ تم مردوں اور مرد تم کو دیکھیں۔''

حنا: ''کیا برائی ہے اس میں۔''

الزہرہ: ''بہت سی برائیاں ہیں نہ ساری عورتوں کی طبیعتیں یکساں ہیں نہ سارے مردوں کی۔ بدنظر عورتیں بھی ہوتی ہیں اور مرد بھی اگر وہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں تو شاید دنیا میں کوئی۔''

حنا: ''گویا تمہاری رائے میں مردوں اور عورتوں کا ایک جگہ رہنا ہی فتنہ وفساد کا موجب ہے!!!''

الزہرہ: ''ہاں! زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے۔''

حنا: ''اور کمتر!''

الزہرہ: ''دولت، سلطنت اور عورت یہ تین چیزیں فساد کی جڑ ہیں۔''

حنا: ''تم شاید اسی لئے پردہ میں رہتی ہو۔''

الزہرہ: ''ہم کو تو خدائے پاک نے پردہ میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ پروردگار نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ 'اے خواتین اسلام تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زینت نہ دکھاتی پھرو' مگر میں تم سے دریافت کرتی ہوں کہ خوشبو کیسی چیز ہے۔

حنا: ''نہایت اچھی ہر شخص اسے پسند کرتا ہے۔''

الزہرہ: ''لیکن کبھی تم نے خوشبو کو دیکھا ہے؟''

حنا: ''کبھی نہیں۔''

الزہرہ: ''وہ لطیف چیز ہے۔ اس لئے قدرت نے اسے پوشیدہ رکھا ہے۔ اسی طرح عورتیں بھی جنس لطیف ہیں اور انہیں بھی پردہ میں رہنا چاہئے۔''

حنا: ''خوب وعظ کرنا آتا ہے تمہیں تو...... حسین واعظہ میں بھی تو اب کم باہر نکلتی ہوں۔ ہر وقت تمہارے ہی پاس بیٹھی رہتی ہوں۔''

الزہرہ: ''مگر جی تو چاہتا ہے تمہارا باہر نکلنے کو۔''

حنا: ''تمہیں چھوڑ کر کہیں بھی جانے کو جی نہیں چاہتا۔''

الزہرہ: ''جب تو تمہارا شکریہ۔''

حنا: ''ہاں! آپ کے بھائی جان کیا کہہ رہے تھے۔''

الزہرہ: ''وہ کہتے تھے کہ کسی پادری نے تم پر کوئی اثر ڈال رکھا ہے۔''

حنا: ''ہاں! اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک ہے۔''

الزہرہ: ''اور تم اس چمک سے ڈر جاتی تھیں!!!''

حنا: ''نہیں بلکہ میں اپنے حواس میں نہ رہتی تھی۔''

الزہرہ: ''عجیب بات ہے یہ تو۔''

حنا: ''اب بھی مجھے جب کبھی اس کا خیال آتا ہے تو دل کانپنے لگتا ہے۔''

الزہرہ: ''شاید اس کی آنکھوں میں کوئی مقناطیسی کشش ہوگی۔''

حنا: ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

الزہرہ: ''تم اب بیت المقدس میں نہ جانا۔''

حنا: ''کیوں؟''

الزہرہ: ''اس لئے کہ کہیں وہ پادری پھر............''

حنا: ''اب میرے ابا کا ارادہ یہیں کاروبار شروع کرنے کا ہے۔''
الزہرہ: ''مگر............''
حنا: ''کیا؟''
الزہرہ: ''میں تم کو اپنے پاس سے کبھی نہ جانے دوں گی۔''
حنا: ''میں خود ہی کبھی نہ جاؤں گی لیکن............''
الزہرہ: ''لیکن کیا؟''
حنا: ''خیر سے جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو تم وزیر اعظم کے محل میں چلی جاؤ گی۔''
الزہرہ: ''تم بھی وہیں چلنا۔''
حنا: ''گویا تمہارے ساتھ لگی پھروں گی۔''
الزہرہ: ''کیا ہرج ہے اس میں؟''
حنا: ''اور تمہارے وہ کیا کہیں گے؟''
الزہرہ نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ...... کیا بلا ہے۔''
حنا: ''جن کے ساتھ تم منسوب ہو۔؟''
الزہرہ: ''وہ تو بڑے اچھی آدمی ہیں۔ تمہاری بہت خاطر کریں گے مگر''
حنا: ''مگر کیا؟''
الزہرہ: ''شاید بھائی جان تم کو نہ جانے دیں۔''
حنا: ''کیوں؟''
الزہرہ: ''اس لئے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ لائے بھی ہیں۔''
حنا: ''مجھے کب لائے ہیں وہ اپنے ساتھ۔''
الزہرہ: ''وہی تو کہہ کر آئے تھے۔''
حنا: ''لیکن وہ منع کیوں کریں گے۔''
الزہرہ: ''اس لئے کہ انہیں گوارا نہیں ہے کہ تم کہیں آؤ جاؤ۔''
حنا: ''مگر وہ مجھ سے باتیں تو کرتے ہی نہیں۔''
الزہرہ: ''تم خود باتیں کر لیا کرو۔''
حنا: ''چاہے وہ نہ بولیں۔''
الزہرہ: ''جب تم بولو گی تو انہیں لازماً بولنا پڑے گا۔''
حنا: ''میں ہی کیوں بولوں گی ان سے۔''

الزہرہ: ''گویا تم ان سے ناراض ہو۔''

حنا: ''نہیں شاید وہ مجھ سے ناراض ہیں۔''

الزہرہ: ''اچھا آج میں پوچھوں گی ان سے۔''

حنا: ''نہیں تم کچھ نہ پوچھنا۔''

الزہرہ: ''کیوں؟''

حنا: ''وہ آپ پوچھیں گے۔''

الزہرہ: ''جب تو تم ضرور ان سے ناراض ہو۔''

حنا: ''نہیں وہی ناراض ہیں۔''

الزہرہ: ''اچھا آج میں تم دونوں میں صلح کرا دوں گی۔''

حنا: ''لیکن جب وہ صلح کرنے کے لئے کہیں گے تب؟''

الزہرہ: ''اور اگر وہ نہ کہیں۔''

حنا: ''تب تم..........''

الزہرہ: ''ابھی اس کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ غالب آ گیا۔ دونوں سیم تن لڑکیاں اسے دیکھ کر اس کی تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ الزہرہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی لیکن جب اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو کچھ غصہ، کچھ افسوس اور کچھ پریشانی کی علامتیں نظر آئیں اور وہ یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گئی۔

☆☆☆☆

تیئسواں باب

جوش انتقام

غالب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے الزہرہ اور حنا کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یہ دونوں بھی بیٹھ گئیں۔ الزہرہ نے کہا۔ ''بھائی جان! کیا مجھ سے کچھ خفا ہو گئے ہو؟''

غالب نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''نہیں! تم نے کیسے جانا۔''

الزہرہ: ''بتاؤں گی اچھا حنا سے کچھ ناخوش ہو۔''

غالب چونک پڑا۔ اس نے کہا۔ ''میں حنا سے ناخوش کیوں ہوتا۔

الزہرہ: ''انہیں کا یہی خیال ہے۔''

غالب: ''کس وجہ سے یہ خیال ہوا انہیں۔''

الزہرہ: ''یہ تو میں نے نہیں پوچھا۔ (حنا سے) ہاں بتاؤ حنا! تم نے کیسے سمجھا کہ بھائی جان تم

سے ناخوش ہیں۔"
حنا نے شرمیلی نظروں سے غالب کو دیکھ کر الزہرہ سے کہا۔" میں نے تو نہیں کہا کہ آپ ناخوش ہیں!!"
الزہرہ:" تو گویا میں اپنی طرف سے کہہ رہی ہوں۔"
حنا:" تم نے ہی تو یہ تذکرہ شروع کیا تھا۔"
الزہرہ:" اچھا تو تم بھائی جان سے ناخوش نہیں ہو۔"
حنا:" ناخوشی کی کوئی وجہ تو ہے نہیں۔"
الزہرہ:" مگر ہو ناخوش۔"
غالب:" یہی بات معلوم ہوتی ہے۔"
الزہرہ:" تو پوچھئے ان سے کیوں ناخوش ہیں یہ۔"
غالب:" بتاؤ حنا! کس وجہ سے ناخوش ہو تم۔"
حنا:" کیسے سمجھا آپ نے۔"
غالب:" تمہاری گفتگو سے۔"
حنا:" مجھے گفتگو کرنا ہی کہاں آتی ہے۔"
الزہرہ ہنس پڑی اور اس نے کہا۔ بیچاری ننھی منی ہیں۔ انہیں باتیں کرنا کہاں آتی ہیں۔ حنا شرما گئی۔ غالب نے کہا۔" الزہرہ! تو نے اُنہیں شرما دیا۔"
الزہرہ:" لیجئے میں نے کیا کہا؟"
غالب:" تو ہنس کیوں پڑی۔"
الزہرہ:" یہ بات ہے تو ان سے کہہ دیجئے کہ یہ ہنسنے والی بات ہی نہ کہا کریں۔"
غالب:" انہوں نے بات ہی کیا کی۔"
الزہرہ:" اب آپ تو ان کی طرفداری کرتے ہیں اور یہ......"
حنا مسکرا رہی تھی۔ غالب نے کہا۔" اور یہ کیا کہتی ہیں۔"
الزہرہ:" بس ان سے ہی پوچھ لیں آپ۔"
غالب:" کچھ انہوں نے کہا تھا؟"
الزہرہ:" جی ہاں!"
غالب:" کیا؟"
الزہرہ:" یہی کہ میں آپ کی اور اُن کی صلح کرا دوں۔"

غالب: ''گویا لڑائی ہو رہی ہے۔''

الزہرہ: ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

غالب: ''کیوں حنا۔''

حنا: ''جی ہاں! یہ ایسا ہی سمجھتی ہیں۔''

الزہرہ: ''اب مجھے دلوں کا حال تو معلوم نہیں ہے۔''

حنا: ''دلوں کا حال کیسا؟''

الزہرہ: ''یہی کہ ظاہر داری میں ایک دوسرے سے ناخوش ہو۔ اس وقت صفیہ آ گئی اور یہ سب خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ صفیہ آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ یہ سب بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ صفیہ نے کہا۔'' غالب! یہ اگز رو گورو کا کیا واقعہ ہے؟''

غالب نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔'' امی جان! اگز رو گورو کے تمام مسلمان تہ تیغ کر ڈالے گئے۔'' الزہرہ چونک پڑی اور اس نے کہا۔'' کس نے مار ڈالا انہیں۔''

غالب: ''عیسائیوں نے۔''

الزہرہ: ''کیا قسطنطنیہ والوں نے حملہ کر دیا۔''

غالب: ''نہیں! بلکہ یورپ والوں نے۔''

الزہرہ: ''کس وجہ سے؟''

غالب: ''معلوم ہوا ہے کہ بیت المقدس کے فتح کرنے کا بہانہ کر کے آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کہ فلسطین، مصر اور شام سے مسلمانوں کو نکال دیں۔''

الزہرہ: ''اور انہوں نے اگز رو گورو کے مسلمان سپاہیوں کو مار ڈالا۔''

غالب: ''نہ صرف سپاہیوں کو بلکہ تمام مردوں، ساری عورتوں اور تمام بچوں کو۔''

الزہرہ کے چہرے سے غم و حسرت کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس نے کہا۔'' آہ! یہ کیسی رُوح فرسا خبر سنی۔''

غالب: ''بے رحم اور سفاک مسیحیوں نے بڑی بیدردی کے ساتھ ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر ڈالا۔ ان کے مکانات جلا دیئے۔ مسجدوں کو آگ لگا دی۔''

الزہرہ کانپ گئی۔ اس نے کہا۔'' آہ! کس قدر وحشیانہ مظالم کئے ہیں کیا اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے یہ واقعہ نہیں سنا۔''

غالب: ''سن لیا۔ وہ نہایت غمزدہ اور بہت زیادہ بے قرار ہو گئے ہیں اور انہوں نے جوش اور غصہ میں آ کر لشکر کشی کا حکم دیدیا ہے۔''

الزہرہ: ''خدا کا شکر ہے کہ اگز روگوو کے مسلم مردوں، عورتوں اور بچوں کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں کے بچہ بچہ کو تیار ہو جانا چاہئے۔''

غالب: ''شہر اور مضافات میں منادی کرا دی گئی ہے جہاد کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ لوگ مجاہدین کے زمرہ میں بھرتی ہونے لگے ہیں۔''

الزہرہ: ''کیا محض مرد ہی جہاد پر جائیں گے۔''

غالب: ''فی الحال تو مرد ہی جہاد پر جا رہے ہیں۔''

الزہرہ: ''کیا عورتوں کے دل اور دلوں میں احساسات نہیں ہیں بھائی جان!''

غالب: ''ہیں۔''

الزہرہ: ''کیا مردوں سے زیادہ عورتوں کو اس سانحہ عظیم کا رنج نہ ہوا ہوگا۔''

غالب: ''میں سمجھتا ہوں کہ مرد اور عورتیں تو درکنار بچوں پر بھی گہرا اثر ہوا ہے۔''

الزہرہ: ''پھر عورتیں کیوں نہ جہاد کرنے چلیں۔''

غالب: ''ابھی سلطان نے عورتوں کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا ہے۔''

الزہرہ: ''میں سلطان کی خدمت میں عرضداشت بھیجوں گی۔''

غالب: ''تنہا تمہاری عرضداشت سے کیا ہوگا۔''

الزہرہ: ''پھر کیا کروں؟''

غالب: ''بہت سی عورتیں اگر درخواست کریں تو شاید سلطان اجازت دیدیں۔''

الزہرہ: ''میں عورتوں کا جلسہ کر کے درخواست بھیجوں گی۔''

غالب: ''ہاں! یہ تدبیر مناسب ہے۔''

صفیہ: ''عورتوں نے انفرادی طور پر جدوجہد شروع کر دی ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھنے والی عورتیں اس واقعہ کو سن کر نہایت بے قرار اور غضبناک ہو گئی ہیں اور انہوں نے عرضداشتیں بھیجنا شروع کر دی ہیں۔''

غالب: ''مجھے اس کا علم ہے۔''

الزہرہ: ''اچھا بھائی جان! تم میری درخواست تو لے ہی جاؤ۔''

غالب: ''لیجاؤں گا۔''

الزہرہ بیٹھ کر درخواست لکھنے لگی۔ حنا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ شوخ لڑکی جس کی ہر بات ظرافت سے خالی نہ ہوتی تھی اور جسے وہ محض ہنس مکھ دوشیزہ اور ناز و نعم میں پلی ہوئی لڑکی سمجھ رہی تھی۔ مسلمانوں کی تاراجی کی خبر سن کر مضطرب اور غمزدہ و غضبناک ہو گئی تھی۔ اس کے چہرہ

سے ایسا غیظ وغضب ظاہر ہونے لگا تھا کہ اس کے جوشیلے چہرہ کی طرف دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ قومی جوش کا یہ عالم دیکھ کر حنا کو بڑا تعجب اور رشک ہوا۔ الزہرہ نے درخواست لکھی اور غالب کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ لیجئے۔" صفیہ نے کہا۔ "زہرہ میرے بھی تو دستخط کرا لے۔"

الزہرہ "کیا آپ بھی میدان جنگ میں چلیں گی امی جان!"

صفیہ: "کیوں نہ چلوں گی۔"

الزہرہ: "آپ ضعیف ہیں۔"

صفیہ: "میرا دل ضعیف نہیں ہے۔ میرے سینہ میں آتش انتقام دہکنے لگی ہے۔ جب تک میں اپنے ضعیف اور کمزور بازوؤں سے عیسائیوں کے بھیجے نہ توڑ ڈالوں گی مجھے آرام نہ آئے گا۔ آہ! بیدرد وحشیوں نے مردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں کو بھی مار ڈالا ہے۔ رہ رہ کر میرے دل میں جوش کا دریا امڈ رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اڑ کر چلی جاؤں اور ان سفاکوں سے لڑوں یا تو شہید ہو جاؤں یا ان سب کو قتل کر ڈالوں۔"

صفیہ کا چہرہ جوش وغضب سے تمتمانے لگا تھا۔ حنا دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ الزہرہ نے درخواست صفیہ کو دیدی۔ صفیہ نے دستخط کر کے غالب کو دیتے ہوئے کہا۔ "میرے بچے! اس درخواست کو سلطان کے حضور میں پیش کر کے میری طرف سے زبانی بھی عرض کر دینا کہ غم و غصہ نے ہماری حالتوں کو خراب کر دیا ہے اگر انہوں نے ہمیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہ دی تو شاید ہمارے سینے وفور رنج وغم سے پھٹ جائیں۔"

غالب: "میں عرض کر دوں گا۔"

صفیہ: "اور بیٹا تم کب جاؤ گے؟"

غالب: "میں نے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیدیا ہے۔ وزیراعظم نے آلات حرب اور سامان رسد بھیجنا شروع کر دیا ہے اور بھائی منصور مجاہدین کی تنظیم کرنے لگے ہیں بہت جلد لشکر روانہ ہونے شروع ہو جائیں گے۔

صفیہ نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "خدا کرے کہ جلد ان بھیڑیوں کی سرکوبی کے لئے مسلمان چل پڑیں۔"

غالب: "میرے خیال میں کل یا پرسوں سے لشکر روانہ ہونے شروع ہو جائیں گے۔"

صفیہ: "کس قدر سفاکی کی ہے ظالموں نے۔"

غالب: "ہر مسلمان کے دل میں انتقام کی تڑپ اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔"

صفیہ: "ہونا ہی چاہئے۔ جس کو مسلمانوں کی مصیبت کا خیال نہیں وہ مسلمان ہی نہیں۔"

غالب: ''یہی بات ہے اچھا اب میں سلطان کے حضور میں باریاب ہونے کے لئے جارہا ہوں۔''

صفیہ: ''جاؤ اور سلطان کو آمادہ کرو کہ وہ جلد سے جلد لشکر بھیجیں۔''

غالب: ''انہیں خود خیال ہے سب سے زیادہ بیقرار وہی ہیں۔''

صفیہ: ''ہونا ہی چاہئے خدا نے انہیں مسلمانوں کا سلطان بنایا ہے اور مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کے وہی محافظ ہیں۔''

غالب: ''بے شک!''

الزہرہ: ''لیکن بھائی جان! انہیں آمادہ کیجئے اگر عورتوں کو نہیں تو لڑکیوں کو ضرور جہاد پر جانے کی اجازت دیدیں۔''

صفیہ: ''نہیں لڑکیوں کو بھی اور عورتوں کو بھی۔''

غالب: ''میں کوشش ضرور کروں گا۔''

اب غالب اٹھا اور صفیہ کو سلام کر کے چلا گیا۔ الزہرہ اور صفیہ اگزروگورو کے واقعات پر تبصرہ کرنے لگیں۔ حنا خاموش بیٹھ کر سننے لگی۔

☆☆☆☆

چوبیسواں باب

بھولی باتیں

اگزروگورو کے خونچکاں واقعات کا علم قونیہ کے بچہ بچہ کو ہوگیا تھا۔ مسلمانوں کے دلوں میں جوش وغضب کا طوفان اُمڈ آیا تھا۔ ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچہ جہاد پر جانے کے لئے تیار نظر آتا تھا۔ شہر کے گلی گلی، کوچہ کوچہ اور گھر گھر میں یہی تذکرہ تھا۔ مسلمانوں پر اس حادثہ جانکاہ کا اس قدر اثر ہوا کہ ان ایام میں دو شادیاں ہونے والی تھیں وہ ملتوی کر دی گئیں تھیں اور وہ تمام تقریبیں بھی روک دی گئی تھیں اور اب صرف ایک ہی تذکرہ رہ گیا تھا اور وہ اگزروگورو کے مسلمانوں کی شہادت کا تھا۔

بچوں نے سن لیا تھا کہ اسلامی لشکر سلطان کی قیادت میں انتقام لینے کے لئے روانہ ہونے والا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انہیں بھی ساتھ لے جایا جائے گا اور وہ بھی میدان جنگ میں جا کر لڑیں گے۔ بچے اپنی چھوٹی چھوٹی تلواریں روزانہ صاف کر رہے تھے۔ اُنہوں نے ہر قسم کے کھیل کود چھوڑ دیئے تھے۔ یا تلواریں صاف کرتے رہتے تھے اور یا لڑائی پر جانے کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

بچوں کے جوش کا اندازہ اس واقعہ سے ہی لگا لیجئے۔ شام کے وقت چند لڑکے ایک کوچہ میں تلواریں لئے کھڑے تھے اور بھولے بھالے انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان سب کی عمریں دس سے لیکر تیرہ سال تک تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا عیسائیوں نے بچوں کو بھی تو مار ڈالا ہے۔

دوسرا: ''کیوں کیا بچے مسلمان نہیں تھے۔''

تیسرا: ''مسلمان ہونے ہی کی وجہ سے تو وہ مارے گئے۔''

چوتھا: ''چپ چپ مارے نہیں گئے شہید ہو گئے۔''

تیسرا: ''ہاں غلطی ہو گئی مجھ سے وہ تو شہید ہی ہوئے ہیں۔''

پانچواں: ''شہید ہونے والے تو سیدھے جنت میں چلے جاتے ہیں۔''

پہلا: ''اور وہ جنت میں پھر رہے ہوں گے۔''

دوسرا: ''ہاں! اپنے ماں باپ کے ساتھ۔''

تیسرا: ''اور انہوں نے اللہ میاں کو بھی دیکھ لیا ہوگا۔''

چوتھا: ''اور ان سے اللہ میاں بڑے خوش ہوں گے۔''

پانچواں: ''یار جنت کیسی ہوگی۔''

پہلا: ''تم کل نماز پڑھتے ہی بھاگ آئے نا۔''

پانچواں: ''کیوں میرے آنے کے بعد کیا ہوا تھا وہاں۔''

پہلا: ''مولوی صاحب نے وعظ بیان فرمایا تھا۔''

پانچواں: ''مجھے خبر نہ ہوئی۔''

پہلا: ''انہوں نے فرمایا تھا کہ جنت اس دنیا سے بہت اچھی ہے۔''

پانچواں: ''اچھی تو ہوگی ہی جس جگہ اللہ میاں رہتے ہیں وہ اچھی نہ ہوگی۔''

پہلا: '' وہ فرما رہے تھے ۔ بڑے اچھے باغات ہیں۔ ہر قسم کے میوے اور شراب کی نہریں...........''

دوسرا: ''توبہ توبہ! شراب جنت میں ایسی بری چیز نہیں ہو سکتی۔''

تیسرا: '' ہاں ! جنت میں شراب کا کیا کام۔ جو دنیا میں شراب پیتا ہے وہ جنت میں بھی داخل نہ ہوگا۔''

پہلا: ''مگر وہ شراب کیسی ہے۔''

دوسرا: ''کیسی؟''

پہلا: ''دودھ کی طرح سفید اور شہد کی طرح میٹھی۔''

تیسرا: ''شراب ایسی نہیں ہوتی۔''

چوتھا: ''شراب نہیں وہ کوثر کا پانی ہوگا۔''

پہلا: ''ہاں! کوثر کا پانی ہی تو۔''

دوسرا: ''اسے شراب نہ کہو۔ شراب تو بہت بری چیز ہے۔''

پانچواں: ''سنا ہے کہ جنت والے جس میوہ کی خواہش کریں گے وہ انہیں کھانے کے لئے مل جائے گا۔''

پہلا: ''کیوں نہیں ملے گا اور وہ میوے کن کے واسطے ہیں؟''

دوسرا: ''یار اگزروگورو کے مسلمان بچے جو شہید ہو گئے ہیں وہ جنت میں پہنچ گئے ہوں گے۔''

تیسرا: ''اور کیا وہاں کھیلتے پھر رہے ہوں گے۔''

چوتھا: ''میرا جی چاہتا ہے کہ میں شہید ہو کر جنت میں پہنچ جاؤں۔''

پانچواں: ''مگر میرے ابا کہہ رہے تھے کہ جنت کا راستہ تلواروں کے سائے میں سے ہے۔''

پہلا: ''کیا جنت میں بھی تلواریں ہوں گی؟''

دوسرا: ''نہیں! میں نے اپنے چچا جان سے پوچھا تھا وہ کہتے تھے کہ جنت میں تکلیف دینے والی کوئی چیز نہ ہوگی۔''

تیسرا: ''سنا ہے کہ وہاں کوئی بیماری نہ ہوگی۔''

پانچواں: ''بھلا جنت میں بیماری کا کیا کام؟''

پہلا: ''وہاں بڑے اچھے اچھے باغ بڑے اچھے اچھے محل اور بڑے اچھے اچھے کپڑے ہوں گے۔''

دوسرا: ''اور زیورات بھی تو پہننے کو ملیں گے۔''

تیسرا: ''سونے چاندی کے تخت ہوں گے۔ ریشمیں مسندیں ہوں گی۔ اچھے اچھے گاؤ تکیے ہوں گے اور جنتی سہارا لئے بیٹھے ہوں گے۔''

چوتھا: ''اور وہاں خدمت کرنیوالے بھی تو ہوں گے۔''

پہلا: ''بھائی! میں تو کسی سے خدمت کرانے کا نہیں۔''

دوسرا: ''جب وہاں خادم ہوں گے تو خدمت کیوں نہ کراؤ گے۔''

پہلا: ''مجھے یہاں بھی اپنا کام کسی سے کراتے شرم آتی ہے۔ وہاں بھی آئیگی۔''

تیسرا: ''ہاں! آدمی کو اپنا کام خود کرنا چاہئے۔''

چوتھا: ''خیر کام چاہے خود کرو مگر خادم ہر ایک کو ملیں گے۔''

پہلا: ''تو میں تو اللہ میاں سے یہ کہوں گا کہ تم نے اچھا کیا جو عیسائیوں کو دنیا میں بھیجا۔''

دوسرا: ''اگر اللہ میاں نے پوچھا کہ کیوں اچھا کیا؟ تو کیا جواب دو گے۔''

پہلا: ''کہوں گا کہ وہ مسلمانوں سے لڑے انہوں۔ نے ہم جیسے بچوں کو بھی شہید کیا اور ہم جنت میں آ گئے۔''

دوسرا: ''لیکن اللہ میاں یہ بھی تو پوچھے گا کہ تم بھی لڑے تھے یا نہیں۔''

پہلا: ''اور میں لڑنے کا نہیں؟ میں اپنی تلوار کس لئے صاف کر رہا ہوں۔''

تیسرا: ''ہم سب لڑیں گے۔''

پہلا: ''اور بغیر لڑے تو جنت میں جانے کا مزہ بھی نہیں۔''

دوسرا: ''یہی بات ہے۔''

تیسرا: ''ابا جان کہہ رہے تھے کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے وہ مرتا بھی ہے۔''

چوتھا: ''اگر انسان نہ مرتے تو ان کے لئے رہنے کی جگہ کہاں سے آتی۔''

پانچواں: ''اللہ میاں اور بہت دنیائیں بنا دیتے۔''

چوتھا: ''بنا تو دیتے مگر پھر جنت اور دوزخ کیوں بنائے جاتے۔''

پہلا: ''ٹھیک ہے برے آدمی جو شراب پیتے ہیں۔ جوا کھیلتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے۔ دوسروں کو ستاتے ہیں۔ قتل کرتے ہیں یا چوری کرتے ہیں وہ سب دوزخ ہی میں تو جائیں گے۔''

دوسرا: ''اور کیا۔''

تیسرا: ''یار جب آدمی کو مرنا ضروری ہے تو بیمار ہو کر مرنے سے لڑ کر مر جانا اچھا ہے۔''

پہلا: ''بہت ہی اچھا ہے۔ بیمار تو بہت دنوں میں گھل گھل کر مرتا ہے جیسے کہ میری نانی کئی مہینے بیمار رہ کر مری اور لڑائی میں تو ادھر تلوار لگی ادھر آدمی مرا۔''

دوسرا: ''بس ایسی ہی موت اچھی ہے ادھر تلوار لگی اور ادھر مرے اور داخل جنت ہو گئے۔''

تیسرا: ''ہاں یار! ایسی موت اچھی ہے۔''

پانچواں: ''لو اب میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔''

سب نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا؟''

پانچواں: ''یہ جو ابا جان کہہ رہے تھے کہ جنت کا راستہ تلوار کے سائے میں ہے تو جو کوئی لڑ کر شہید ہو جائے وہ جنت میں جائے گا بس یہی تلوار کا سایہ ہے۔''

پہلا: ''خوب سمجھا تم نے! یہی بات معلوم ہوتی ہے۔''

دوسرا: ''میں نے تو اپنی تلوار خوب صاف کر لی ہے۔ ایسی کہ اگر کسی کی ڈھال پر پڑے تو ڈھال کے ٹکڑے ہو جائیں۔''

تیسرا: ''میری تلوار بھی ایسی ہی ہو گئی ہے۔''

پہلا: ''ہماری سب کی تلواریں بھی ایسی ہی صاف ہیں۔''

دوسرا: ''میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں بھاگ کر اگزروگورو پہنچ جاؤں اور وہاں جا کر عیسائیوں سے خوب لڑوں۔''

تیسرا: ''اور میرا بھی، میں تو تلوار چھپا کر چپکے چپکے جاؤں گا اور ان کے پاس جاتے ہی تلوار کھینچ کر جلدی جلدی حملے کروں گا۔''

چوتھا: ''مگر میں تو دور ہی سے تلوار چمکاتا جاؤں گا اور اس زور سے لڑوں گا کہ تمام عیسائیوں کو بھگا دوں گا۔''

پانچویں نے سوکھا منہ بنا کر کہا۔ ''اگر وہ بھاگ گئے تو پھر ہم لڑیں گے کس سے۔''

پہلا: ''ہاں یار! بھگانا مت انہیں! ہمیں اپنے بھائیوں کا انتقام بھی تو لینا ہے ان سے۔''

چوتھا: ''جب تو میں بھی تلوار چھپا کر لے جاؤں گا۔''

پہلا: ''ہاں اور نہیں تو عیسائی دیکھ کر بھاگ جائیں گے۔''

دوسرا: ''مگر ہم بھاگنے ہی کیوں دیں گے ہم بھی انہیں مارتے کاٹتے ان کے پیچھے بھاگ پڑیں گے۔''

تیسرا: ''مگر وہ تو بڑے ہوں گے، تیز بھاگ کر ہم سے دور نکل جائیں گے۔''

پانچواں: ''ہاں یار! ایسی تدبیر کرنا کہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔''

چوتھا: ''تدبیر تو میں بتاؤں۔''

پہلا: ''بتاؤ۔''

چوتھا: ''ہم ان کے چاروں طرف پھیل جائیں گے اور پھر بھاگیں گے کہاں کو اور کیسے؟''

پہلا: ''بالکل ٹھیک ہے ہم جاتے ہی انہیں گھیر لیں گے۔''

دوسرا: ''اچھا یار! اگر ہم لڑتے لڑتے شہید ہو گئے؟''

تیسرا: ''تو سیدھے جنت میں ہی پہنچ جائیں گے۔''

دوسرا: ''مگر جنت تو بہت بڑی ہو گی ہم وہاں آپس میں ملیں گے کیسے۔''

چوتھا: ''اللہ میاں سے کہیں گے کہ وہ ہم سب کو ایک جگہ کر دیں۔''

دوسرا: ''ٹھیک ہے ہم تم بھی اور اگز رو گورو کے جو بچے شہید ہو گئے ہیں وہ بھی۔''

پانچواں: ''ہاں! انہیں ضرور اپنے ساتھ رکھنا چاہئے۔''

پہلا: ''ہم ان کا ہی تو انتقام لینے کے لئے جا رہے ہیں۔ ان سے جنت میں مل کر بتا دیں گے کہ ہم نے کتنے کتنے عیسائیوں کو قتل کیا ہے۔''

دوسرا: ''مگر جب تو ہمیں عیسائیوں کو قتل کر کر کے گنتے رہنا چاہئے۔''

تیسرا: ''اور کیا گنتے تو رہیں گے ہی۔''

چوتھا: ''لیکن یارو! اگر سلطان نے ہمیں جانے کی اجازت نہ دی تب؟''

پانچواں: ''تب تو بہت برا ہوگا۔''

پہلا: ''اور جب تو ہماری یہ تلواریں یونہی رہ جائیں گی۔''

تیسرا: ''مگر ہم اعلیٰ حضرت سے ضد کریں گے۔''

چوتھا: ''لیکن اگر پھر بھی نہ مانے۔''

پانچواں: ''تب ہم لشکر کے آگے لیٹ جائیں گے اور جب تک سلطان ہمیں ساتھ لے چلنے کا وعدہ نہ کر لیں پڑے ہی رہیں گے۔''

پہلا: ''بس ٹھیک ہے۔''

دوسرا: ''اچھا! اب نعرے لگاؤ۔ نعرہ تکبیر۔''

سب نے بلند آواز سے کہا۔ ''اللہ اکبر!'' وہ سب نعرے لگاتے ہوئے چلے۔

☆☆☆☆

پچیسواں باب

اعلان جہاد

بیگناہ اگز رو گورو کے مسلم شہداء کا خون رنگ لانیوالا معلوم ہوتا تھا کیونکہ قونیہ اور اس کے مضافات کے مسلمانوں میں اس قدر جوش پیدا ہو چکا تھا کہ سلطان قزل ارسلان کو یہ احتمال پیدا ہو گیا تھا کہ جوش و غضب میں آ کر کہیں مسلمان قونیہ کے عیسائیوں پر ہی حملہ نہ کر دیں۔ قونیہ میں مسلمانوں کے علاوہ عیسائی اور یہودی دونوں قومیں آباد تھیں۔ اور نہایت فارغ البالی اور عیش و آرام سے دن گزار رہی تھیں۔ مسلمانوں کا جوش و خروش دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کو خود بھی یہی اندیشہ ہو گیا تھا کہ مسلمان کہیں ان پر اچانک حملہ کر کے ان کا خاتمہ نہ کر ڈالیں۔ اس لئے وہ گھبرا رہے تھے۔ سہم رہے تھے اور ان عیسائیوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے جنہوں نے اگز رو گورو کے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیے تھے۔ وہ اپنی عافیت اور سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

قزل ارسلان نے اپنی تمام قلمرو میں منادی کرادی تھی کہ جو عیسائی اسلامی سلطنت میں آباد ہیں ان کا تعلق ان عیسائیوں سے مطلق نہیں ہے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا ہے اور یہ عیسائی مسلمانوں کی امان میں ہیں۔ انہیں کسی قسم کی کوئی ایذا نہ دی جائے نہ انہیں ستایا جائے بلکہ ان کی کماحقہ حفاظت کی جائے۔ اس بروقت اعلان نے عیسائیوں کو بچالیا، ورنہ حقیقت میں مسلمان ان پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے۔ اس اعلان کو سنکر عیسائی سلطان کے بہت زیادہ شکر گزار ہوئے اور اب انہوں نے اطمینان کا دم لیا۔ اگر چہ سلطانی حکم کا احترام کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے دست انتقام دراز نہ کیا مگر وہ عیسائیوں کو نہایت نفرت سے دیکھنے لگے۔ قزل ارسلان کو یہ شبہ تھا کہ کہیں اگزرو گور سے عیسائی منسیا کی طرف بڑھ کر وہاں بھی ایسا ہی حشر برپا نہ کردیں جیسا کہ اگزرو گورو میں کیا ہے۔ اس لئے وہ جلد سے جلد لشکر کو سرحد پر بھیجنا چاہتا تھا اور اس کے متعلق انتظامات کر رہا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یورپ سے کتنے عیسائی کس عزم و ارادہ سے آئے ہیں اور کہاں کہاں پھیل چکے ہیں۔ مضافات سے روزانہ مجاہدین کے گروہ پر گروہ آرہے تھے اور چونکہ یہ مجاہدین منصور کی سرکردگی میں جانے والے تھے۔ اس لئے وہ انہیں ٹھہرا اور ان کے لئے جملہ انتظامات کر رہا تھا۔ سامان رسد اور حرب کی گاڑیاں تھوڑے تھوڑے فوجی دستوں کے ہمراہ روانہ ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ نوجوان غالب قزل ارسلان کا سپہ سالار اعظم تھا وہ لشکر کی تنظیم کر رہا تھا اور جلد سے جلد میدان کارزار میں جانے والا تھا چونکہ خود قزل ارسلان نے بھی جہاد پر جانے کا ارادہ کر لیا تھا اس لئے قریب قریب مسلمانوں کا ہر فرد مرد وعورت اور ہر بچہ لڑائی پر جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ مجاہدین کے گروہ قونیہ کے باہر ٹھہرائے گئے تھے اور ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ ایک دن غالب قزل ارسلان کے حضور میں پہنچا۔ ارسلطان اس وقت اپنے خاص کمرہ میں متفکر اور پریشان بیٹھا تھا۔ جب سے اُسے اگزرو گورو کے جانکاہ حادثہ کا علم ہوا تھا اس وقت سے وہ سخت مغموم اور پریشان رہتا تھا۔ اس نے آرام وراحت کو ترک کر دیا تھا وہ ایک سادہ سے معمولی قالین پر بیٹھا تھا۔ غالب اسے سلام کر کے اس کے سامنے مؤدب بیٹھ گیا۔ سلطان نے غمزدہ نظریں اٹھا کر غالب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے نوجوان سپہ سالار! مجھے افسوس ہے کہ میرے عہد میں میری سلطنت کے اندر اور مسلمانوں پر ایسا سخت ظلم ہوا۔''

غالب: ''مگر حضور یہ مشیت ایزدی تھی اور اس میں کیا چارہ ہے۔''

قزل ارسلان: ''میں سوچتا ہوں کہ قیامت کے دن بیگناہ مسلمانوں کے متعلق داور محشر کو کیا جواب دوں گا۔''

غالب: ''خدا علیم وبصیر ہے۔ وہ خود جانتا اور دیکھتا ہے کہ آپ کی اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔''
قزل ارسلان: ''میری غلطی! سچ پوچھو تو میں ہی ان کا قاتل ہوں۔''
غالب: ''کیسے؟''
قزل ارسلان: ''میں ان کی حفاظت سے غافل ہو گیا۔''
غالب: ''یہ محض قسطنطنیہ کے بادشاہ الکزیوس کے وعدہ پر اعتماد کرنے کی وجہ سے ہوا۔''
قزل ارسلان: ''اگرچہ وجہ یہی ہے لیکن یہ عذر لنگ ہے۔''
غالب: ''کیوں؟''
قزل ارسلان: ''اس لئے کہ ایسے دشمن پر جو قومی منافرت رکھتا ہو اعتماد کرنا بڑی سادہ لوحی تھا۔ خدا کبھی میری اس غلطی کو معاف نہ کرے گا۔''
یہ کہتے کہتے سلطان بہت زیادہ آزردہ ہو گیا۔ غالب نے کہا۔ ''مگر اب تو آپ انتقام لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔''
قزل ارسلان: ''اس سے کیا ہوتا ہے جو مسلمان شہید ہو گئے ہیں میں ان کو تو زندہ کرنیکی قدرت نہیں رکھتا۔ جو مسجدیں جلا دی گئیں ان کی بےحرمتی کا تو ذمہ دار ہوں۔''
غالب: ''لیکن اگر آپ نے انتقام لے لیا۔''
قزل ارسلان: ''ان باتوں سے میرے دل کی تسکین نہیں ہوتی۔''
غالب: ''گویا حضور نے لشکرکشی کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے۔''
قزل ارسلان نے حیرت بھری نظروں سے غالب کو دیکھ کر دریافت کیا۔ ''یہ کس بات سے سمجھا تم نے۔''
غالب: ''حضور کی گفتگو سے۔''
قزل ارسلان: ''نہیں! تم نے سمجھنے میں غلطی کی ہے اگر میں انتقام لینے کے لئے جنگ نہ کروں تو دنیا و آخرت دونوں میں روسیاہ ہو جاؤں گا۔ میرے عزیز میرے دل کو اگر کوئی چیز تسلی دے سکتی ہے تو وہ انتقام ہی ہے۔''
غالب: ''حضور کے دل کو بھی اور عوام الناس کے دلوں کو بھی۔''
قزل ارسلان: ''ہاں! اگرچہ انتقام ایک ایسا خونی لفظ ہے جو دنیا کی سطح سے اس طرح مٹ جانا چاہئے لیکن جہاں یہ خونریزی کا باعث ہوتا ہے وہاں وجہ تسلی بھی بن جاتا ہے۔''
غالب: ''خدا اور اس کی خدائی دیکھ رہے ہیں کہ مجبور ہو کر ہم انتقام لینے پر آمادہ ہوئے ہیں۔''
قزل ارسلان: ''یہی بات ہے کاش عیسائی خود بھی امن سے رہتے اور ہمیں بھی امن سے

رہنے دیتے۔''
غالب: ''لیکن ان درندوں کی تو عادت ہی امن سے رہنے کی نہیں ہے۔''
قزل ارسلان: ''مجھے یہی افسوس ہے۔ سیدنا و مولٰنا حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دومؓ نے ایران کے متعلق فرمایا تھا کہ کاش عرب اور ایران کے درمیان کوئی ایسا پہاڑ حائل ہوتا جسے دونوں میں سے کوئی بھی عبور نہ کرسکتا مگر میں کہتا ہوں کہ کاش عیسائیوں اور مسلمانوں کے بیچ میں یا تو آگ کا سمندر ہوتا یا ایسا عمیق اور عریض غار ہوتا جسے کوئی بھی پار نہ کرسکتا یا کوئی ایسا پہاڑ ہوتا جسے عبور نہ کیا جا سکتا۔''
غالب: ''دراصل دنیا میں جب ہی امن و امان ہوتا جب یا تو عیسائی بالکل ہی نہ ہوتے یا دنیا کے ایسے گوشے میں ہوتے جہاں سے وہ باہر نہ نکل سکتے۔''
قزل ارسلان: ''تو نے سچ کہا ہے ان عیسائیوں کو ''جوع الارض'' کا مرض ہے یہ دنیا بھر کی سلطنتوں کو ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ دولت اور حکومت کی حرص نے ان کو اندھا کر دیا ہے اور وہ آئے دن دنیا بھر میں بدامنی پیدا کرتے اور لڑتے رہتے ہیں۔''
غالب: ''حضور نے سچ فرمایا۔ دولت اور حکومت کی حرص ہی انہیں جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔''
قزل ارسلان: ''خدا کرے کہ میں ان سے اگزروگورو کے معصوم مسلمانوں کا انتقام لے سکوں تا کہ دنیا و آخرت میں کچھ تو سرخروی حاصل کرلوں۔''
غالب: ''آمین۔''
قزل ارسلان: ''تمہارا لشکر بالکل تیار ہو گیا ہے۔''
غالب: ''جی ہاں۔''
قزل ارسلان: ''اور منصور کے مجاہدین۔''
غالب: ''وہ بھی تیار ہو گئے ہیں۔''
قزل ارسلان: ''ایک مشکل آپڑی ہے۔''
غالب: ''کیا حضور؟''
قزل ارسلان: ''مسلم خواتین بھی جنگ پر جانا چاہتی ہیں۔''
غالب: ''جی ہاں خواتین بھی اور بچے بھی۔''
قزل ارسلان: ''مگر یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔''
غالب: ''لیکن اگر عورتوں کو شرکت کی اجازت نہ دی گئی تو انہیں بڑا صدمہ ہوگا۔''
قزل ارسلان: ''میں بھی یہ بات سمجھتا ہوں''

غالب نے اب اپنی بہن اور والدہ کی عرضداشت نکال کر سلطان کو دیتے ہوئے کہا۔'' یہ ایک عرضداشت ہے اسے ملاحظہ فرمایئے۔ سلطان نے لیکر پڑھا اور حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔'' تمہاری والدہ اور ہمشیرہ بھی جانے کے لئے تیار ہیں۔''

غالب:'' جی ہاں!''

قزل ارسلان:'' اور بھی سینکڑوں عرضداشتیں آئی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں یکساں جوش پیدا ہو چکا ہے۔''

غالب:'' یہ صحیح ہے حضور!''

قزل ارسلان:'' یہ جوش مبارک ہے زندہ قوم کی یہی نشانی ہے۔''

غالب:'' بے شک سنا ہے کہ وزیر اعظم کی بیگم بھی جانا چاہتی ہیں۔''

قزل ارسلان:'' ہاں! اس کی درخواست بھی آئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملکہ عالیہ بھی جانا چاہتی ہیں۔''

غالب:'' گویا اس حادثہ نے انہیں بھی متاثر کر دیا ہے۔''

قزل ارسلان:'' بیحد انہوں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے ہیں۔''

غالب:'' بہت سے مرد اور عورتیں روزے رکھ رہے ہیں حضور!''

قزل ارسلان:'' یاد رکھو جو مصیبت میں نماز اور روزہ کی طرف خاص توجہ اور رغبت کرنے لگتے ہیں خدا ان سے خوش ہوتا ہے اور ان کی مصیبت دور کر دیتا ہے۔ لوگوں کی اس عبادت گزاری سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہم پر مہربانی کرنے والا ہے اور ہم سفاک عیسائیوں پر فتحیاب ہوں گے۔''

غالب:'' انشاءاللہ! میں نے اکثر بچوں کو بھی روزہ سے دیکھا ہے۔''

قزل ارسلان: میں کسی کے جذبات کو مجروح کرنا نہیں چاہتا۔ تم اعلان کر دو اس سے تمام قوم خوش ہو جائیگی۔''

قزل ارسلان:'' اب تم بالکل تیار ہو جاؤ۔ پرسوں انشاءاللہ صبح کی نماز پڑھ کر تمام لشکر روانہ ہو جائے گا۔''

غالب:'' بہتر ہے حضور!''

تھوڑی دیر کے بعد غالب اٹھا اور سلام کر کے قصر سے باہر نکلا اور اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆

چھبیسواں باب

خوشخبری

غالب نے اسی وقت قونیہ میں مُناوی کرادی کہ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے عورتوں اور دس سال سے زیادہ عمر والے بچوں کو جہاد پر جانے کی اجازت دے دی ہے اس منادی کو سن کر عورتیں اور بچے خوش ہو گئے اور جلدی جلدی کُوچ کی تیاریاں کرنے لگے جس روز قزل ارسلان نے یہ اجازت دی تھی اسی روز الزہرہ غالب کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی اگرچہ حنا اس کے پاس رہتی تھی مگر اکثر وہ محل کو دیکھنے یا پائیں باغ کی سیر کرنے چلی جاتی تھی لہذا آج بھی وہ سیر کرنے گئی ہوئی تھی اور الزہرہ بیٹھی غالب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی غالب اس سے کہہ کر گیا تھا کہ وہ آج سلطان سے عورتوں کے متعلق اجازت لینے کی سعی کرے گا اس لئے الزہرہ اس کی منتظر تھی اور کچھ سوچ رہی تھی تھوڑی ہی دیر میں حنا آ گئی وہ الزہرہ کے پاس ہی بیٹھ گئی اُس نے کہا۔ ''کیا سوچ رہی ہو الزہرہ؟''

الزہرہ: ''یہی کہ خدا کرے سلطان ہم عورتوں کو بھی جہاد پر جانے کی اجازت دے دیں۔''

حنا: ''اگر سلطان نے اجازت دے بھی دی تو عورتیں کیا کریں گی۔''

الزہرہ: ''تم مُسلم عورتوں اور ان کے کارناموں سے واقف نہیں ہو۔''

حنا نے متعجب ہو کر کہا۔ ''کارنامے۔''

الزہرہ: ''ہاں کارنامے۔''

حنا: ''کیا مُسلم عورتیں پہلے بھی لڑی ہیں؟''

الزہرہ: ''ہاں اکثر لڑتی رہی ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم اس قوم کی اولاد ہیں جس کی عورتیں بھی اس طرح لڑتی ہیں جس طرح مرد۔''

حنا: ''ایک بات تو میں بھی کہہ سکتی ہوں۔''

الزہرہ: ''کیا۔''

حنا: ''مسلمان عورتوں میں بھی ایسا ہی جوش وخروش ہے جیسا مردوں میں۔''

الزہرہ: ''اور بچوں میں بھی۔''

حنا: ''میں نے بچوں کو نہیں دیکھا! اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

الزہرہ: ''اب دیکھ لینا۔''

حنا: ''ایک بات اور بھی دیکھی۔''

الزہرہ: ''کیا؟''

حنا: ''تم نہایت شوخ تھیں مگر چند روز میں بالکل سنجیدہ ہو گئیں۔''

الزہرہ: ''جو صدمہ ہم مسلمانوں کو پہنچا ہے اس نے ہماری زندہ دلی کو دُور کر دیا ہے۔''

حنا: ''تم مسلمانوں میں بڑا اتفاق ہے۔''

الزہرہ: ''ہر مسلمان ساری دُنیا کے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہے۔''

حنا: ''ایسی یگانگت کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتی۔''

الزہرہ: ''ہم مسلمان خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں خدا کا یہ حکم ہے کہ اتفاق سے رہو مل جل کر رہو ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔''

حنا: ''مگر تم جو لڑائی کے خواب دیکھ رہی ہو اس سے پہلے بھی کبھی لڑ چکی ہو۔''

الزہرہ: ''نہیں۔''

حنا: ''جنگ کا خون ریز منظر کبھی دیکھا ہے۔''

الزہرہ: ''کبھی نہیں دیکھا۔''

حنا: ''جب تم نہ جاؤ۔''

الزہرہ: ''کیوں۔''

حنا: ''اس لئے کہ میں نے سُنا ہے کہ جب لڑائی ہوتی ہے اور تلواریں خون بہانے لگتی ہیں لوگ کٹنے لگتے ہیں تو منظر نہایت بھیانک ہو جاتا ہے۔''

الزہرہ: ''ہو جانا ہی چاہیے۔''

حنا: ''میرے والد اکثر لڑائیوں کے واقعات جب سنایا کرتے ہیں تو میں ڈر جاتی ہوں۔''

الزہرہ: ''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔''

حنا: ''سُنا ہے کہ مرنے والوں کے چہرے بگڑ جاتے ہیں ان کی صورتیں دیکھ کر خوف معلوم ہوتا ہے۔''

الزہرہ: ''انہیں جن کے دل کمزور ہوتے ہیں۔''

حنا: ''گویا تمہارا دل بہت زیادہ مضبوط ہے۔''

الزہرہ: ''نہیں بلکہ جوش انتقام نے دل کو مضبوط بنا دیا ہے۔''

حنا: ''اور یہی جوش تم کو میدان جنگ کی طرف کھینچے لئے جا رہا ہے۔''

الزہرہ: ''ہاں۔''

حنا:''مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے اور تمہارے چلے جانے کے بعد......''
الزہرہ:''کیا تم بیت المقدس میں چلی جاؤ گی۔''
حنا:''ہاں۔''
الزہرہ:''نہیں تم یہیں رہنا۔''
حنا:''میں یہاں تنہا رہ کر کیا کروں گی۔''
الزہرہ:''مگر تمہارا بیت المقدس میں جانا تو ٹھیک نہیں ہے۔''
حنا:''کیوں۔''
الزہرہ:''اس لئے کہ وہاں وہ پادری موجود ہوگا جس نے تم پر اثر ڈال رکھا ہے۔''
حنا:''ہونے دو اب میں اس کی طرف دیکھوں گی ہی نہیں۔''
الزہرہ:''مگر وہ تمہاری طرف دیکھے گا۔''
حنا:''میں اُسے اس کا بھی موقعہ نہ دوں گی۔''
الزہرہ:''یہ ہوسکتا ہے مگر جب تم پردہ میں بیٹھ جاؤ تب۔''
حنا:''یہ دشوار ہے یہاں تم تھیں تمہارے پاس دن اور رات گزرتے معلوم نہ ہوتے تھے وہاں تنہا رہوں گی دل کیسے بہلے گا۔''
الزہرہ:''لیکن تم کہیں بھی نہ جاؤ حنا اگر زندگی ہے تو میں واپس بہت جلد آ جاؤں گی۔''
حنا:''شاید والد صاحب بھی یہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھیں۔''
الزہرہ:''انہیں بھائی جان سمجھا دیں گے۔''
حنا:''جب تو شاید ہم رہ سکیں لیکن تمہارے بھائی جان سے کون کہے گا کہ وہ ابا جان کو سمجھا دیں؟''
الزہرہ:''میں کہوں گی انہیں آنے دو آتے ہی کہہ دوں گی۔''
حنا:''مجھے تم سے کچھ محبت ہوگئی ہے کہ تمہارے پاس سے کہیں جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔''
الزہرہ:''اب یہی میری کیفیت ہے۔''
اب غالب آ گیا یہ دونوں اس کی تعظیم کے لئے کھڑی ہوگئیں غالب کرسی پر بیٹھ گیا اور جب یہ دونوں سیم تن لڑکیاں بھی بیٹھ گئیں تب اس نے کہا۔''الزہرہ مبارک اعلیٰ حضرت نے تمہاری درخواست دیکھتے ہی عورتوں کو جہاد پر جانے کا حکم دے دیا۔'' الزہرہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا، خدا کا شکر اور احسان ہے۔
غالب:''ایک خوشخبری اور بھی سن لو۔''

الزہرہ: ''کیا۔''
غالب: ''وزیر اعظم کی بیگم صاحبہ علیہ حضرت ملکہء عالم بھی تشریف لے جائیں گی۔''
الزہرہ: ''میرا پہلے ہی یہ خیال تھا۔''
غالب: ''اب تیاری کرلو تم بھی۔''
الزہرہ: ''میں تو بالکل تیار ہوں بھائی جان۔''
الزہرہ کا چہرہ تیز گلابی ہو گیا آنکھیں فرط مسرت سے چمکنے لگیں اُس نے کہا نہایت اچھی بات ہے۔''
غالب: ''میں نے اس بات کی مُنادی کرادی ہے۔''
الزہرہ: ''اب عورتیں بھی خوش ہو جائیں گی...... بھائی جان۔''
غالب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا کہتی ہے الزہرہ؟'' الزہرہ کے چہرہ سے شوخی کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے کہا تمہاری یہ (حنا کی طرف اشارہ کر کے) جارہی ہیں۔
غالب نے چونک کر کہا کہاں؟
الزہرہ: ''بیت المقدس۔''
غالب: ''لیکن میرے خیال میں انہیں وہاں نہ جانا چاہیے۔''
الزہرہ: ''میں نے کہا تھا......''
غالب: ''لیکن یہ نہیں مانتیں۔''
الزہرہ: ''نہیں بلکہ یہ کہتی ہیں کہ اگر ان کے والد کو سمجھایا جائے۔''
غالب: ''اس کے متعلق میری اُن سے ابھی گفتگو ہوئی تھی۔''
الزہرہ: ''پھر کیا کہا انہوں نے۔''
غالب: ''وہ یہیں رہنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔''
الزہرہ: ''بس تو یہ بھی یہیں رہے گی۔''
غالب: ''دریافت کر لے اُن سے۔''
الزہرہ: ''کہو حنا! بور ہو گی تم۔''
حنا: ''ہاں رہوں گی مگر......''
الزہرہ: ''مگر کیا؟''
حنا: ''یہاں تنہا رہنے سے شاید کچھ طبیعت گھبرائے۔''
غالب: ''تنہا کیوں رہو گی تمہارے والد ہیں اور دوسرے لوگ ہیں۔''

حنا: ''لیکن الزہرہ تو نہ ہوگی۔''

غالب: ''ہاں یہ نہ ہوں گی۔''

الزہرہ: ''اچھا تم میرے ساتھ ہی چلو۔''

غالب: ''نہیں الزہرہ یہ کیسے جاسکیں گی۔''

الزہرہ: ''کیوں نہ جاسکیں گی۔''

غالب: ''یہ یہودی ہیں اور یہودی لڑائی کو پسند نہیں کرتے۔''

الزہرہ: ''اور ہم مسلمان ہی کب پسند کرتے ہیں۔''

غالب: ''مگر ہم تو مجبوری سے لڑنے جارہے ہیں۔''

حنا: ''نہیں میں چلتی لیکن۔''

الزہرہ: ''لیکن کسی وجہ سے مجبور ہو۔''

حنا: ''ہاں۔''

الزہرہ: ''کس وجہ سے؟''

حنا: ''میں اپنے والد کے ساتھ ہوں اوران کے ساتھ ہی کہیں جاسکتی ہوں۔''

الزہرہ: ''تو کیا تمہارے والد کو بھی لے چلیں۔''

حنا: ''وہ نہ جائیں گے کیونکہ انہیں خون ریزی سے سخت نفرت ہے۔''

غالب: ''میں نے انہیں ٹٹولا تھا وہ مصلحتاً جانا نہیں چاہتے۔''

اب صفیہ آ گئی اور سب نے اسے سلام کیا وہ بیٹھ گئی صفیہ نے کہا بیگم صاحبہ وزیراعظم کا پرچہ آیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ سلطان نے عورتوں کو جہاد پر جانے کی اجازت دے دی ہے......

غالب: ''جی ہاں۔''

صفیہ: ''بڑی خوشی ہوئی مجھے اب لشکر کب کوچ کرے گا۔''

غالب: ''پرسوں۔''

صفیہ: ''اچھا بیٹی حنا تُو تو یہیں رہے گی۔''

حنا: ''ہاں۔''

صفیہ: ''مجھے خوف تھا کہیں تم چلی نہ جاؤ بیٹی میں تجھے الزہرہ کی طرح سمجھتی ہوں کہیں تم مجھے دھوکہ نہ دے جانا۔''

حنا: ''میں آپ کی اس شفقت ومحبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔''

صفیہ اٹھ کر چلی گئی حنا نے شرمیلی نظروں سے غالب کو دیکھ کر کہا آپ نے آج تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ کون ہیں۔

غالب: ''حالانکہ میں بتا چکا ہوں کہ میں انسان ہوں۔''

الزہرہ: ''اور میں بھی اس کی شہادت دیتی ہوں۔''

حنا: ''میں دریافت کرتی ہوں کہ آپ کا عہدہ کیا ہے۔''

غالب: ''میں ایک فوجی افسر ہوں۔''

الزہرہ: ''نہیں آپ سپہ سالار ہیں۔''

حنا: ''فوج کے سب سے بڑے افسر.....''

الزہرہ: ''ہاں۔''

حنا: ''ٹھیک ہے اسی لئے آپ کی سلطان تک رسائی ہے۔''

الزہرہ: ''سلطان ان سے محبت کرتے ہیں۔''

ضرور کرتے ہوں گے حنا نے کہا اور مسکرانے لگی الزہرہ اور غالب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆
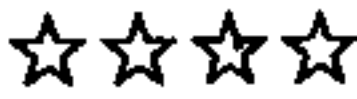
ستائیسواں باب

پر جوش روانگی

چونکہ سلطان نے عورتوں اور بچوں کو بھی جہاد پر جانے کی اجازت دیدی تھی اس لئے مسلمانوں میں ایک عام خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور سب تیاریوں میں مصروف تھے۔ جس شدومد سے مسلمان تیاری کر رہے تھے اس سے پایا جاتا تھا کہ شاید قونیہ میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہے گا، سب اگز رو گورو چلے جائیں گے۔ سلطان نے اس بات کو سمجھ لیا تھا چونکہ شہر کو خالی کر کے چلے جانا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ اس لئے اس نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ دو ہزار فوج قونیہ کی حفاظت کے لئے چھوڑی تھی اور پچاس سال سے زیادہ اور دس سال سے کم عمر والوں کو شہر میں رہ جانے کی ہدایت کر دی تھی۔

باہر سے بھی مجاہدین کی کافی تعداد آ گئی تھی۔

جب کہ قزل ارسلان نے تمام لشکر اور سارے مجاہدوں کا جائزہ لیا تو تیس ہزار باقاعدہ فوج اور عورتوں او بچوں کے علاوہ بیس ہزار مجاہدین تھے۔ گویا تمام لشکر پچاس ہزار ہو گیا تھا اس کے علاوہ تین چار ہزار عورتیں اور دو اڑھائی ہزار بچے بھی تھے۔ لیکن وہ لڑنے والوں کے شمار میں

اس لئے نہ آ سکتے تھے کہ نوجوان مردوں کے برابر ان کی طاقت نہ تھی۔ سچ پوچھو تو سلطان نے محض ان کا جوش دیکھ کر انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ تھی اور بھی کئی مصلحتوں کی بناء پر مثلاً یہ کہ اگر عورتیں اور بچے ساتھ ہوں گے تو مسلمان نہایت جوش وخروش سے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کا خیال کر کے لڑیں گے۔ عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی۔

بچے سامان حرب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر لڑیں گے۔ آلاتِ حرب اور سامانِ رسد جا چکا تھا اب محض لشکر کو کوچ کرنا باقی تھا۔ جس دن اس لشکر کو کوچ کرنا تھا وہ دن بھی آ گیا۔ سلطان نے جمعہ مسجد میں صبح کی نماز پڑھی۔ شہر کے تمام مسلمان بھی اسی مسجد میں آئے تھے۔ اگرچہ مسجد کافی بڑی تھی لیکن اس کثرت سے مسلمان آئے کہ مسجد کا چپہ چپہ بھر گیا اور ہزاروں آدمی مسجد سے باہر ہی رہ گئے۔

نماز سے پہلے ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ جماعت کے بعد تمام لوگ فتح کی دعائیں مانگیں چنانچہ نماز پڑھ کر تمام مسلمانوں نے جن میں معصوم بچے بھی شامل تھے نہایت خلوص، عاجزی اور رجوع قلب سے دعا مانگی۔

بڑے اور بچے سب ہی گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے۔ بعض کے آنسو جاری تھے، بعض سسکیاں بھر رہے تھے اور بعض نعرے لگا رہے تھے۔ دعا کے بعد قزل ارسلان منبر پر آئے تمام لوگ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ سلطان نے کہا۔ ''حمد اور تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کی جس نے اس دنیا اور دوسری دنیاؤں کو پیدا کیا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تنہا ہے اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے نہ کوئی اسے مشورہ دیتا ہے نہ وہ مشورہ کا محتاج ہے۔ وہ رب العالمین یعنی جہانوں کا رب ہے۔ بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ انسانی طاقت سے یہ بات بہت دور ہے کہ اس کی تعریف کر سکے۔

اسی نے اس سعید ہستی کو پیدا کیا جس نے دنیا میں آ کر کفر وضلالت کی تیرگی کو دُور کر دیا۔ شرک کی بنیاد اکھاڑ دی اور مخلوق کا خالق سے رشتہ جوڑا۔ دنیائے جہاں کو یہ بتایا کہ خدا ایک ہے اور اسی کی پرستش کرنا واجب ہے۔ اس سعید ہستی کا نام رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپؐ نے اس تبلیغ کی وجہ سے ہزاروں تکلیفیں اٹھائیں۔ ہزاروں مصائب سہے مگر کلمہ حق سے باز نہ آئے اور خدا کی واحدانیت کی تلقین کرتے رہے۔ آخر لوگوں کے دل پر اثر ہوا اور دنیا مسلمان ہونے لگی۔

مسلمانوں پر شروع سے ہی سختیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم کئے ہیں جن سے کہ انسانیت کانپ گئی ہے۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ ہر زمانہ

میں مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔
جب اور جس قوم کو موقعہ ملا ہے اس نے مسلمانوں کو پیس ڈالنا چاہا لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ مسلمان مٹ جائیں اور خدا کے نام لیوا فناہ ہو جائیں۔ اس لئے جتنی کہ مسلمانوں پر سختیاں ہوئیں وہ بجائے مٹ جانے کے اور بڑھتے اور پھولتے رہے۔
چنانچہ آج مسلمان دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے کیونکہ خدا اسلام اور مسلمانوں کا خود محافظ ہے۔ سوچو کہ جس کی خدا حفاظت کرے وہ کس طرح مٹ سکتا ہے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ اسلام مٹ جائے۔ مسلمان مٹ جائیں اور صرف ایک خدا کو پوجنے والے دنیا میں باقی نہ رہیں بلکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جس قوم نے یا جس قوم کے جس بادشاہ نے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کی وہ خود مٹ گیا۔ فرعونی طاقتیں اور شیطانی سلطنتیں مٹ گئیں اور مٹ رہی ہیں۔
ہم مسلمان امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ یورپ سے کچھ وحشی عیسائی اپنے دماغوں میں مذہبی جنون لے کر طاغوتی طاقت کے زعم میں آئے اور قلعہ اگزروگورو کے بیکس و بے بس مسلمانوں کو بیدریغ قتل کر ڈالا۔ ان درندوں نے ایسے ایسے مظالم کئے ہیں جن کے سننے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسانیت ان کے فعل پر ماتم کر رہی ہے اور شرافت لعنت بھیج رہی ہے۔
یہ خدا ہی کی مہربانی ہے کہ ہم تمام مسلمان بیگناہ مسلمانوں کے شہید ہونے کا انتقام لینے کے لئے اسلامی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم ہے کہ مرد تو مرد عورتیں اور بچے بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔
اگر چہ میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں جوش ہے۔ لڑائی کا جذبہ ہے مگر اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ کہ تم سب حلف اٹھاؤ کہ مر جاؤ گے لیکن میدان کارزار سے واپس نہ آؤ گے۔ اس وقت تک جب تک کہ ایک درندہ عیسائی بھی زندہ نہ رہے گا۔ وہ وحشی عیسائی جنھوں نے کہ اگزروگورو کے مظلوم مسلمانوں پر مظالم کئے ہیں۔''
سب نے جوش میں آ کر حلف اٹھایا۔ قزل ارسلان نے کہا۔''اب تم خدا کا نام لے کر چلو اور انسانیت کا نام بدنام کرنے والے عیسائیوں سے انتقام لو'' اور سب نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔
اس نعرہ کی آواز سے فضا تھرا گئی اور در و دیوار گونج گئے۔ زمین لرزنے لگی۔ اب تمام لوگ اُٹھے اور مسجد سے نکل نکل کر اپنی اپنی قیام گاہ پر جانے اور مسلح ہو کر شہر کے راستوں سے

گزرنے لگے۔

تمام راستے ان مجاہدوں سے پٹ گئے جو لوگ کسی وجہ سے اس جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ انہیں رخصت کرنے کے لئے راستوں کے سروں پر دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ کمسن بچے اور عمر رسیدہ عورتیں چھتوں پر جا چڑھیں اور مجاہدوں کو روانہ ہوتے دیکھنے لگیں۔ سب سے پہلے باقاعدہ فوجی لشکر چلا ہر دستہ اپنا علم اٹھائے نہایت شان سے گزر رہا تھا۔

عورتیں اور بچے انہیں جاتے دیکھ کر خوش ہو ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔ عورتیں ہاتھ اٹھا اٹھا کر فتحیابی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ تمام مسلمانوں کے دلوں میں جوش وخروش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ سب کے چہرے بشاش تھے۔ دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور سرفروشوں کے ہتھیار دھوپ میں چمک رہے تھے۔ حنا اور اس کا باپ معہ اپنے چند ایک ساتھوں کے غالب کے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر پر جوش مجاہدوں کو روانہ ہوتے دیکھ رہے تھے۔ وہ جوشیلے مسلمانوں کو کوچ کرتے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ فوجی دستے برابر آ کر گزرتے چلے جا رہے تھے۔ ہر دستہ اپنے افسر کے ساتھ کوچ کر رہا تھا۔ حنا غالب کو دیکھنا چاہتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک دستہ آیا جو لوہے کے لباس میں غرق تھا۔ اس دستہ کا ہر سوار جھنڈیاں لئے ہوئے تھا اور اس کا سردار ایک بڑا علم اٹھائے چلا آ رہا تھا۔

یہی غالب تھا۔ حنا کا دل اُسے دیکھتے ہی دھڑکنے لگا۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے اسے دیکھا لیکن غالب نے اس کی طرف نگاہ بھی نہ ڈالی۔ وہ بڑھا چلا گیا۔ حنا نے سچے دل سے اس کی فتح کی دعا مانگی۔ اس کا دستہ چلے جانے کے بعد عورتوں کے دستے آنے اور گزرنے لگے۔ تمام عورتیں گھوڑوں پر سوار تھیں۔ پورے ہتھیار لگائے تھیں۔ ہر عورت سفید چادر سر سے پاؤں تک اس طرح اوڑھے تھی کہ بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔

حتیٰ کہ چہرہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ منہ، ناک اور کان سب لپیٹے ہوئے تھے۔ حنا کو ان میں یہ شناخت کرنا مشکل ہو گیا کہ ان عورتوں میں صفیہ اور الزہرہ کونسی ہیں۔ سب سفید چادریں لپیٹے ہوئے تھیں اور اس لئے ان میں سے کسی کو پہچان لینا ناممکن تھا۔

ان کے ہاتھوں میں بھی جھنڈیاں تھیں۔ وہ وزیر اعظم کی بیوی اور ملکہ عالم کو بھی نہ پہچان سکی کیونکہ وہ بھی سفید چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ عورتوں کے بعد بچوں کے رسالے شروع ہوئے۔ ہر بچہ گھوڑے پر سوار ہتھیار لگائے جھنڈے لئے اس شان سے چلا جا رہا تھا جیسے کہ وہی دشمنوں کا خاتمہ کر ڈالے گا۔

بچوں کے رسالوں کے بعد سلطانی باڈی گارڈ کا رسالہ آیا۔ یہ رسالہ زرہ بکتروں میں سفید

پوشاکیں پہنے تھا۔قرزل ارسلان ان کے بیچ میں تھا غرضیکہ تمام رسالے گزر گئے اور شہر کے باہر پہنچے جہاں غیاث الدین وزیر اعظم اور منصور اس کا بیٹا اور ہاشم طیب کا داماد مجاہدوں کے رسالوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

باقاعدہ لشکر کے آگے بڑھتے ہی یہ بھی بڑھنے لگے اور تھوڑی ہی دیر میں قونیہ سے اتنی دور نکل گئے کہ غبار نے انہیں اپنے دامن میں لے کر قونیہ والوں کی نظروں سے چھپا دیا۔

☆☆☆☆

اٹھائیسواں باب

عیسائیوں کی آمد

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سب سے پہلے قسطنطنیہ آ کر وہاں سے منسیا کی جانب پیٹر دی ہرمٹ ایک لاکھ عیسائیوں کے ساتھ روانہ ہوا تھا اس کے بعد رینالڈ ساٹھ ہزار فوج لے کر منسیا کی طرف چلا تھا مگر اسے راستہ میں معلوم ہو گیا تھا کہ اگزروگورو کا قلعہ قریب ہی ہے اور وہ خالی ہے چنانچہ وہ اس قلعہ پر جا دھمکا اور اس نے اسکے لشکر نے جو حشر انگیزیاں وہاں کے مسلمانوں پر کیں وہ ناظرین باب ہائے ماسبق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ان دونوں لشکروں کے بعد ایک اور زبردست جمعیت مختلف سرداروں کی ماتحتی میں منسیا ہی کی جانب روانہ ہو گئی تھی ان لشکروں میں یورپ کے چیدہ چیدہ بہادر اور جنگجو لوگ تھے۔ان کا خیال تھا نہ صرف خیال ہی بلکہ یقین تھا کہ وہ اسلامی حکومتوں کو تہ و بالا کر کے ان کے مقبوضات پر قبضہ کر لیں گے اور جس طرح یورپ میں ان کی حکومتیں تھیں اسی طرح ایشیا میں بھی اپنی سلطنتیں قائم کر کے وہاں آباد ہو جائیں گے۔

پیٹر دی ہرمٹ قسطنطنیہ سے بڑھ کر ایشیائے کوچک کیطرف چل پڑا۔وہ محض ایک پادری تھا۔فوجی افسروں اور سپاہیوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی تدبیروں سے بالکل ناواقف تھا۔چنانچہ سپاہیوں نے تعدیاں شروع کر دیں تھیں۔اسلامی قلمرو میں داخل ہوتے ہی وہ باغات کاٹنے اور کھیتیاں پامال کرنے لگے جس طرف سے یہ لشکر گزرتا اپنے پیچھے بربادی چھوڑتا جاتا تھا۔اس بیکراں لشکر کی آمد کی اطلاع کسی نہ کسی طرح منسیا کے مسلمانوں کو بھی ہو گئی تھی اور وہ سخت فکرمند اور مشوش ہو گئے۔قلعہ میں بھی بہت تھوڑا اسلامی لشکر تھا۔یہ سرحدی قلعے قسطنطنیہ کی حد پر واقع تھے اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ الکزیوس سے قونیہ کے سلطان قزل ارسلان کی صلح تھی اس صلح کی وجہ سے سلطان نے یہ سمجھ لیا تھا کہ عیسائیوں کا شہنشاہ بدعہدی نہ کرے گا۔اس وجہ سے ان قلعوں میں بہت تھوڑا لشکر چھوڑا گیا تھا مگر واقعات ثابت کرتے ہیں کہ قزل ارسلان جیسے تجربہ کار سلطان نے یہ نادانی کی کہ عیسائی شہنشاہ کے قول و اقرار پر اعتبار کر کے سرحد کے قلعوں اور ان

کے باشندوں کو محض عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

الکزیوس مکار شہنشاہ تھا۔ اس نے ایک طرف تو قزل ارسلان سے صلح رکھی تھی اور دوسری طرف اس پر حملہ کرنے کے لئے عیسائیوں کو شہہ دیتا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ قزل ارسلان کی ہیبت اس پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ خود اسے اس پر حملہ کرنے کی جرات کبھی نہ ہوئی تھی۔ مگر وہ اہل یورپ کو طرح طرح کے لالچ دے دے کر انہیں حملہ کرنیکی ترغیب دیتا تھا۔

چنانچہ کلر مانٹ میں جو عیسائیوں کا عظیم الشان جلسہ ہوا اس کے متعلق مچاڈ اپنی تاریخ کے صفحہ 45 پر تحریر کرتا ہے کہ قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ الکزیوس نے لکھا کہ قسطنطنیہ میں عیسائیت کی بہت سی یادگاریں محفوظ ہیں جن کے ترکوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے کا خوف تھا۔ جو لوگ اس صلیبی جہاد میں جائیں گے انہیں میں دولت دے کر مالا مال کر دوں گا اور یونان کی پری جمال عورتیں جن کا حسن دنیا بھر میں مشہور ہے ان کی خوشگوار محبت مقامات مقدسہ کو آزاد کرانے والے بہادروں کو انکے دلیرانہ کارناموں کا معاوضہ دے گی۔ لیکن سلطان یا مسلمانوں کو اس کی ان ریشہ دوانیوں کا مطلق حال معلوم نہ تھا۔ اور وہ اس کے عہد و پیمان پر اعتبار کئے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان سرحدی قلعوں میں بہت تھوڑے تھوڑے سپاہی موجود تھے۔

منسیا میں کل پانچ سو سپاہی تھے۔ یہ پانچ سو جانباز پانچ ہزار عیسائیوں کا تو بخوبی مقابلہ کر سکتے تھے مگر ایک لاکھ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ جس وقت منسیا کے مسلمانوں نے بیشمار عیسائی لشکر کے آنیکی خبر سنی تو وہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ قلعہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائیں مگر ایک ان کی حمیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ دوسرے انہیں نقل سکونت کا موقعہ نہ ملا۔ تیسرے انہوں نے یہ بھی نہ سمجھا کہ عیسائیوں کا لشکر لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ وہ سمجھے تھے کہ دس بارہ ہزار عیسائی ہوں گے اس لئے بھی وہ ہمت کر کے قلعہ میں مقیم رہے۔ کاش انہیں معلوم ہو جاتا کہ یورپ نے اپنے بہترین جگر پاروں کو لاکھوں کی تعداد میں ایشیا کی مشہور سرفروش مسلم قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے بھیجا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ خدا ہی کو منظور نہ تھا کہ مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہوتی۔ منسیا کے مسلمانوں نے عیسائیوں کے آنے کی خبر سنتے ہی قلعہ کی فصیل پر چاروں طرف تیروں کے گٹھے اور پتھروں کے نوکیلے ٹکڑے لیجا ڈالے اور محصور ہو کر لڑنے کا پورا پورا انتظام کر لیا۔ منسیا کا قلعہ بھی مضبوط تھا اور وسیع بھی۔ اس کی مستحکم فصیل کی وجہ سے مسلمانوں کو اطمینان تھا کہ وہ آسانی سے فتح نہ ہو سکے گا۔ انہوں نے کوئی قاصد قزل ارسلان کی خدمت میں لشکر کے آنیکی اطلاع لیکر اس وجہ سے نہ بھیجا کہ جب لشکر آ جائے گا تب مفصل اطلاع دی جائیگی۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر معمولی

لشکر ہوا تو اسے شکست دیکر ہی تمام واقعہ کی خبر بھیجی جائے گی جبکہ مسلمان فصیل کے انتظامات سے فارغ ہو چکے تو ایک دن دوپہر ڈھلنے کے بعد انہوں نے عظیم الشان غل سنا وہ سمجھ گئے کہ عیسائی لشکر آ گیا ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے جوق در جوق مسلمان فصیل پر چڑھ آئے۔ جب فصیل پر چڑھ کر انہوں نے سامنے نظر کی تو عیسائیوں کا ٹڈی دل سیلاب طوفان خیز موجیں لیتا ہوا قلعہ کی جانب بڑھتا ہوا نظر آیا۔ جہاں تک ان کی نظر گئی ۔ پیدلوں اور سواروں کے دستے تیزی کے ساتھ بڑھتے نظر آئے۔ ان کا اگلہ حصہ تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھا اور پچھلا افق میں غرقاب نظر آتا تھا۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کس قدر لشکر ہے اور کہاں تک پھیلا ہوا ہے وہ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ عیسائی نہایت اطمینان سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ سب سے آگے پیدلوں کے دستے تھے اور ان کے پیچھے سواروں کے رسالے چونکہ دوپہر ابھی ڈھلا نہیں تھا اور دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اس لئے ان عیسائیوں کے ہتھیار، لباس، زرہ بکتریں، ڈھالیں اور گھوڑوں کے ساز سب شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہے تھے۔ عیسائیوں کے آنے کی شان بتا رہی تھی کہ وہ سمندر کی کوہ شکن موجوں کی طرح قلعہ کی فصیل کو بہا لیجانا چاہتے ہیں مسلمان انہیں دیکھ رہے تھے۔ ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ حیرت بھری نظروں سے انہوں نے دیکھا کہ عیسائی ایک میل کے فاصلے پر آ کر رکے اور ادھر ادھر دیکھ کر دونوں طرف پھیلنے لگے۔ بالکل اس طرح جیسے کسی بند کا پانی ٹوٹ کر دو دہاروں میں بہنے اور جو چیز بھی اس کے سامنے آ جائے اسے بہانے لگتا ہے۔ ان کی اس حرکت سے مسلمان سمجھ گئے کہ وہ قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ منسیا کے چاروں طرف کئی کئی میل کے لمبے چوڑے میدان پڑے ہوئے تھے۔ عیسائی لشکر ان میدانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چونکہ مسلمان بہت ہی تھوڑے تھے۔ اتنے تھوڑے کہ کسی ایک طرف کی فصیل بھی ان سے لبریز نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ سامنے ہی کی طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے عیسائی لشکر کو اِدھر اُدھر پھیلتے دیکھا تو یہ بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ فصیل پر پھیلنے لگے عیسائی لشکر برابر بڑھ کر اور آ آ کر اِدھر اُدھر پھیلتا جاتا تھا مگر اب تک عیسائی قلعہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے جب ان کا لشکر دونوں بازوؤں پر بھی کثیر تعداد میں پھیل گیا تو اب پچھلی جانب بڑھنے لگے۔ مسلمان سمجھ گئے کہ عیسائیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا ہے اور ان کا لشکر اس قدر زیادہ ہے کہ قلعہ کے چاروں طرف کے میدانوں کی وسعت تنگ ہو گئی اور اس پر بھی ابھی لشکر کی آمد برابر جاری ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے اور اپنی اس غلطی پر افسوس کرنے اور پچھتانے لگے کہ انہوں نے اس لشکر کے آنے کی خبر سنتے ہی سلطان قزل ارسلان کو اطلاع نہ کر دی مگر اب اس کا موقعہ ہی باقی نہ رہا تھا۔ عیسائی لشکر

قلعہ کے چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ اب ناممکن تھا کہ کوئی مسلمان قلعہ سے باہر نکل کر کہیں جا سکے۔ مسلمان اس ٹڈی دل لشکر کو دیکھ کر اس لئے حیران ہو رہے تھے کہ اتنا لشکر کہاں سے آ گیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یورپ کی تمام عیسائی سلطنتوں نے انہیں مٹانے کے لئے زبردست جمعیت پورے سازوسامان کے ساتھ بھیج دی ہے۔ عیسائیوں کی آمد دوپہر سے کچھ ہی دیر کے بعد شروع ہوگئی تھی اور وہ تیزی سے آ رہے تھے مگر عصر کے بعد تک بھی ان کا تانتا نہ ٹوٹا تھا وہ برابر ابھی تک آ آ کر قلعہ کے گرد پھیلتے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے عصر کی نماز فصیل پر ہی پڑھ لی تھی اور وہ اس خیال سے کھڑے ہوئے عیسائی فوجوں کو آتے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ اگر ان کی تعداد معلوم نہ ہو سکے تو یہ تو دیکھ لیں کہ وہ کب تک آتے رہتے ہیں۔ شاید اس سے ان کی جمعیت کا اندازہ ہو سکے۔

لیکن آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا اور لشکر کی آمد کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ پیدل دستے پہلے ہی آ چکے تھے۔ اب صرف رسالے ہی آ رہے تھے اور چونکہ قلعہ کا پچھلا حصہ اور بازوؤں کے دونوں میدان عیسائیوں سے بھر گئے تھے۔ اس لئے وہ سامنے والے میدان میں آ کر ٹھہرتے تھے۔ آخر آفتاب غروب ہو گیا۔ قلعہ کے اندر مغرب کی اذان ہونے لگی اور مسلمانوں نے مغرب کی نماز بھی فصیل پر پڑھ لی۔ نماز پڑھنے کے بعد انہوں نے دیکھا تو اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ لشکر کی آمد کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے یا بند ہو گیا چونکہ یہ خدشہ تھا کہ عیسائی رات ہی کو حملہ نہ کر دیں اس لئے مسلمان فصیل پر ہی ٹھہر گئے اور آگ جلا جلا کر حفاظت کرنے لگے۔

☆☆☆☆
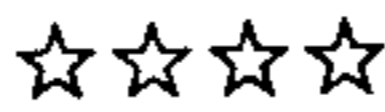
انتیسواں باب

مسلمانوں کی بہادری

عیسائیوں کے بے شمار لشکر کو دیکھ کر منسیا کے مسلمان خائف ہو گئے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کی اس قدر جمعیت کبھی نہ دیکھی تھی وہ رات بھر فصیل پر گشت کرتے رہے۔ آگ جلاتے اور خدا سے امن و سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے۔ عورتیں اور بچے گھبرا گئے تھے اور وہ گھروں میں گھسے ہوئے عیسائیوں سے نجات پانے کی التجائیں کر رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تب مسلمانوں نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر پھر فصیل پر پھیل گئے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ منسیا کے قلعہ میں صرف پانچ سو سپاہی تھے، دو ہزار شہری مرد اور ایک ہزار عورتیں اور بچے تھے۔ مردوں میں بوڑھے بھی تھے اور بیمار بھی۔ تمام مرد خواہ وہ

بوڑھے تھے یا جوان فصیل پر چڑھ گئے تھے اور سپاہیوں کی امداد کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو عیسائیوں کے لشکر میں نقل و حرکت شروع ہوئی۔ مسلمان سمجھ گئے کہ وہ حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا وہ بھی مستعد ہو گئے۔ عیسائی لشکر میں طبل و نقارے بجنے اور نرسنگھے پھونکے جانے لگے۔ سپاہی مسلح ہو ہو کر میدان میں پہنچ پہنچ کر صف بستہ ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں قلعہ کے چاروں طرف عیسائی سپاہی کھڑے ہو گئے اور صلیبی جھنڈے لہرانے لگے۔ مطلع صاف تھا۔ آفتاب کچھ بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہوئے مسلمانوں پر قلعہ کے چاروں طرف میدانوں مین اور ان میں کھڑے ہوئے عیسائیوں پر پھیلی ہوئی چمک رہی تھی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے اور مسیحی جھنڈوں کے پھریروں کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ اب عیسائیوں نے جوش میں آ کر نعرے لگانے شروع کر دیئے تھے۔

پادریوں نے مقدس انجیلیں کھول کھول کر آیات پڑھنا شرع کیں اور کچھ دیر پڑھتے رہنے کے بعد پیٹر نے بلند آواز سے کہا۔ ''مسیحی جانبازو! بڑھو اور حملہ کر دو۔ قلعہ فتح کر لینے کا وقت آ گیا ہے۔'' مسیحیوں نے جوش کے ساتھ نعرے لگائے۔ خدا کی ہی یہ مرضی ہے۔ خدا کی ہی یہ مرضی ہے اور نعرے لگاتے ہوئے قلعہ کی طرف بڑھنے لگے۔ عیسائی سپاہیوں کا سیلاب چاروں طرف سے قلعہ کی طرف بڑھا اور ان کی رفتار کی شان سے یہ معلوم ہونے لگا کہ وہ قلعہ کی فصیل کو اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔

اگرچہ مسلمان بہت ہی تھوڑے تھے مگر وہ چاروں طرف پھیل گئے تھے اور فلاخنیں اور کمانیں ہاتھوں میں لے لے کر اس بات کا انتظار کرنے لگے تھے کہ جب مسیحی زد میں آ جائیں تو اپنے ان حربوں سے کام لیں۔

عیسائی طبل جنگ بجاتے شور کرتے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ بڑے جوش اور بڑی دلیری سے انہوں نے فصیل پر کھڑے ہوئے مسلمانوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ قلعہ کے اندر مسلمان بہت کم ہیں اور ان کے مقابلہ میں تو بالکل آٹے میں نمک کی مثال ہیں۔ اس لئے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور فتح یابی و کامرانی کا اس قدر یقین ہو گیا تھا جیسے کسی بھوکے کو روٹی مل جانے پر اس کے کھانے کا یقین ہو جاتا ہے۔ وہ چاروں طرف سے شور کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے جب بڑھتے بڑھتے وہ قلعہ کے قریب پہنچے تو دفعتہً ان پر فصیل کے اوپر سے تیروں کی باڑھ پڑی ان جان لیوا تیروں نے بہت سے عیسائیوں کو مجروح کر دیا اور کچھ اس طرح سے زخمی ہوئے کہ وہ لمبی لمبی آہیں کر کے زمین پر گرے۔ ان کے گرتے ہی ان کے بھائی انہیں اٹھانے کے لئے جھکے مگر ابھی وہ انہیں اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ پھر تیروں کی بارش ہوئی اور جو مسیحی

زخمیوں کو اٹھانے کے لئے جھکے تھے وہ بھی زخمی ہو ہو کر اوندھے منہ گرے۔

یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں میں جوش وغضب کا طوفان امڈ آیا اور انہوں نے بھی کمانوں میں تیر رکھ کر فصیل کے اوپر پھینکنے شروع کئے۔ ہر طرف سے ہزاروں تیر سنسناتے چلے اور فصیل سے ٹکرا کر گر پڑے۔ عیسائیوں نے اس کی پرواہ نہ کی وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے تیر بیکار جارہے ہیں برابر تیروں کی بارش کرتے رہے۔ ان میں سے کچھ لوگ زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر لیجانے لگے اور زیادہ آدمی جلدی جلدی تیر چلانے لگے۔ اور مسلمانوں کے تیروں کو اپنے تیروں سے روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ مسلمان برابر تیر پھینک رہے تھے اور ان کے تیر عیسائیوں کو مجروح کرتے چلے جارہے تھے۔ جو عیسائی زخمی ہو جاتا تھا وہ بری طرح سے منہ بنا کر خوفناک آہ کرتا تھا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑتا تھا۔

عیسائیوں کو یہ دیکھ دیکھ کر بڑا جوش اور غصہ آرہا تھا۔ وہ غضبناک نگاہوں سے مسلمانوں کو گھور رہے تھے اور خود بھی تیر برسا رہے تھے مگر ان کے تیر اونچی فصیل سے ٹکرا ٹکرا کر گر پڑتے تھے اور ان سے مسلمانوں کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچ رہا تھا۔ چونکہ مسلمان کم تھے اور پھر فصیل پر چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اس لئے کم تعداد میں تیر آرہے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ بڑی پھرتی سے تیروں کی بارش کر رہے تھے اور ان کے جانستان تیر عیسائیوں کو برابر زخمی کر رہے تھے۔

اگرچہ مسیحی زخمی ہو رہے تھے مگر وہ زخمیوں کو فوراً اٹھا اٹھا کر اپنے کیمپ میں پہنچا دیتے تھے اور راستہ صاف ہوتے ہی آگے بڑھنے لگتے تھے مگر مسلمانوں کی تعداد کچھ اور زیادہ ہوتی تو یقیناً عیسائیوں کی پیش قدمی روک دیتے لیکن بیچارے مجبور تھے۔ بہت ہی تھوڑے تھے اس لئے وہ دشمنوں کے سیلاب کو نہ روک سکتے تھے۔ پھر بھی اپنی ہمت سے زیادہ کوشش کر رہے تھے اور اس تیزی سے اور اس پھرتی سے تیر برسا رہے تھے کہ عیسائی تیزی سے نہ بڑھ سکتے تھے۔ قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو مجروح کر دیا تھا۔ ان کا ایک تیر بھی بیکار نہ جاتا تھا۔ کسی نہ کسی عیسائی کے سر و سینہ میں ترازو ہو کر اسے مجروح کر دیتا تھا اور ایسا کاری زخم لگاتا تھا کہ مجروح میں اٹھنے کی ہمت باقی نہ رہتی تھی۔

جوں جوں عیسائی زخمی ہوتے جاتے تھے ان کا جوش وغضب بڑھتا جاتا تھا وہ غصہ میں آکر تیزی سے بڑھنا چاہتے تھے لیکن جونہی ذرا بے احتیاطی سے بڑھتے تھے۔ مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑ انکا استقبال کر کے انہیں روک دیتی تھی اور زخمی گھائل ہو ہو کر گرتے اور گر گر کر تڑپنے لگتے تھے۔ اسی جدوجہد میں دوپہر ہو گیا۔ آفتاب عین نصف النہار پر پہنچ گیا۔ سیدھی شعاعوں نے ہوا کو گرم کر دیا جس سے گرمی بڑھ گئی اور دھوپ میں اس قدر چمک پیدا ہو گئی کہ

اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا مشکل ہو گیا۔ عیسائی جو یورپ جیسے سرد ملک کے رہنے والے تھے ایشیا کی گرمی سے بوکھلا گئے۔ پسینہ میں ڈوب گئے۔ آفتاب کی چمک اور دھوپ کی سفیدی ان کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ لیکن ان کے دلوں میں اس قدر جوش اور جذبہ تھا کہ وہ ان باتوں کی پروانہ کرتے ہوئے برابر تیر برسا رہے تھے اور آگے بڑھنے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔

جب وہ فصیل کے اور قریب پہنچ گئے تب مسلمانوں نے فلاخنوں کو سنبھالا اور ان میں پتھروں کے ٹکڑے رکھ رکھ کر اپنی پوری طاقت سے گھما گھما کر چلانا شروع کر دیا۔ یہ خاردار سنگریزے جب عیسائیوں کے اوپر جا گرے تو انہوں نے تیروں سے بھی زیادہ کام کیا۔ جس کے سر میں لگے سر پھاڑ دیئے۔ آنکھوں پر لگے آنکھیں پھوڑ دیں۔ سینوں میں لگے پسلیاں توڑنے لگے۔ ان سنگریزوں کی حشر انگیزیاں دیکھ کر عیسائیوں کی پیش قدمی رک گئی اور انہوں نے بڑی بڑی ڈھالیں اٹھا اٹھا کر پتھروں کے ٹکڑوں سے بچنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

کچھ مسلمان تیر برسا رہے تھے اور کچھ پتھر پھینکنے لگے تھے اور پھر اس پھرتی سے اور اس تیزی سے کہ عیسائی انہیں روکتے روکتے تنگ آ گئے تھے۔ اگر وہ تیروں سے بچنا چاہتے تو پتھر انہیں مجروح کر دیتے تھے اور اگر پتھروں سے بچتے تھے تو تیر زخمی کر ڈالتے تھے۔ صبح سے دوپہر ڈھلے تک سینکڑوں نہیں ہزاروں عیسائی مجروح ہو چکے تھے اور چونکہ مسلمانوں تک مسیحیوں کے تیر نہ پہنچتے تھے اس لئے اب تک مسلمان ایک بھی مجروح نہ ہوا تھا۔ اس کے متعلق عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ حملہ آور عام مسیحی تھے۔ جو فنون جنگ سے ناواقف تھے اور اس لئے وہ زخمی ہو رہے تھے اور مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہ ہوتا تھا حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ یورپ سے لڑنے کے لئے چیدہ سپاہی اور مشہور سردار آئے تھے یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ناتجربہ کار بھی ہوں لیکن ایسے لوگوں کو ہر قوم زخمیوں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیتی ہے اور اس لئے عیسائیوں کا یہ کہنا کہ عام اور فنون حرب سے ناواقف لوگ تھے۔ کسی طرح سے بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

بات یہ تھی کہ مسلمان فصیل پر تھے اور عیسائی میدان میں ان کی حفاظت فصیل کر رہی تھی اور عیسائی غیر محفوظ پھر عیسائی اپنی حفاظت بھی کر رہے تھے اور مسلمانوں کو بچنے کی ضرورت نہ تھی لیکن ان کے علاوہ یہ بھی کہ مسلمان استقلال جوش اور دلیری سے لڑ رہے تھے اور عیسائیوں میں ان سے ایک بات بھی نہ تھی اگرچہ عیسائیوں میں جوش پیدا ہو گیا تھا اور یہ جوش اس وقت اور بھی بڑھ گیا تھا جبکہ وہ مجروح ہونے لگے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح فصیل کے نیچے پہنچ کر اس کے اوپر چڑھ جائیں اور ایک ایک مسلمان کو چن چن کر مار ڈالیں لیکن مسلمان ایسے جوش اور ایسی پھرتی سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے کہ قدم قدم پر مسیحی مجروح ہوتے چلے جا رہے

تھے اور اس لئے ان کی رفتار بہت سست تھی مگر جب انکی تعداد زیادہ مجروح ہوگئی تو انہیں جوش آ گیا اور انہوں نے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر ذرا تیزی سے بڑھنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر اور بھی پھرتی اور جوش وغضب سے تیر افگنی اور سنگ اندازی شروع کر دی۔ اس وقت قلعہ کے چاروں طرف عجیب ہنگامہ برپا ہو رہا تھا۔ عیسائی شور وغل کر کے ڈھالوں کے سائے میں بڑھ رہے تھے اور مسلمان نہایت پھرتی سے تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے۔

عیسائی برابر زخمی ہو کر گر رہے تھے مگر اب انکا قدم نہ رکتا تھا اور ان کی شان سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے فصیل تک پہنچنے کا قصد کر لیا ہے اور اب ان کے ارادہ کو کوئی چیز بھی نہیں روک سکتی۔ ذرا سی دیر کے لئے ہی مسلمانوں پر حیرت اور خوف کا غلبہ ہوا اور ان کی چستی میں سستی پیدا ہو گئی مگر فوراً ہی وہ یہ سمجھ کر کہ اس وقت کی سستی ان کی تباہی کا موجب بن جائے گی پھر جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔

اس وقت عورتیں اور بچے بھی فصیل پر بلا لئے گئے اور یہ تیر اور پتھر اٹھا اٹھا کر سرفروشوں کو دینے اور وہ لیکر بڑی تیزی سے برسانے لگے۔ انہوں نے کچھ اس شدت سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسایا کہ عیسائی جو تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے رُک گئے اور انہیں ایک قدم بھی آگے بڑھنا مشکل ہو گیا۔

اب آفتاب جلد مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور دھوپ میں سنہرا پن آ گیا تھا۔ تمام دن لڑتے رہنے کی وجہ سے دونوں فریق تھک گئے تھے۔ اُدھر آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس لئے عیسائی لشکر واپس لوٹنے لگا۔ وہ قاعدے سے پیچھے ہٹا۔ مسلمانوں نے اسے پیچھے ہٹتے دیکھکر اور بھی سختی سے تیر افگنی شروع کر دی مگر عیسائی رفتہ رفتہ اتنی دُور ہٹ گئے کہ اب ان تیروں کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ یہ دیکھکر مسلمانوں نے بھی لڑائی موقوف کر دی لیکن اب بھی وہ برابر اپنی جگہ پر کھڑے عیسائیوں کو پیچھے ہٹتے اور ان کو کیمپ میں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

اگرچہ آج مسلمانوں نے اپنی طاقت سے زیادہ کام لے کر عیسائیوں کی دستبرد سے قلعہ کو بچا لیا تھا لیکن ان میں سے ہر شخص کے بازو اس قدر شل ہو گئے تھے کہ دن چھپنے کے بعد ہی ہوا لگ لگ کر اکڑ گئے اور انہیں اٹھانا اور ان سے کام لینا سخت دشوار ہو گیا۔ تاہم انہوں نے جوں توں کر کے وضو کیا۔ چونکہ آج تمام اوقات کی نماز قضا ہو گئی تھیں اس لئے وہ نمازیں پڑھنے لگے۔ ادھر سارا دن مصروف جنگ رہنے کی وجہ سے کھانا نہ ملا تھا اور کھانا تو درکنار پانی تک نصیب نہ ہوا تھا اس لئے نماز پڑھ کر کھانا کھایا۔

کھانا کھاتے ہی بدن کچھ ایسے بیکار ہو گئے کہ ان میں رات کو پہرہ دینے کی بھی ہمت باقی

نہ رہی اس سے پہلی رات کو بھی وہ برابر جاگتے رہے تھے۔ پھر آج تمام دن لڑتے رہے تھے۔ اس وجہ سے بھی وہ تھک کر چور ہو گئے تھے۔ عورتوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھی انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ رات کو پہرہ دیں اور مجاہدوں کو آرام کرنے دیں چنانچہ انہوں نے اپنی تجویز مردوں کے سامنے پیش کی چونکہ تجویز نہایت مناسب تھی اس لئے منظور کر لی گئی۔ مردوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ عورتوں نے چادریں سروں سے لپیٹیں اور آگ جلا جلا کر بالکل اس طرح پہرہ دینے لگیں جیسے گزشتہ رات کو مردوں نے پہرہ دیا تھا۔ وہ فصیل سے نیچے جھانک جھانک کر دیکھ لیتی تھیں کہ عیسائی رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر فصیل کی طرف بڑھ تو نہیں رہے ہیں مگر عیسائیوں کو اس کی جرات نہ ہوئی وہ اپنے کیمپ میں پڑے آرام کرتے رہے۔

☆☆☆☆

تیسواں باب

مقدس گروہ

مسلم جانباز عورتیں تمام شب نہایت ہوشیاری اور خبرداری سے پہرہ دیتی رہیں۔ نہ ایک منٹ سوئیں نہ بیٹھیں۔ آگ جلاتی اور فصیل پر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھومتی پھرتی رہیں۔ جب صبح کے آثار ظاہر ہوئے تو مسلمان اُٹھے وہ عورتوں کو پہرہ دیتے دیکھ کر نہایت خوش اور ان کے شکر گزار ہوئے۔ انہوں نے چاہا کہ اب عورتیں آرام کر لیں کیونکہ ابھی دن نکلنے میں کافی دیر تھی مگر عورتوں نے نہ مانا۔ انہوں نے کہا کہ ممکن ہے صبح کو بھی جنگ شروع ہو کر تمام دن جاری رہے اس لئے وہ ان کے لئے کھانا تیار کر کے انہیں لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی کھلا دینا چاہتی ہیں۔ گزشتہ روز چونکہ تمام دن مسلمان مصروف کارزار رہے ہیں اس لئے انہیں کھانا اور پانی کچھ بھی نصیب نہ ہوا تھا لیکن مسلمان دیکھ رہے تھے کہ عورتیں ساری رات پہرہ دیتی رہی تھیں ان کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ انہیں جمائیوں پر جمائیاں آ رہی تھیں اس لئے وہ چاہتے تھے کہ اسلام کی مایہ ناز خواتین کچھ دیر آرام کر لیں تاکہ تمام کا کسل دور ہو جائے مگر عورتوں نے اس بات کو اس لئے منظور نہ کیا کہ کہیں وہ سوتی ہی نہ رہ جائیں اور لڑائی شروع ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم عورتیں اگرچہ صنف نازک کہلاتی ہیں اور مردوں کے مقابلہ میں ہوتی بھی نازک ہیں لیکن وہ اکثر مردوں سے بھی زیادہ جفاکشی کے کام کر جاتی ہیں۔ مثلاً رات رات بھر جاگتی رہ سکتی ہیں۔ دن دن بھر کام کرتی رہتی ہیں نہ تھکتی ہیں نہ شکوہ زبان پر لاتی ہیں اور

ضرورت کے وقت ہتھیار لے کر میدان جنگ میں بھی نکل پڑتی ہیں اور اس سرفروشی سے لڑتی ہیں کہ دشمن حیران رہ جاتے ہیں لیکن جیسے آج کل کے مرد پہلے زمانہ کے مردوں سے زیادہ آرام طلب اور عشرت پسند ہو گئے ہیں اسی طرح اور ان کی دیکھا دیکھی عورتیں بھی راحت و آرام میں ڈوب گئیں اور ایسی نازک اندام ہو گئیں کہ اب وہ مرد تو مرد بچوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔

چونکہ انہوں نے جفاکشی چھوڑ دی ہے اس لئے آئے دن بیمار رہنے لگی ہیں۔ قوی عورتوں کی اولاد طاقتور ہوتی ہے اور اب کمزور عورتوں کی اولاد کمزور ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ عورتیں آرام طلبی چھوڑ دیں کوئی ایسی ورزش شروع کر دیں جس سے ان کے جسم کو خوب اچھی طرح سے پسینہ آ جایا کرے گھر کا کام خود کریں اور خادماؤں کو کام میں مدد دیں۔ نماز پانچوں وقت پڑھیں۔ نماز میں یہ خوبی ہے کہ خدا کی عبادت تو ہے مگر اس سے ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ ان کی صحت اچھی رہنے لگے گی۔ منسیا کی عورتوں نے فوراً ہی فصیل پر کھانا پکانے کا انتظام شروع کر دیا۔ آگ جل ہی رہی تھی وہ اس کے گرد بیٹھ گئیں اور کھانا تیار کرنے لگیں۔ مرد ضروریات سے فراغت کر کے وضو کرنے لگے اور تین آدمیوں نے مل کر اذان دی اور سب نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی۔ اتنے میں کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر کھانا تیار ہو گیا۔ انہوں نے کھانا کھایا اور مسلح ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ عیسائی مسلح ہو کر میدان جنگ میں نکلیں تو وہ پھر ان پر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دیں چونکہ سنگریزوں اور تیروں کی تعداد فصیل پر کم رہ گئی تھی اس لئے عورتوں نے نیچے سے لا لا کر انبار لگا دیئے تمام عورتوں نے سر سے پاؤں تک چادریں لپیٹ لی تھیں اور ناک کے اوپر تک اس طرح سے چہرہ کو ڈھانپ لیا تھا کہ سوائے آنکھوں کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ بے چاری عورتیں رات بھر جاگتی اور پہرہ دیتی رہی تھیں اور اب پتھروں کے ٹکڑے اور تیروں کے بنڈل ڈھو رہی تھیں۔

اب آفتاب نکل آیا تھا اور اس کی ترچھی شعاعیں اونچی دیواروں اور درختوں کی چوٹیوں اور سبزہ زار میدانوں میں پھیل گئی تھیں۔ مسلمان متعجب تھے کہ ابھی تک عیسائیوں کے لشکر نے حرکت نہیں کی۔

اگرچہ سپاہی اُٹھ گئے تھے اور وہ کیمپ میں چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے مگر ہتھیار بند ہو کر میدان میں نہیں آ رہے تھے۔ مسلمانوں کو خیال ہوا کہ شاید وہ بھی آج کھانا کھا کر ہی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ فصیل پر کھڑے ہو کر ان کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب کچھ اور سورج چڑھ گیا

تب چند آدمی جنوبی سمت کے کیمپ سے نکل کر قلعہ کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ چھ یا سات آدمی تھے۔ پادریوں کی طرح ٹخنوں تک لمبے لمبے جبے پہنے تھے اور سرخ رنگ کے اون کی اونچی اونچی ٹوپیاں اوڑھے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔

مسلمانوں نے انہیں آتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ وہ قاصد ہیں اور کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ خاموش کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب وہ بالکل قریب آ گئے تب انہوں نے دیکھا کہ ان کی داڑھیاں لمبی اور سفید تھیں۔ سینوں پر سرخ رنگ کے کپڑے کی صلیبیں لگی ہوئی تھیں۔ کمریں سرخ ڈوروں سے بندھی ہوئی تھیں اور ان میں لمبی لمبی تسبیحیں اڑی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں نے پہچان لیا کہ وہ راہب یا پادری ہیں۔ وہ دروازہ سے ذرا فاصلے پر آ رکے اور ان میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا۔

''مسلمانو! ہم قاصد ہیں اور تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ منسیا میں جو لشکر تھا اس کے سردار عبداللہ تھے۔ اتفاق سے وہ اس طرف تھے انہوں نے کہا۔'' کیا کہنے آئے ہو تم؟''

پادری: ''چونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان فاصلہ زیادہ ہے اس لئے ہماری بات تمہاری اور تمہاری بات ہماری سمجھ میں اچھی طرح سے نہ آئیگی۔''

عبداللہ: ''پھر کیا کرنا چاہیے؟''

پادری: ''یا تو اجازت دو کہ ہم آپ کے پاس آ جائیں یا آپ ہمارے پاس چلے آئیں۔''

عبداللہ: ''اچھا انتظار کرو میں نیچے ہی آ رہا ہوں۔''

پادری: ''لیکن ہمارے پاس اپنے سردار کو بھیجئے۔''

عبداللہ: ''بہت اچھا۔''

یہ کہتے ہی عبداللہ پانچ آدمیوں کو لے کر چلے۔ انہوں نے قاصدوں کو قلعہ کے اندر اس لئے نہ آنے دیا کہ وہ ان کے حالات سے واقف نہ ہو جائیں اور پھر اگر صلح کی توقع ہو تو وہ بھی ختم ہو جاتی۔

عبداللہ بھی اپنے ہمراہیوں کو لے کر دروازہ پر پہنچے اور دروازہ کھلوا کر باہر نکلے۔ پادریوں کے پاس پہنچے اور بولے کہیے۔'' آپ کیا کہنے آئے ہیں۔؟''

پادری: ''کیا قلعہ کی حفاظت اور نگرانی آپ کر رہے ہیں۔''

عبداللہ: ''جی ہاں!''

پادری: ''آپ شاید مجھے نہ جانتے ہوں۔''

عبداللہ: ''میں بالکل بھی واقف نہیں ہوں۔''

پادری: ''میرا نام پیٹر وی ہرمٹ ہے۔''

عبداللہ: ''میں نے آپکا نام بھی کبھی نہیں سنا ہے۔''

پادری: ''بے شک نہ سنا ہوگا۔ میں ایمن کا رہنے والا ہوں اور یہ تمام لشکر جو تم دیکھ رہے ہو میری قیادت میں ہے۔ اس میں یورپ کے منتخب لوگ ہیں۔''

عبداللہ نے متعجب ہو کر کہا۔ ''آپ پادری ہو کر لشکر کی سپہ سالاری کر رہے ہیں۔''

پیٹر: ''اس لئے کہ یہ جنگ صلیبی جنگ ہے...... خاص مذہبی جنگ۔''

عبداللہ: ''اور یہ جنگ کس واسطے شروع کی جارہی ہے۔''

پیٹر: ''بیت المقدس کو تمہارے ناپاک ہاتھوں سے چھڑانے کے لئے۔''

یہ غیر مہذب بات سن کر عبداللہ کے ساتھیوں کو طرارہ آ گیا اور ان میں سے ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن عبداللہ نے اسے روک کر پیٹر وی ہرمٹ سے کہا۔ ''آپ بیت المقدس گئے تھے۔''

پیٹر: ''ہاں گیا تھا۔''

عبداللہ: ''آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم مسلمان بھی اس کو ایسا ہی مقدس اور محترم سمجھتے ہیں جیسا آپ۔''

پیٹر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''یہ غلط ہے۔ آپ اس کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔''

عبداللہ: ''کیا بے حرمتی ہو رہی ہے۔''

پیٹر: ''ہر مسلمان ہر مقدس مقام پر آزادانہ آتا جاتا ہے۔''

عبداللہ: ''اس سے کیا بے حرمتی ہوتی ہے۔''

پیٹر: ''ہم نہیں چاہتے کہ کوئی مسلمان بیت المقدس کے اندر بھی رہے۔''

عبداللہ: ''مگر یہ معاملہ مسلمانوں کے پاس سفیر بھیج کر بھی طے ہو سکتا ہے۔''

پیٹر: ''نہیں ہم تلوار کے زور سے اس معاملہ کو طے کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف پاک یروشلم کو تم سے واپس لینے کا نہیں ہے بلکہ ہم ملک شام، ملک مصر اور ملک فلسطین سب تم سے چھیننا چاہتے ہیں۔''

عبداللہ: ''تو یہ کہئے کہ مذہب کی آڑ میں یہ ملکی جنگ ہے۔''

پیٹر: ''جو کچھ بھی تم سمجھو۔''

عبداللہ: ''اچھا اب آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔''

پیٹر: ''تم نے دیکھ لیا کہ کس قدر لشکر میرے ساتھ ہے۔''

عبداللہ: ''ہاں دیکھ لیا۔''

پیٹر: ''میں نے معلوم کر لیا ہے کہ تمہارے پاس لشکر بہت کم ہے۔''

عبداللہ: ''ہاں تمہارے مقابلہ میں لشکر بہت کم ہے۔''

پیٹر: ''ہم پادری لوگ خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم یہاں سے اپنے بادشاہ کے پاس چلے جاؤ اور قلعہ ہمارے سپرد کر دو۔''

عبداللہ: ''لیکن یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب کہ آپ کا لشکر قلعہ کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔''

پیٹر: ''ہم تمہارے امن وسلامتی سے نکل جانے کے ذمہ دار ہیں۔''

عبداللہ: ''مگر ہم آپ کا ہی اطمینان کس طرح سے کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ عہد شکنی کریں۔''

پیٹر: ''یہ غیر ممکن ہے کہ ہم مذہبی لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ ہم حلف اٹھا کر تم کو یقین دلا دیں گے۔''

عبداللہ: ''اور کیا شرائط ہوں گی۔''

پیٹر: ''صرف یہ کہ آپ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جا سکیں گے۔ ہتھیار اور دولت سب آپ کو یہاں چھوڑ دینا ہوں گے۔''

عبداللہ: ''مگر ہتھیار تو ہم کسی قیمت پر بھی آپ کے حوالہ نہ کر سکیں گے۔''

پیٹر: ''خیر ہتھیار لے جانے کی اجازت دیدی جائے گی۔''

عبداللہ: ''میں اپنے لوگوں سے مشورہ کر کے کل اس کا جواب دے سکتا ہوں۔''

پیٹر: ''بہتر ہے آپ مشورہ کر لیں۔''

عبداللہ: ''آپ کل تشریف لائیے گا۔ کل اس کا جواب دیا جائے گا۔''

پیٹر: ''بہت اچھا۔''

پیٹر اپنے آدمیوں کو لے کر چلا گیا اور عبداللہ اپنے آدمیوں کو لے کر قلعہ کے اندر آ گئے اور ان کے آتے ہی پھاٹک کے محافظوں نے پھاٹک بند کر لیا۔

☆☆☆☆

اکتیسواں باب

مشورہ

عبداللہ نے قلعہ میں پہنچتے ہی اس بات کا اعلان کر دیا کہ آج جنگ ملتوی رہے گی۔ صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کے سننے سے قدرے اطمینان ہوا۔ عورتیں اور بچے جو تیروں کے گٹھے اور پتھروں کے ٹکڑے فصیل پر پہنچا رہے تھے۔ انہیں چھٹی دیدی گئی

اور چونکہ تمام عورتیں ساری رات بیدار رہی تھیں اس لئے ان سے کہہ دیا گیا کہ وہ سو کر تازہ دم ہو جائیں چنانچہ وہ چلی گئیں اور عبداللہ فصیل پر پہنچے اور انہوں نے پچاس ساٹھ مسلمانوں کو جمع کیا جو حلیم الطبع اور سنجیدہ مزاج تھے۔ پختہ عقل اور تجربہ کار سمجھے جاتے تھے۔ جب وہ سب آ گئے تو عبداللہ نے کہا۔" دوستو! یہ لشکر جو آپ دیکھ رہے ہیں یورپ سے آیا ہے اور ایک پادری کی سرکردگی میں ہے۔ وہی پادری خود ہی قاصد بن کر آیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ عیسائیوں کی زبردست جمعیت بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھیننے کے لئے آئی ہے لیکن یہ محض بہانہ ہے اور یہ حیلہ اس لئے تراشا گیا ہے تاکہ اسے مذہبی جنگ سمجھ کر عیسائی دنیا میں جوش اور ہیجان بپا ہو جائے اور ہر مسیحی اس لڑائی میں شریک ہونا ثواب سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ سے اتنا عظیم لشکر آ کر ہمارے قلعہ کے چاروں طرف چھا گیا ہے۔"

تمام مسلمان نہایت اطمینان سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ اس نے پھر کہا۔" اس پادری کا نام جو اس لشکر کا سپہ سالار بھی ہے پیٹر وی ہرمٹ ہے۔ وہ مکار ہے وہ ہم سے صلح کرنا چاہتا ہے۔ شرائط یہ پیش کرتا ہے کہ ہم اپنی تمام املاک چھوڑ کر بیک بنی دوگوش یہاں سے نکل کر اپنے سلطان کے پاس چلے جائیں۔"

ایک شخص نے دریافت کیا۔" کیا ہم سے ہتھیار بھی لے لئے جائیں گے۔"

عبداللہ:" ہاں! اس کا یہی منشا تھا لیکن جب میں نے کہا کہ ہم اور تمام چیزیں دینے پر آمادہ ہو سکتے ہیں مگر ہتھیار نہیں دے سکتے تب اس نے کہا کہ خیر ہتھیار لے جانے کی اجازت دیدی جائیگی۔"

دوسرا:" لیکن ان مسیحیوں کے قول و فعل کا اعتبار کیا ہے۔ انکے بزرگوں نے جو حضرت عیسیٰؑ ابن مریم علیہ السلام کے حواری کہلاتے تھے اور جن پر خود حضرت عیسیٰؑ کو تمام و کمال اعتماد تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ دغا[1] کیا۔

شمعون نے جو سب سے زیادہ حضرت عیسیٰؑ کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ یہودیوں سے مل گیا اور اس نے انہیں بتایا کہ مسیحؑ کہاں پوشیدہ ہے جن لوگوں نے خدا کے رسول کو دھوکہ دے کر ان سے بدعہدی کی وہ ہمیں کیوں نہیں دھوکہ دے سکتے۔ ہمارے ساتھ عہد شکنی کرتے انہیں کیا خوف ہو سکتا ہے۔"

1: حضرت عیسیٰؑ نے مدتوں کی تبلیغ کے بعد بارہ آدمی عیسائی بنائے لیکن یہ حواری بھی کچھ ایسے عقیدہ کے تھے کہ جس وقت یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ پر یورش کی تو سب نے حضرت عیسیٰؑ سے اظہار بیزاری کیا اور شمعون نے خود ان کو گرفتار کروا دیا۔ یہ صفحہ نمبر 71 کا نوٹ ہے۔ (از تاریخ جہان)

تیسرا: ''حقیقت یہی ہے کہ ان عیسائیوں کا نہ کبھی اعتبار ہوا ہے نہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے ہمیشہ دغا دیا ہے اور آئندہ بھی ان سے یہی اُمید ہے۔''

عبداللہ: ''اگرچہ یہ سچ ہے لیکن پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں ہر مذہب میں اچھے اور برے دونوں ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔''

چوتھے نے جوش میں آ کر کہا۔ ''مگر ان عیسائیوں میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو عہد کا پکا اور مواعید کا پورا کرنے والا ہو۔ ان کی گھٹی میں فریب اور مکاری پڑی ہوئی ہے کیا آپ وہ اجنا دین کا واقعہ بھول گئے جب عیسائی سپہ سالاروں نے حضرت خالدؓ کو بلایا تو مصالحت کے لئے تھا لیکن وہ شیطان انہیں فریب دے کر گرفتار کرنا چاہتا تھا۔''

عبداللہ: ''ان کی مکاریوں کے مجھے بہت سے واقعات معلوم ہیں لیکن تم نے اس لشکر کو دیکھا ہے جو قلعہ کے گرد پڑا ہوا ہے؟''

سب نے کہا۔ ''ہاں! دیکھا ہے۔''

عبداللہ: ''بے شمار ہے۔''

پہلا: ''بے شک!''

عبداللہ: ''کیا ہم اس لاتعداد لشکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

دوسرا: ''نہیں۔''

عبداللہ: ''پھر لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔''

تیسرا: ''ہماری شہادت۔''

عبداللہ: ''اور ہماری شہادتوں کے بعد ہماری عورتوں کی بے حرمتی بھی۔''

چوتھا: ''یقیناً۔''

عبداللہ: ''اس لئے کہ اگر ہم مصالحت کر لیں۔''

پانچواں: ''مگر مصالحت کر لینے میں بھی تو یہی اندیشہ ہے۔''

عبداللہ: ''اس کے متعلق پادری پیٹر دی ہرمٹ حلف اٹھا کر یقین دلانے کو تیار ہیں۔''

پہلا: ''مگر ہمیں ان کے حلف پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔''

عبداللہ: ''پھر کیا ہو؟''

پہلا: ''مردانہ وار لڑو اور شہید ہو جاؤ۔''

دوسرا: ''اور اس بات کی کوشش کرو کہ کسی طرح سلطان کو خبر کر دی جائے۔''

عبداللہ: ''ہمارا محاصرہ اس سختی سے کر لیا گیا ہے کہ ہم میں سے کسی کا قلعہ سے باہر نکل کر

سلطان تک پہنچ جانا غیر ممکن ہے۔''

تیسرا: ''غیر ممکن کچھ نہیں ہوتا کوشش شرط ہے۔''

عبداللہ: ''مگر کس طرح کوشش کی جائے۔''

چوتھا: ''کوئی مسلمان کسی عیسائی کے کپڑے پہنے اور رات کو نکل جائے۔''

عبداللہ: ''ہاں! یہ ممکن ہے لیکن تو نیہ پہنچ کر سلطان کو اطلاع کرنا اور پھر سلطان کا لشکر لیکر آنا کیا یہ ایک دو دن کا کام ہے۔''

پانچواں: ''میرے خیال میں کئی ہفتے لگ جائیں گے۔''

عبداللہ: ''کیا تم کو یہ اطمینان ہے کہ ہم اتنے عرصہ تک اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے۔''

پہلا: ''بے شک نہ کر سکیں گے۔''

دوسرا: ''کیوں نہ کر سکیں گے کیا ہم نے کل مقابلہ نہیں کیا تھا؟''

عبداللہ: ''ضرور کیا ہے۔ نہایت جرات اور بڑی ہمت سے کیا ہے مگر اپنی طاقت کو ٹٹول کر بتاؤ کہ آج بھی کل کی طرح سے لڑ سکتے ہو۔''

تیسرا: ''کیوں نہیں لڑ سکتے۔''

عبداللہ: ''میرے خیال میں تو ہر مسلمان کے بازو اس قدر شل ہو رہے ہیں کہ آج چند گھنٹے تک بھی کل جیسے جوش وخروش کے ساتھ نہیں لڑ سکتے۔''

پانچواں: ''یہ صحیح کہہ رہے ہیں۔''

عبداللہ: ''اگر میں سمجھتا کہ تم کل ہی کی طرح ایک ہفتہ بھی لڑ سکتے ہو تو ہرگز صلح کر لینے کی ترغیب نہ دیتا۔

چھٹا: ''اگر آپ صلح کرنا چاہتے ہیں تو......''

عبداللہ: ''میری دلی خواہش نہیں ہے میں تو مسلمانوں کی شفقت کی وجہ سے ایسا کرنے پر آمادہ ہوا ہوں۔''

ساتواں: ''حقیقت یہ ہے کہ بہتری تو صلح کر لینے میں ہی ہے لیکن ان عیسائیوں کے قول و فعل پر دل نہیں جمتا۔''

عبداللہ: ''کیفیت میری بھی یہی ہے لیکن جب یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ اپنے عہد و اقرار پر قائم رہیں اور مسلمانوں کی عزت اور جانیں بچ جائیں تو صلح کی طرف طبیعت جھکنے لگتی ہے۔''

پہلا: ''اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ہم دام فریب میں پھنس کر آسانی سے قتل نہ کر دیے جائیں۔''

دوسرا: ''میرا دل کہتا ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔''

عبداللہ: ''جب تو جانے دیجئے۔''

پانچواں: ''ذرا ابھی اور غور کیجئے۔''

عبداللہ: ''میں نے آج کی مہلت لے لی ہے۔ آپ سب آج تمام دن اور ساری رات غور و خوض کر لیں اور کل صبح کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔''

چھٹا: ''ہاں! ٹھیک ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر سوچ لے۔''

عبداللہ: ''حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم مصالحت کر کے قلعہ عیسائیوں کے حوالہ کر دیں اور مع الخیر تونیہ پہنچ بھی جائیں تب بھی ہماری نیک نامی کو بٹہ ضرور لگے گا۔ اگر کسی طرح مسلم عورتوں عصمتیں اور مسلمانوں کی جانیں بچ جائیں تو میں قلعہ حوالے کر دینے کی بزدلی کے الزام کو بھی گوارا کر لوں گا۔''

ساتواں: ''یہ واقعہ ہے کہ آپ اور آپ ہی کیا ہر مسلمان مسلمانوں کی زندگیوں اور مسلم عورتوں کے ناموس سے افضل کسی بات کو بھی نہیں سمجھتا۔ بہتر ہے کہ آج سب غور کر لیں اور کل کسی ایک بات پر قائم ہو جائیں۔''

کچھ دیر تک اور باتیں ہوتی رہیں اور پھر یہ مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی اور مسلمان دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ وہ دن اور اس کی رات گزر کر جب دوسرا دن ہوا تب صبح کی نماز پڑھتے ہی مسلمان جمع ہوئے۔ عبداللہ نے دریافت کیا۔ ''کہئے! کیا سوچا ہے آپ نے؟''

ایک نے کہا۔ ''پیٹر دی ہرمٹ ہمیں امن و امان سے چلے جانے کا اطمینان دلا دے تو صلح کر لینا ہی مناسب ہے۔''

دوسرا: ''لیکن میرا دل کھٹکتا ہے۔ عام عیسائی ہوں یا فوجی افسر بادشاہ ہو یا کوئی پادری ان سب کی طینت ایک ہی ہوتی ہے۔ فطرت نہیں بدلا کرتی۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ ضرور بدعہدی کرینگے۔''

تیسرا: ''مگر ہم تقدیر کے قائل ہیں اگر ہماری قسمت میں ہی فنا ہونا لکھا ہے تو کوئی طاقت ہمیں نہیں بچا سکتی اور اگر زندگیاں ہیں تو کوئی ہمیں مار نہیں سکتا اس لئے عیسائیوں کے عہد و پیمان پر نہیں بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے مصالحت کی سعی کیجئے۔''

چوتھا: ''صحیح فیصلہ یہی ہے۔''

پانچواں: ''بالکل ٹھیک ہے اگر وہ دغا بازی کریں گے تو ہم بھی جان پر کھیل جائیں گے اور جہاں مسیحیوں کی بدعہدی یاد رہے گی وہاں ہماری بہادری کی شہرت بھی قائم رہے گی۔''

عبداللہ: ''تو گویا آپ اس بات پر متفق ہیں کہ مصالحت کر لی جائے۔''
سب نے کہا۔''ہاں! کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔''
عبداللہ: ''بہتر ہے۔''
ابھی اس کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ چند عیسائی سفید جھنڈا لئے قلعہ کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آئے۔عبداللہ نے انہیں دیکھ کر کہا۔''وہ عیسائیوں کا وفد آ رہا ہے۔میں ان سے دروازہ کے اندر بیٹھ کر گفتگو کروں گا۔دس آدمی میرے ہمراہ چلیں۔اس نے دس آدمیوں کے نام لئے اور انہیں ساتھ لے کر فصیل سے نیچے اُتر کر دروازہ کی طرف روانہ ہوا۔

☆☆☆☆
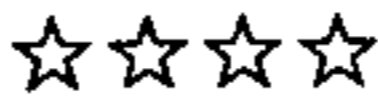
بتیسواں باب

بدعہدی

عبداللہ نہایت ہوشیار اور تجربہ کار افسر تھا۔وہ کئی معرکوں میں شریک ہو کر ناموری حاصل کر چکا تھا۔اس نے فوجی سپاہیوں کے علاوہ تمام مسلمانوں کو بھی فصیل پر چڑھا لیا تھا اور قلعہ کے دروازہ میں بھی سپاہی متعین کر دیئے تھے۔وہ اس دروازہ پر پہنچا جس کی طرف عیسائیوں کا وفد بڑھ رہا تھا۔اس نے دروازہ کھلوایا اور اس کے کمانچوں میں فرش کرا کر بیٹھ گیا۔دروازہ کے سامنے سپاہیوں کو اس طرح کھڑا کر دیا کہ کمانچوں میں بیٹھنے والوں کو ان کی تعداد زیادہ معلوم ہو۔تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوا کہ عیسائی وفد عین دروازہ کے سامنے آ گیا ہے۔وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر وفد کے استقبال کے لئے باہر نکلا۔

آج اس وفد میں پندرہ عیسائی تھے۔ان میں سے سات تو وہی تھے جو کہ گزشتہ روز آئے تھے ارو باقی افسر یا معزز لوگ تھے۔

مسلمانوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے ساتھ لے جا کر اس فرش پر بٹھایا جو ان کے آنے سے پہلے ہی بچھا دیا گیا تھا۔عیسائیوں نے اطمینان سے بیٹھ کر قلعہ کے اندر کی طرف جھانکا۔انہیں دور تک مسلم سپاہی کھڑے نظر آئے۔

پیٹر نے عبداللہ سے کہا۔''مسلم سردار! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے ہم عیسائیوں کا خیر مقدم کیا ہے۔''

عبداللہ: ''ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کا اخلاق مشہور ہے۔اس لئے یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم اپنے پاس آنیوالوں کا احترام کریں۔خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔''
پیٹر: ''مسلمانوں کی یہی خوبی انہیں ہر دلعزیز بنائے ہوئے ہے''

عبداللہ: ''ایک اور بات بھی ہے۔''

پیٹر: ''کیا؟''

عبداللہ: ''ہم صادق القول بھی ہیں۔''

پیٹر: ''ہاں! یہ بات مشہور ہے۔''

عبداللہ: ''آپ نے تاریخوں میں ہمارے عہد و پیمان اور ان پر عملدرآمد کے واقعات پڑھے ہوں گے۔ یہی بیت المقدس جس کو ہم سے لینے کے لئے آپ اتنی بڑی جمعیت لے کر آئے ہیں جب ہم نے فتح کیا تو کسی عیسائی کا بھی بال بیکا نہ ہونے دیا تھا۔''

پیٹر: ''یہ بات تو ساری دنیا کو معلوم ہے۔''

عبداللہ: ''آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ہم نے کبھی کسی عیسائی کو نہیں ستایا ہے۔''

پیٹر: ''یہ درست ہے۔''

عبداللہ: ''پھر آپ نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی کہ یورپ سے ٹڈی دل لشکر مذہبی جنگ کا بہانہ کر کے ملک گیری کی خاطر آئے۔''

پیٹر: ''مسلم سردار! ہم کو حضرت مسیحؑ نے بشارت دی ہے کہ ہم مقامات مقدسہ کو مسلمانوں سے واپس لیں۔''

عبداللہ: ''اور یہ بشارت کسے ہوئی ہے۔''

پیٹر: ''خود مجھے۔''

عبداللہ: ''کیا دیکھا ہے آپ نے؟''

پیٹر: ''یہی کہ حضرت مسیحؑ آئے اور اُنہوں نے فرمایا کہ بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کراؤ۔ وہ اس مقدس مقام کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔''

عبداللہ: ''آپ نے یہ دریافت نہیں کیا کہ کیا بے حرمتی کی جا رہی ہے۔''

پیٹر: ''نہیں! اس بات کو میں خوب جانتا ہوں۔''

عبداللہ: ''آپ کیا جانتے ہیں۔''

پیٹر: ''مسلمان آزادانہ جہاں جی چاہتا ہے آتے جاتے ہیں۔''

عبداللہ: ''مگر زیارت کرنے کے لئے اور نہایت ادب کے ساتھ۔''

پیٹر: ''خیر کچھ ہو لیکن یہ واقعہ ہے اچھا آپ نے کیا طے کیا؟''

عبداللہ: ''آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہم مسلمان خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔''

پیٹر: ''جب تو آپ کو مصالحت کر لینا چاہئے۔''

عبداللہ: ''میں تو تیار ہوں لیکن..........''

پیٹر: ''آپ کے سپاہی تیار نہیں ہیں۔''

عبداللہ: ''سپاہی بھی اور قلعہ کے تمام باشندے بھی۔''

پیٹر: ''انہیں کیا اعتراض ہے۔''

عبداللہ: ''وہ کہتے ہیں کہ عیسائی اکثر دھوکہ دیتے ہیں۔''

پیٹر: ''لیکن ہم دھوکہ دینے والوں میں سے نہیں ہیں۔''

عبداللہ: ''میں نے یہی سمجھایا ہے۔''

پیٹر: ''ہم مذہبی لوگ ہیں۔ فریب دینا بہت برا سمجھتے ہیں۔''

عبداللہ: ''میرا یہی خیال ہے مگر..........''

پیٹر: ''تمام مسلمان ایسا نہیں سمجھتے۔''

عبداللہ: ''جی ہاں!''

پیٹر: ''آپ انہیں ہماری طرف سے اطمینان دلا دیں۔''

عبداللہ: ''قلعہ والوں کے نمائندے ہمارے ساتھ ہیں آپ خود ہی ان کو مطمئن کر دیں۔''

پیٹر: ''مناسب ہے۔''

اب وہ مسلمانوں سے مخاطب ہوا اور اس نے کہا۔ ''آپ کو کیا شک ہے۔''

ایک مسلمان: ''یہی اندیشہ ہے کہ کہیں آپ ہمارے ساتھ دغا نہ کریں۔''

پیٹر: ''ہم اس کے لئے حلف اٹھانے کو تیار ہیں۔''

دوسرا مسلمان: ''آپ حلف بھی اٹھائیں اور کوئی ضمانت بھی دیں۔''

پیٹر کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا مگر اس نے ضبط کر کے کہا۔ ''ضمانت کیا چاہتے ہیں۔''

تیسرا: ''آپ اپنے چیدہ سردار ہمارے حوالے کر دیں ہم قلعہ آپ کے سپرد کر دیں گے۔''

پیٹر: ''یہ تو غیر مناسب بات ہے۔''

تیسرا: ''کیوں؟''

پیٹر: ''اس لئے کہ صلح کے متمنی ہم نہیں ہیں۔''

چوتھا: ''اور کون ہے؟''

پیٹر: ''آپ۔''

پہلا: ''مگر صلح کی سلسلہ جنبانی کس طرف سے شروع ہوئی ہے۔''

پیٹر: ''ہماری طرف سے اور وہ طرف اس لئے کہ ہم بندگان خدا کا خون بہانا پسند نہیں کرتے۔''

عبداللہ: ''جب یہ بات ہے تو آپ کا اس میں کیا نقصان ہے۔ کہ آپ ان کے اطمینان کے لئے صرف چار آدمی ان کے سپرد کر دیں۔''

پیٹر: ''اس میں ہماری سبکی ہے۔''

عبداللہ: ''مگر ذرا سی سبکیت سے اگر خونریزی رک جائے تو کیا حرج ہے۔''

پیٹر: ''یہ ذرا سی سبکی نہیں۔ اس لشکر میں یورپ کے تمام ممالک کے آدمی ہیں اس سے سارے یورپ میں ہماری تحقیر ہو جائے گی۔''

عبداللہ: ''اور ہم جو قلعہ آپ کے سپرد کر رہے ہیں کیا اس میں ہماری تذلیل نہیں ہے۔''

پیٹر: ''مگر تم تو مجبور ہو۔''

عبداللہ: ''کیا مجبوری ہے ہم کو۔''

پیٹر: ''اگر بخوشی قلعہ ہمارے حوالہ نہ کرو گے تو ہم بجبر اس پر قابض ہو جائیں گے۔''

عبداللہ: ''مگر پرسوں کی جنگ آپ نے دیکھی ہے۔''

پیٹر: ''دیکھی ہے۔''

عبداللہ: ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عیسائی آسانی سے قلعہ پر قابض ہو جائیں گے۔''

پیٹر: ''آسانی سے نہ سہی کچھ مشکلات کے بعد سہی مگر آخر تو ہم قبضہ کر ہی لینگے۔''

عبداللہ: ''ممکن ہے کہ اس عرصہ میں سلطان قزل ارسلان کو خبر ہو جائے اور وہ ہماری امداد کے لئے آجائیں۔''

پیٹر: ''اگر ہم سلطان یا اس کے لشکر سے ڈرتے تو یورپ سے چل کر اتنی دور کیوں آتے۔ آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ سے صرف یہی لشکر آیا ہے؟ نہیں! ایسے کئی لشکر آئے ہیں۔''

عبداللہ: ''اور کہاں ہیں۔''

پیٹر: ''ان میں سے ایک تو یہی ہے جو آپ کے قلعہ کے گرد پڑا ہے۔ دوسرا قلعہ اگزروگورو میں جا کر اس پر قابض ہو چکا ہے۔''

منسیا کے ان مسلمانوں کو اگزروگورو کے واقعات کا کچھ بھی علم نہ تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ صرف یہی لشکر آیا ہے مگر اب جبکہ پیٹر نے اس کا تذکرہ کیا تو تمام مسلمانوں کو حیرت ہوئی۔ عبداللہ نے حیران ہو کر دریافت کیا کیا اگزروگورو پر تمہارا قبضہ ہو چکا ہے؟''

پیٹر: ''ہاں! اس لشکر کا سردار رینالڈ ہے۔ نہایت بہادر اور مشہور آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے قلعہ والوں کو ترغیب دی تھی کہ وہ قلعہ خالی کر کے چلے جائیں لیکن وہ نہ مانے لڑے اور بالآخر سب کے سب مارے گئے۔''

ناظرین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ پیٹر نے کس قدر غلط واقعہ بیان کیا۔ وہ صریحاً جھوٹ بول رہا تھا لیکن مسلمانوں کو اس واقعہ کا بالکل بھی علم نہیں تھا اس لئے وہ اس کی بات کو سچ سمجھ رہے تھے۔ مسلمانوں کو اگزروگورو کا واقعہ سن کر نہایت ملال ہوا۔ عبداللہ نے کہا۔'' جب یہ واقعات ہیں تو ہم آپ کے عہد کا کیسے اعتبار کر لیں۔''

پیٹر:'' ہم مقدس انجیل کو اٹھا کر حلف اٹھائیں گے۔''

عبداللہ:'' لیکن آپ کے کسی ہمراہی نے کوئی چھیڑ خانی کر کے عیسائیوں کو برانگیختہ کر دیا اور انہوں نے لڑائی شروع کر دی تو تب کیا ہوگا؟''

پیٹر:'' ہم جو لوگ آپ کے سامنے بیٹھے ہیں سب اس بات کے ذمہ دار ہیں۔ کوئی بھی کسی قسم کی حرکت آپ کے ساتھ نہ کر سکے گا۔''

ایک اور پادری نے کہا'' آپ ہم عیسائیوں سے مشکوک ہیں اور کس وجہ سے ہم کو بد عہد خیال کرتے ہیں حالانکہ ہم عیسائی کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ کبھی بد عہدی نہیں کرتے۔ کبھی دھوکہ نہیں دیتے۔ آپ کو ہماا اطمینان کرنا چاہئے۔''

عبداللہ:'' ہم تو آپ کا اطمینان کر لیں گے مگر آپ کی قوم کے لوگوں نے اس سے پہلے بیسیوں مرتبہ جھوٹ بولا۔ بیسیوں مرتبہ بد عہدی کی اور سینکڑوں مرتبہ ہم کو دھوکہ دیا۔ یہ تمام واقعات تاریخوں میں مرقوم ہیں۔''

پیٹر:'' آپ ہمیں بھی آزما کر دیکھ لیں۔''

عبداللہ:''بہتر ہے! سنئے ہم لوگ مسلمان ہیں اور مسلمان تقدیر کے قائل ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے مقدر میں ہے وہ پیش آئے گا اگر آپ ہمیں دھوکہ دیں گے تو آپ کی بدعہدی تاریخوں میں لکھی جائے گی دنیا آپ کو ظالم اور ہم کو مظلوم کہے گی۔''

پیٹر:''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ؟''

عبداللہ:''ہم مصالحت کے لئے تیار ہیں۔''

یہ سن کر پیٹر کی آنکھیں چمکنے لگیں'' اس نے خوش ہو کر کہا اچھی بات ہے۔''

عبداللہ:''اچھا! حلف کون اُٹھائے گا؟''

پیٹر:''جسے آپ کہیں گے۔''

عبداللہ:''چونکہ اس جنگ کے آپ ہی بانی ہیں اس لئے آپ ہی حلف اٹھائیں۔''

پیٹر:''میں تیار ہوں۔''

عبداللہ:''اچھا کہئے کہ میں انجیل مقدس کو درمیان میں دے کر اور خدا کو حاضر اور ناظر سمجھ

کر حلف اٹھاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو امن اور سلامتی سے نکل جانے دوں گا۔''

پیٹر نے وہی الفاظ دوہرائے جو کہ عبداللہ نے کہے تھے۔

عبداللہ: ''کہئے اگر میں ایسا نہ کروں تو ماء محمود یہ میں اونٹ کے گوشت کے لوتھڑے ڈال کر اسے ناپاک کر دوں۔''

اب ناظریں یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ عبداللہ کہتے تھے وہی پیٹر کہتا تھا غرضیکہ کہ جو جو عبداللہ کہتے تھے پیٹر کہتا رہا۔ جب قول اقرار اور عہد و پیمان ہو چکے تب عبداللہ نے کہا اب آپ ہم کو راستہ دے دیں اور خود قلعہ پر قبضہ کر لیں پیٹر بہتر ہے کہ میں لشکر کو قونیہ کے راستہ سے ہٹائے دیتا ہوں آپ بے خوف ہو کر قلعہ سے باہر نکل جائیں۔

عبداللہ: ''بہت اچھے۔''

پیٹر اور اس کے ساتھی اٹھے اور چلے گئے عبداللہ بھی اپنے ہمراہیوں کو لے کر قلعہ میں پہنچے اور انہوں نے تمام مسلمانوں کو ملا کر صلح کی اطلاع دے دی چونکہ یہ طے ہو چکا تھا کہ کوئی مسلمان اپنے ہمراہ کوئی سامان نہ لے جائے اس لئے سب نے اپنا سب کچھ قلعہ میں چھوڑ دیا اور محض ہتھیار لے کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور قلعے سے باہر نکلنے لگے اس قلعہ میں مسیحی بھی آباد تھے اگر سالہا سال سے وہ مسلمانوں کے ساتھ رہتے تھے اور مسلمانوں نے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی تھی اس لئے انہیں اُن کے چلے جانے کی مُسرت نہ ہونا چاہئے تھی مگر وہ خوش ہو رہے تھے تمام مسلمان قلعہ سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے انہوں نے قونیہ کے راستہ والے لشکر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

تھوڑی دیر میں پیٹر بھی آ گیا اُس نے آ کر کہا قونیہ کا راستہ والا لشکر آ رہا ہے۔ قلعہ پر وہی قبضہ کرے گا۔ مسلمان مطمئن ہو کر کھڑے رہے اور مسیحی لشکر ان کی طرف آتا رہا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچ گیا تو اس کے دو حصے ہو گئے اور وہ اس طرح سے بڑھنے لگا کہ جس سے مسلمانوں کو کچھ اندیشہ نہ تھا اس لئے وہ بے خوفی سے جیسے کھڑے تھے کھڑے رہے جب عیسائی لشکر مسلمانوں کے چاروں طرف پھیل گیا تب وہ تلواریں سونت سونت کر ان کی طرف بڑھنے لگے۔

پیٹر پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے قہقہہ لگا کر کہا ''بیوقوف مسلمانو! ہمارے قول و فعل پر اعتماد کرنے کا خمیازہ بھگتو۔''

یہ سن کر مسلمان چونکے اور غدار و بد عہد پیٹر کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆

تینتیسواں باب

خون ریز معرکہ

عیسائیوں نے جب مسلمانوں کو چاروں طرف سے نرغہ میں لے لیا تھا ان کے اور قلعہ کے درمیان میں عیسائیوں کی دیوار حائل ہو گئی تھی اب نہ وہ قلعہ کے اندر جا سکتے تھے اور نہ کسی اور طرف نکل سکتے تھے پیٹر ان کی گرفت سے بہت دُور نکل گیا تھا اور عیسائی سپاہیوں کی بڑی تعداد بیچ میں آ گئی تھی مکار اور بدعہد پیٹر کو دیکھ کر مسلمان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ایک مسلمان نے کہا۔ دیکھی ان عیسائیوں کی حرکت! عبداللہ اس وقت شرمندہ معلوم ہوتے تھے انہوں نے کہا دیکھی میں انہیں مکار اور دغاباز نہ سمجھتا تھا۔

دوسرا: ''جس قوم نے اپنے ہادی حضرت عیسیٰؑ کو دھوکہ دیا ہو وہ کسی اور کو فریب دیتے ہوئے کب جھجک سکتی ہے؟''

عبداللہ: ''ٹھہرو میں اس بدکار پادری سے گفتگو کرتا ہوں۔''

تیسرا: ''کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔''

عبداللہ: ''جانتا ہوں مگر اُسے شرمندہ تو کرلوں۔''

چوتھا: ''شرمندہ کیا دغاباز لوگ شرمندہ ہوا کرتے ہیں۔''

عبداللہ: ''خیر تاہم مجھے گفتگو کر لینے دو۔''

وہ پیٹر سے مخاطب ہو کر بولے مقدس پادری کیا یہی عہد تھا؟ پیٹر نے خون خوار نظروں سے دیکھ کر کہا کافر کتو! تم نے پرسوں ہمارے بہت سے جانبازوں کو زخمی کر دیا تھا جن میں سے بہت سے مر گئے ہیں ان کا انتقام لینے اور قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے اس سے آسان اور مفید اور کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔

عبداللہ: ''گویا حلف اٹھانا اور حلف اٹھا کر فریب دینا تم جائز سمجھتے ہو۔''

پیٹر: ''جنگ ہے اور جنگ کی حالت میں ایسا کرنا روا ہے۔''

عبداللہ: ''کیا ہم مسلمانوں نے بھی کبھی ایسا کیا ہے۔''

پیٹر: ''تم بے وقوف ہو عقلمند آدمی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور بے وقوف منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔''

عبداللہ: ''مگر جانتے ہو کہ خدا ایسے مکاروں کو کیا سزا دیتا ہے۔''

پیٹر: ''سزا تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ سزا کس کو ملتی ہے ذلیل اور مقہور کون ہوتا ہے اور فتح

کس کی قسمت میں لکھی ہے۔''

عبداللہ: ''دغاباز اور مکار پادری سُن! خدا فریب کاروں کو عبرتناک سزا دیتا ہے یہ ممکن ہے کہ تو اور تیرا لشکر اس وقت فتح یاب ہو جائے لیکن عنقریب تم اپنی آنکھوں سے دغابازی کا انجام دیکھ لو گے اور تیرا یہ لشکر......''

پیٹر نے مسکرا کر کہا۔ اسلامی سلطنتوں کو تہ بالا اور مسلمانوں کو مٹا ڈالے گا۔ عبداللہ نے جوش میں آ کر کہا نہیں بلکہ یہ تمام لشکر قتل کر دیا جائے گا۔ اور سپاہیوں کی لاشیں جانوروں کی خوراک بن جائیں گی۔

پیٹر: ''دیکھا جائے گا میں تمہیں امن اور سلامتی کی راہ بتاؤں۔''

عبداللہ: ''تو کیا راہ بتائے گا۔''

پیٹر: ''اگر تم میرے مشورہ پر عمل کرو گے تو تمہاری جانیں بچ جائیں گی۔''

عبداللہ: ''اطمینان رکھ اب ہم تیری مکاری کے جال میں زیادہ نہیں پھنس سکتے۔''

پیٹر: ''احمقو سنو! اگر تم ہتھیار ڈال دو تو اب بھی ہم تمہیں امن اور سلامتی سے نکل جانے کی اجازت دے دیں گے۔''

عبداللہ: ''فریبی کتے! اب تجھے اور تیری قوم کو ہمارے ہتھیاروں کا ذائقہ چکھنا ہوگا۔''

یہ کہتے ہی عبداللہ نے اپنے ہمراہیوں سے خطاب کر کے کہا دلیرو تلواریں کھینچ لو فوراً تمام مسلمانوں نے تلواریں کھینچیں اور انہوں نے حیرت انگیز پھرتی سے عورتوں اور بچوں کو بیچ میں لے کر ان کے گرد حصار قائم کر لیا جب عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو گئے ہیں وہ بڑھے لیکن پیٹرو نے بلند آواز سے کہا۔

مسلمانوں خیریت اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال دو تم تمہاری عورتیں اور تمہارے بچے اسی طریقہ سے محفوظ رہ سکتے ہیں

عبداللہ: ''دغاباز بھیڑیے اب تیرا اور تیری قوم کا ہم کبھی اعتبار نہیں کریں گے۔''

پیٹر نے ناراض ہوتے ہوئے کہا بے وقوفو! اگر تم موت سے کھیلنا ہی چاہتے تو کھیلو اب اس نے عیسائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

بہادرو ان بدبختوں کا خاتمہ کر دو یہ مسیحی لشکر جس نے ان مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا تھا تقریباً تیس ہزار تھا پھر ہر طرح سے مسلح اور لوہے کی ذرہ بکتروں میں غرق تھا مسلمان سپاہی تو تقریباً پانچ سو 500 ہی تھے شہری مرد دو ہزار 2000 کے قریب تھے جن میں بڈھے جوان اور نوجوان سب ہی شامل تھے اور ایک ہزار 1000 عورتیں اور بچے تھے تیس ہزار 3000 عیسائیوں

کے مقابلہ میں ان کا کوئی شمار اور قطار ہی نہ تھا مگر اس پر بھی نہ وہ بد دل ہوئے نہ گھبرائے نہ سہمے نہ بدحواس ہوئے بلکہ نہایت اطمینان اور استقلال سے کھڑے رہے۔

عیسائی پیٹر کی آواز سنتے ہی بڑھے بڑے جوش اور غصہ میں بڑھ کر اور انہوں نے بڑھتے ہی نہایت شدت سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمان اس حملہ کے لئے آمادہ ہو چکے تھے انہوں نے اپنی ڈھالوں پر ان کے وار روکے اور پھر خود بھی حملہ کر دیا تلواریں تڑپ تڑپ کر اٹھنے اور اٹھ اٹھ کر انسانوں کے سروں پر جھکنے لگیں چونکہ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور خوب چمک رہی تھی اس لئے دھوپ میں صاف اور شفاف تلواریں بجلی کی طرح کوندتے ہوئے اٹھ رہی تھیں۔ جنگ شروع ہوگئی تھی ہر فریق جوش اور غضب میں بھر گیا تھا اور ہر فریق کا سپاہی نہایت سختی سے حملے کر رہا تھا عیسائی سمجھے تھے کہ مسلمان ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں ان کا خیال تھا کہ وہ انہیں حملہ کرتے ہی ختم کر ڈالیں گے اور پھر معصوم بچوں اور عصمت مآب خواتین پر ایسے مظالم کریں گے جن سے کہ انسانیت لرز جائے گی، دنیا کانپ اُٹھے گی، آسمان تھرا جائے گا اور وحشیانہ بربریت کی زندہ یادگار قائم ہو جائے گی مگر جب انہوں نے مسلمانوں کو ان کے حملے روک کر خود حملے کرتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ مسلمان بھی کوئی تر نوالہ نہیں ہیں ان تھوڑے سے مسلمانوں کو زیر کر لینا بھی کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر پھینکنے سے کم نہیں ہے۔

پہلے تو وہ اندھا دھند حملے کرنے لگے لیکن جب مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا تو سنبھل کر لڑنے لگے مسلمانوں میں خدا نے کچھ ایسی قوت بھر دی تھی کہ ان میں سے ہر شخص جس طرف حملہ کرتا تھا کئی کئی عیسائیوں کو مار کر دم لیتا تھا ان کی تلواریں نہایت پھرتی سے بلند ہو ہو کر سر و تن کے فیصلے کر رہی تھیں۔ عیسائی مر مر کر گر رہے تھے خون بارش کے پانی کی طرح بہنے لگا تھا مسلمانوں نے ایک وسیع حلقہ قائم کر لیا تھا اور اس حلقہ کے چاروں طرف جنگ ہو رہی تھی عیسائی انہیں مار ڈالنے کے لئے بڑے جوش سے حملہ کر رہے تھے البتہ خود ان کے سپاہی اس طرح سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے جس طرح سے کھیت کاٹنے والے کھیت کی جنس کاٹ کاٹ کر گراتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تلواریں جلد جلد اٹھ رہی تھیں اور نہایت پھرتی سے کاٹ کر رہی تھیں۔ لاشوں پر لاشیں گرا رہی تھیں۔

اگرچہ عیسائی کٹ کٹ کر گر رہے تھے مگر ان کے حوصلے اب بھی پست نہ ہوئے تھے اور وہ محض اس لئے کہ ان کی تعداد اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود سینکڑوں آدمیوں کے مر جانے کے ان کی تعداد میں نمایاں کمی واقع نہ ہوئی تھی اور اسی لئے وہ ابھی تک بڑھے ہوئے لڑ رہے تھے اور مر رہے تھے۔

نہایت خون ریز جنگ ہو رہی تھی خون کے فوارے ابل رہے تھے ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے باوجودیکہ مسلم عورتیں اور بچے لڑ نہ رہے تھے لیکن خون ایسا برس رہا تھا کہ وہ بھی سب خون میں نہا گئے تھے۔

مسلمانوں کے کپڑوں چہروں اور دوسرے اعضا پر خون پڑ پڑ کر جم گیا تھا اور جم کر سیاہ ہو گیا تھا۔ یوں تو ہر مسلمان بڑے جوش بڑی دلیری اور بڑی جرات سے لڑ رہا تھا مگر عبداللہ خاص طور پر اس بہادری سے جنگ کر رہا تھا کہ حیرت ہوتی تھی جس طرف وہ حملہ کرتا تھا عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح قتل کر رہا تھا۔ جس گروہ پر ٹوٹتا تھا اسے درہم برہم کر دیتا تھا اس نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا تھا اور جوں جوں وہ قتل کرتا جاتا تھا اور جوش میں آ کر اور بھی تیزی سے حملے کرتا تھا اس کی تلوار بجلی کی طرح اٹھتی، گرتی اور قتل کرتی تھی عیسائی اس سے ڈرنے لگے تھے کافی خون ریزی کرنے کے بعد اس نے ادھر اُدھر دیکھا اسے ہر طرف خون آشام تلواریں اٹھتیں جھکتیں اور خون برساتی نظر آئیں۔

اس نے آہستہ سے کہا مسلمانو! لڑتے ہوئے ہٹ کر قلعہ کی طرف بڑھو مگر نظام خراب نہ ہو جائے حصار نہ ٹوٹے اس کا خیال رہے کہ اب وہ خود حصار کے اندر گیا اور عورتوں اور بچوں کے بیچ میں سے نکل کر اس طرف پہنچا جس طرف قلعہ کا دروازہ تھا اس طرف بھی جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی اور بہادر اس آگ میں جل رہے تھے ادھر بھی مسلمان بڑے زور شور سے لڑ رہے تھے انہوں نے اپنے سامنے عیسائی مردوں کے ڈھیر لگا رکھے تھے اور خون پانی کی طرح سے بہا پھر رہا تھا۔ عیسائی شور مچا رہے تھے، زخمی چلا رہے تھے، گھوڑے ہنہنا رہے تھے ان آوازوں سے میدان گونج رہا تھا پیٹر ایک طرف کھڑا ہوا جنگ کی چکی کو چلتے اور اس میں اپنی ہی قوم کو پستے ہوئے دیکھ رہا تھا اسے غصہ آ رہا تھا اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں دمک رہی تھیں مگر وہ خود کچھ نہ کر سکتا تھا اس لئے کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔

اس کا اور تمام عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ مسلمان تھوڑی دیر مقابلہ کر کے زیر ہو جائیں گے۔ لیکن جب جنگ نے طول کھینچا تو انہیں تعجب ہوا اور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ مسلمانوں سے زیادہ بہادر، سرفروش اور جنگجو قوم دنیا کے تختہ پر نہیں ہے۔

عبداللہ نے قلعہ کی طرف پہنچتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا مسلمان کچھ ایسے لڑائی میں مصروف تھے کہ وہ نعرہ لگانا بھی بھول گئے تھے اس نعرہ کی آواز سنتے ہی انہوں نے بھی نہایت زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور نعرہ لگاتے ہی ہر شخص نے جوش میں آ کر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ عیسائیوں کی پوری کوشش صرف کر دینے پر بھی انہیں کئی قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا جو

مسیحی قلعہ کے دروازے کی طرف کھڑے لڑ رہے تھے وہ اس قدر پیچھے ہٹے کہ فصیل کی دیوار سے جا لگے۔

عبداللہ نے کہا یہی موقعہ ہے بس ایک ہی حملہ اور نہایت سختی اور پوری طاقت سے کرو اور پھر ہم انشاء اللہ قلعہ میں داخل ہو جائیں گے ان کے قریب کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کی آواز سن لی سب نے جوش میں آ کر حملہ کیا خود عبداللہ نے اس شدت سے حملہ کیا کہ عیسائی گھبرا کر ادھر اُدھر ہٹنے لگے مسلمانوں نے ان پر یورش کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

اگرچہ عیسائی بھی لڑائی میں بڑا روز لگا رہے تھے لیکن موت سے ڈرتے تھے اور مسلمان موت کا استقبال کر رہے تھے۔ اس لئے عیسائی مر رہے تھے اور مسلمان مار رہے تھے جب اس طرف کے عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے تب وہ ان کے اور فصیل کے درمیان سے ہٹ گئے اب میدان صاف ہو گیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا ہی مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں کو دروازہ میں داخل ہو کر قلعہ میں چلے جانے کا اشارہ کیا وہ بڑھے اور قلعہ میں پہنچ گئے۔

عیسائیوں کو یہ دیکھ کر بڑا غصہ آیا وہ سمجھ گئے کہ اب لڑنے والے مسلمان بھی قلعہ میں چلے جائیں گے اور پھر وہ مکر و فریب وہ دغابازی جو کہ انہوں نے اور ان کے مذہبی گروہ پادری نے کی تھی بے کار رہ جائیں گی اس لئے انہوں نے تینوں طرفوں سے مسلمانوں کو دبا کر ان پر سختی سے حملہ شروع کر دیئے مسلمان اس بات کو پہلے ہی سے جانتے تھے وہ اس حملہ اور اس کے جواب کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے چنانچہ انہوں نے ایسا شدید جوابی حملہ کیا کہ سینکڑوں عیسائیوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ ہزاروں کو زخمی کر دیا اور انہیں ایسا دبایا کہ وہ دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے ان کے پیچھے ہٹتے ہی مسلمان تیزی سے قلعہ کی طرف چلے اور ایک کثیر تعداد ان کی قلعہ میں داخل ہو گئی عیسائیوں نے جوش اور غصہ سے بھر کر پھر ان پر حملہ کیا پھر مسلمان پلٹے اور پھر انہوں نے شمشیر زنی شروع کی پھر مار دھاڑ کرنے اور خون کے دریا بہانے لگے۔

عیسائی اور بھی زور زور سے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے مگر مسلمان ان کی روباہ بازیوں سے مرعوب ہونے والے نہ تھے وہ انہیں دور تک مارتے کاٹتے بڑھتے چلے گئے۔

جب عیسائی دُور تک ہٹتے چلے گئے تو وہ پھر تیزی سے پیچھے ہٹے اور بڑی پُھرتی سے قلعہ میں داخل ہو گئے قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے پھاٹک بند کر لیا اور عیسائی ہزاروں سپاہیوں کو کٹوا کر حیرت بھری نظروں سے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

یوں تو ہر عیسائی حیران ہو رہا تھا مگر سب سے زیادہ حیرت پیٹر کو ہو رہی تھی تب آفتاب

مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور دو حصے سے زیادہ دن ختم ہو چکا تھا عیسائیوں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اس وقت قلعہ پر حملہ کردیں۔ چنانچہ وہ کچھ سوچ کر واپس لوٹے اور قونیہ کے راستہ پر اسی جگہ ٹھہرے جس جگہ سے چل کر آئے تھے۔

☆☆☆☆

چونتیسواں باب

ایک بڈھا

حنا کو الزہرہ سے بہت زیادہ محبت تھی وہ اسے اپنی سگی بہن سے زیادہ چاہنے لگی تھی اُسے یہ خیال بھی نہ تھا کہ الزہرہ اُسے دفعتاً چھوڑ کر میدان جنگ میں چلی جائے گی اُسے اس سے جُدا ہونے کا بیحد ملال تھا اس قدر ملال کہ اُسے ان کمروں میں جاتے جن میں الزہرہ مقیم تھی بڑا رنج ہوتا تھا چنانچہ اس نے ان کمروں میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا جب تک الزہرہ قونیہ میں رہی وہ اس کے پاس رہتی تھی ایک منٹ کو بھی اس سے جدا نہ ہوتی تھی اپنے والد کے پاس بھی کبھی کبھی باور وہ بھی بُلانے سے آجاتی تھی حقیقت یہ ہے کہ وہ نیک، بھولی اور سادہ لوح صاف دل اور بڑی محبت کرنے والی لڑکی تھی چنانچہ اس نے الزہرہ سے محبت کرنا شروع کردی چونکہ الزہرہ میں بھی وہ تمام اوصاف تھے جو اس میں تھے اس لئے اس کی محبت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ الزہرہ نے بھی اس کی محبت کا جواب محبت ہی سے دیا تھا۔ ایک الزہرہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ان تمام مکان نہ صرف مکان بلکہ سارا شہر سوتا معلوم ہوتا تھا۔

اگرچہ صفیہ الزہرہ کی والدہ اس کی وجہ سے کئی کنیزیں مکان کے اندر چھوڑ گئی تھیں اور اُسے ہر کمرے میں جانے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن اب اس کا اس مکان میں بھی جی نہ لگتا تھا۔

وہ اپنے باپ کے پاس باہر ہی کے حصے میں رہنے لگی تھی الیاس دیکھ رہا تھا کہ اس کی عزیز از جان بیٹی حنا کچھ چُپ چُپ سی رہنے لگی ہے اُسے اندیشہ ہونے لگا کہ مبادا وہ بیمار نہ ہو جائے۔

چنانچہ ایک دن اس نے کہا بیٹی تو چُپ چُپ کیوں رہتی ہے کیا تجھے اس شہر کی آب وہوا موافق نہیں آئی؟

حنا نے کہا نہیں ابا۔ ''اس شہر کی آب وہوا تو نہایت اچھی ہے بلکہ یہاں آکر میری صحت بہت اچھی رہنے لگی ہے۔''

الیاس: ''مگر میں سمجھتا ہوں کہ تجھے کوئی عارضہ لاحق ہوگیا ہے اور تو مجھ سے چھپانا چاہتی

ہے۔''

حنا: ''نہیں میں بالکل تندرست ہوں۔''

الیاس: ''پھر خاموش کیوں رہتی ہو۔''

حنا: ''آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ الزہرہ سے مجھے بے حد محبت ہو گئی ہے۔''

الیاس: ''ہاں یاد ہے۔''

حنا: ''اور وہ میدان کارزار میں چلی گئی ہے۔''

الیاس: ''شاید تو دل ہی دل میں اسے یاد کرتی ہے۔''

حنا: ''ہاں ابا جان ہر وقت میری نظروں کے سامنے اس کی تصویر پھرتی رہتی ہے۔''

الیاس: ''لیکن اس طرح تو تُو اُسے یاد کرتے کرتے بیمار ہو جائے گی۔''

حنا: ''یہ شُبہ مجھے بھی ہو گیا ہے۔''

الیاس: ''رفتہ رفتہ اس کا خیال چھوڑ دے۔''

حنا: ''چھوڑنا چاہتی ہوں مگر نہیں چھوٹتا۔''

الیاس: ''اس کے خیال کو دل میں آنے ہی نہ دو۔''

حنا: ''اس کے متعلق میں کوشش کر چکی ہوں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔''

الیاس: ''تو نے اتنی محبت بڑھائی ہی کیوں؟''

حنا: ''کیا کہوں ابا جان تم نے اُسے دیکھا ہی نہیں ہے وہ بڑی نیک، بھولی اور ہنس مکھ وخلیق لڑکی ہے۔''

الیاس: ''اور خوبصورت بھی۔''

حنا: ''بہت زیادہ خوبصورت ہے۔''

الیاس: ''کیا اپنے بھائی غالب سے بھی زیادہ حسین؟''

غالب کا نام سن کر حنا کے چہرے پر سرخی آ گئی، مگر فوراً غائب ہوگئی۔ اس نے کہا ہاں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر خوبصورت ہے۔

الیاس: ''مگر تم نے محبت بڑھالی اور یہ خیال نہ کیا کہ تجھے اُس سے جُدا ہونا پڑے گا۔''

حنا: ''جانتی تھی کہ اُس کی شادی ہونے والی ہے لیکن......''

الیاس: ''اس کی شادی تو ہوگی جب ہوگی، تجھے تو بیت المقدس جانا پڑے گا۔''

حنا: ''جانا پڑے گا......؟''

الیاس: ''ہاں۔''

حنا: ''نہیں ابا وہاں نہ جانا مجھے تو وہاں جانے سے خوف سا آتا ہے۔''

الیاس: ''مگر ہم کب تک اس شریف انسان کے مہمان رہیں گے۔''

حنا: ''آپ اسی شہر میں اپنا کاروبار کیوں نہ شروع کر دیں۔''

الیاس: ''اگر تو وہاں نہ جانا چاہے گی تو مجبوراً یہیں رہنا پڑے گا۔''

حنا: ''یہ لوگ بڑے ہی شریف اور نیک ہیں۔''

الیاس: ''تو سچ کہتی ہے۔''

حنا: ''الزہرہ مجھے اپنی بہن اور اس کی والدہ اپنی بیٹی سمجھتی ہیں۔''

الیاس: ''کس قدر نیک دل ہیں یہ لوگ۔''

حنا: ''خدا انہیں جلد سلامتی سے لائے۔''

الیاس: ''آمین۔''

حنا: ''ان مسلمانوں میں کس قدر محبت ہے کہ اگلا روگورو کے مسلمان کی تباہی کا حال سنتے ہی سب دوڑ پڑے۔''

الیاس: ''ان کی باہمی محبت پر رشک آتا ہے آج دنیا میں کوئی قوم بھی مسلمانوں سے زیادہ آپس میں محبت نہیں رکھتی۔''

حنا: ''یہی بات ہے دیکھئے مرد تو مرد عورتیں بھی اور بچے بھی تو چلے گئے۔''

الیاس: ''اور کس جوش سے گئے ہیں۔''

حنا: ''عورتوں اور بچوں نے درخواستیں دے دے کر سلطان کو مجبور کیا کہ وہ انہیں بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔''

الیاس: ''یہ زندہ اقوام کی باتیں ہیں بیٹی۔''

حنا: ''اور پھر ادنیٰ و اعلیٰ نہیں ہوتے یہ لوگ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔''

حنا: ''اس لئے تو ان میں محبت بھی زیادہ ہے۔''

الیاس: ''یہی بات ہے جو لوگ ایک جگہ کھانا کھاتے ہیں ان میں محبت بڑھ ہی جایا کرتی ہیں۔''

حنا: ''ان میں شادیاں بھی تو مخلوط طور پر ہوتی ہیں۔''

الیاس: ''اس سے کیا مطلب ہے تیرا۔''

حنا: ''یعنی امیر کبیر آدمی ایک ادنیٰ آدمی کے یہاں شادی کر لیتا ہے۔''
الیاس: ''اس میں چھوٹے بڑے کی تخصیص ہی نہیں ہے تو ایسی شادیاں کیوں نہ ہوں۔''
حنا: ''زیادہ تر باہمی محبت کی یہی وجہ ہے۔''
الیاس: ''بیٹی آج تو اور دنوں سے زیادہ پژمردہ معلوم ہوتی ہے۔''
حنا: ''آج ہی مجھے الزہرہ زیادہ یاد آ رہی ہے۔''
الیاس: ''پھر تو اُ کے ساتھ کیوں نہ چلی گئی۔''
حنا: ''اُس نے اور اس کی والدہ نے مجھ سے کہا تھا مگر میں آپ کے خیال سے نہ گئی۔''
الیاس: ''اگر تو مجھ سے کہتی تو میں تجھے اجازت دے دیتا۔''
حنا: ''اور ابا جب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی میں اس خیال میں رہی کہ آپ اجازت نہ دیں گے وہ آپ کو بھی اپنے ہمرہ لے جانا چاہتے تھے۔''
الیاس: ''خیر میں تو شاید نہ جاتا۔''
حنا: ''مجھے بھی یہی خیال تھا۔''
الیاس: ''دراصل تو نے اس وقت اپنی محبت کا اندازہ نہ کیا تھا۔''
حنا: ''یہ بات بھی ہے۔''
الیاس: ''اچھا اب تو روزانہ سیر کرنے چلا کر۔''
حنا: ''کیا آپ چلا کریں گے۔''
الیاس: ''ہاں۔''
حنا: ''تو صبح اور شام کے وقت چلا کیجئے اس سے کچھ تو طبیعت بہل جایا کرے گی۔''
الیاس: ''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔''
حنا: ''اچھا تو آپ بھی چلئے گا۔''
الیاس: ''ہاں چلوں گا ذرا آفتاب اور ڈہل جانے دو۔''
حنا: ''بہت اچھا۔''

اس کے بعد یہ متفرق امور پر گفتگو کرتے رہے جب چار پانچ گھڑی دن باقی رہ گیا تب حنا نے کہا اب چلئے ابا۔

الیاس: ''ہاں چل بیٹی کوئی اچھا سا لباس پہن لے۔''

حنا دوسرے کمرہ میں چلی گئی اور نہایت اچھا لباس پہن کر آ گئی یہ لباس اس کے پھوٹ نکلا وہ حسین تو تھی ہی اور بھی خوبصورت معلوم ہونے لگی۔ الیاس نے دو گھوڑے منگوائے اور دونوں

گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے شہر سے باہر نکل کر پرانے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اس وقت آفتاب اور بھی مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور سنہری دھوپ میدان میں پھیلی ہوئی تھی ان سنہری شعاعوں نے حنا کے چہرہ میں بجلیاں بھر دی تھیں اور اس کی صورت جگمگانے لگی تھی۔

یہ دونوں سیر کرتے ہوئے پرانے قلعہ کے کھنڈرات میں داخل ہو گئے اور ادھر اُدھر پھرنے لگے دیر تک پھرتے رہے کچھ دیر کے بعد وہ شمالی سمت میں چلے اس طرف ایک سبزہ زار وادی تھی اور کہیں کہیں کچھ جنگلی پھول بھی کھڑے تھے وہ اسی طرح سیر کرتے چلے جا رہے تھے کہ دفعتاً ایک آواز آئی ذرا ٹھہرو دونوں آواز کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے انہیں ایک آدمی ان کی طرف آتا ہوا نظر آیا یہ شخص بڈھا تھا اس کی سفید داڑھی ناف سے ذرا اُوپر آ کر رک گئی تھی۔ اس نے ان دونوں کے قریب آ کر کہا۔

''تم یہودی معلوم ہوتے ہو؟''

الیاس نے کہا ہاں اور تم شاید مسلمان ہو۔

بڈھا: ''ہاں میں آوارہ وطن پردیسی مسلمان ہوں۔''

الیاس: ''آپ کا وطن کہاں ہے۔''

بڈھا: ''اب کہاں ہوتا کسی وقت تھا۔''

الیاس: ''کہاں تھا۔''

بڈھا: ''قلعہ اگزرہ گورو میں۔''

الیاس: ''اوہو تم بھی خانماں برباد ہو گئے۔''

بڈھا: ''جی ہاں مشیت ایزدی یہی تھی۔''

الیاس: ''اب تم کہاں ٹھہرے ہو۔''

بڈھا: ''میں آج یہاں پہنچا ہوں چاہتا ہوں کہ کسی شریف آدمی کے پاس ٹھہر کر چند روز ستا لوں۔''

الیاس: ''آپ ہمارے ساتھ چلئے ہم خود بھی مہمان ہیں آپ بھی ہمارے ساتھ مہمان رہئے۔''

بڈھا: ''آپ کس کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

الیاس: ''غالب کے پاس جو سپہ سالار ہے۔''

بڈھا: ''سنا ہے غالب نہایت نیک آدمی ہے۔''

الیاس: ''ہاں بہت زیادہ نیک ہے وہ اگز رو گورولڑ نے گیا ہوا ہے واپس آ کر جب تم کو دیکھے گا تو بہت خوش ہو گا۔''

بڈھا: ''یہ لڑکی شاید تمہاری بیٹی ہے۔''

الیاس: ''جی ہاں۔''

بڈھا: ''کیا یہ کچھ بیمار ہے۔''

الیاس: ''میں تو یہی کہتا ہوں لیکن اسے اس سے انکار ہے۔''

بڈھا: ''آپ کا خیال صحیح ہے میں طبیب ہوں آدمی کا چہرہ دیکھ کر بیماری کا حال بتا دیتا ہوں یہ لڑکی بیمار ہے شاید اس پر کسی نے کسی وقت آنکھوں کی کشش سے کوئی اثر ڈالا ہو گا۔''

الیاس: ''آپ نے بالکل ٹھیک تشخیص کیا ہے۔''

بڈھا: ''انشاء اللہ اس کا علاج کروں گا۔''

الیاس: ''بڑی مہربانی ہوگی آپ کی یہ میری خوش قسمتی ہے آپ مل گئے۔''

بڈھا: ''نہیں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے نیک انسانوں سے ملاقات ہوگئی۔''

الیاس: ''اچھا تو ہمارے ساتھ آیئے۔''

بڈھا: ''چلئے۔''

اب یہ تینوں چلے اور شہر قونیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆

پینتیسواں باب

ترغیب جنگ

منسیا کے قلعہ کی فصیل کے نیچے دو اڑھائی ہزار مسلمانوں نے تیس ہزار عیسائیوں کا مقابلہ جس جرات اور ہمت سے کیا وہ اپنی آپ ہی نظیر تھا پھر اتنے تھوڑے لشکر میں بھی لڑائی والے صرف پانچ سو ہی تھے، مگر جب نہ لڑنے والوں نے بھی تلواریں سنبھالیں تو نہایت آزمودہ کار سرفروش کی طرح لڑے اس جوش وخروش سے لڑے کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اس لڑائی میں عیسائی چار ہزار قتل ہوئے اور تین ہزار مجروح مسلمان صرف سات شہید ہوئے اور سترہ 17 مجروح ہوئے پیٹر اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے لئے جس دغابازی اور ابلیسانہ فریب کاری کا جال بچھایا تھا وہ خود ان کے لئے ہی وبال جان بن گیا مسلمان اپنی عدیم المثال دلیری اور بہادری سے اس جال کو توڑ کر نکل گئے اور عیسائی اس شکاری کتے کی طرح منہ کھولے دیکھتے ہی رہ گئے جس کے جال سے شکار اڑ جاتا ہے۔

مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی دروازہ نہایت مضبوطی سے بند کرلیا اور جلدی جلدی فصیل پر چڑھ کر اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ جب مسیحی قلعہ پر حملہ آور ہوں تو وہ تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیں اور ان کو روک دیں۔ لیکن عیسائیوں کو قلعہ پر حملہ کرنے کی جرات ہی نہ ہوئی۔

وہ لوٹ کر اسی جگہ جا پہنچے جہاں ٹھہرے ہوئے تھے اس ناکامی کا ملال یوں تو ہر عیسائی کو تھا مگر سب سے زیادہ رنج وافسوس پیٹر کو تھا۔ وہ کف افسوس ملتا ہوا لوٹ گیا چونکہ اس کے سامنے عیسائی قتل اور مجروح ہوئے تھے اس لئے اسے صدمہ بھی تھا اور رنج بھی۔

وہ رہ رہ کر عیسائیوں کی پست ہمتی اور بزدلی پر تاسف کررہا تھا کہ تیس ہزار عیسائی اڑھائی ہزار مسلمانوں کو قتل نہ کر سکے تھے وہ خیال کرنے لگا کہ اگر عیسائی ایسی ہی کم ہمتی سے لڑے تو بیت المقدس کو کیسے فتح کرسکیں گے تاہم اسے اس خیال سے تسلی ہوگئی کہ عیسائیوں کا لشکر بے شمار ہے اور اگر یہ لشکر بھی کم ثابت ہوا تو مزید فوج اور آجائے گی اور اس وقت تک آتی رہے گی جب تک کہ مسلمانوں کا کلی طور پر استیصال نہ کردیا جائے گا۔ منیا کا قلعہ اس قدر مضبوط اور مستحکم تھا کہ اسے فتح کرلینا آسان نہ تھا چنانچہ اسی وجہ سے پیٹر نے فریب کا جال بچھایا تھا مگر اس میں اسے ناکامی ہوئی اس کے لشکر کے ہمراہ یورپ کی بہت سی پریزاد عورتیں اور مہ پارہ لڑکیاں تھیں خصوصاً حسین وجمیل فلورا بھی تھی۔

وہی فلورا جس نے کلرمانٹ کے عظیم الشان جلسہ میں تقریر کی تھی وہ نوعمر اور بے حد حسین تھی بالکل چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی یونانی النسل ہونے کی وجہ سے اس کے حُسن میں ملاحت تھی اور اسی وجہ سے اس کا چہرہ اس قدر دل کش تھا کہ جو اسے ایک مرتبہ دیکھ لیتا تھا دوبارہ دیکھنے کی کوشش کرتا تھا پیٹر نے رات کو کھانا کھانے کے بعد اس سیم وتن کو بلا کر کہا فلورا تم نے دیکھا کہ عیسائیوں کی بزدلی کی وجہ سے ہماری آج کی کوشش بے سود ہوگئی فلورا نے کہا جی ہاں دیکھا بڑا افسوس ہوا۔

پیٹر: ''افسوس کی بات ہی ہے میں نے حکمت عملی سے سانپوں کو ان کے بلوں سے نکالا تھا مگر پست ہمت عیسائیوں سے یہ بھی نہ ہوسکا کہ ان کے سر کچل ڈالیں۔''

فلورا: ''اب ایسا نایاب موقعہ ہاتھ آنا دُشوار ہے۔''

پیٹر: ''یہی بات ہے مگر حسین فلورا اب تیری جرات یہ کام کرسکتی ہے۔''

فلورا: ''میں ہر خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

پیٹر: ''شاباش حضرت مسیح کی پرستار شاباش۔''

فلورا: ''فرمایئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

پیٹر: ''کل تو لشکر لے کر قلعہ کی طرف بڑھ اور اس کا اعلان کر دے کہ جو کوئی صلیبی جھنڈا قلعہ کی فصیل پر گاڑ دے گا اسی کے ساتھ نکاح کر لوں گی۔''

فلورا: ''لیکن اگر کسی نے جان پر کھیل کر جھنڈا فصیل پر گاڑ دیا تو؟''

پیٹر: ''تو تجھے اس بہادر سے نکاح کر لینے میں کیا عذر ہوگا۔''

فلورا: ''شاید میں اسے پسند نہ کروں۔''

پیٹر: ''تب تو آزاد ہوگی اور میں اسے کسی نہ کسی طرح سمجھا لوں گا۔''

فلورا: ''تب مجھے منظور ہے۔''

پیٹر: ''تو اس قدر جمیل و حسین ہے کہ تیرے اس اعلان کے ہوتے ہی عیسائیوں میں جوش و خروش پیدا ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ وہ کل ہی قلعہ فتح کر لیں۔''

فلورا: ''خدا ایسا ہی کرے۔''

پیٹر: ''تیری اس کارروائی سے تمام دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی اور عیسائی دنیا تیرا زبردست احترام کرے گی۔''

یہ سن کر فلورا کا چہرہ اور بھی چمکنے لگا اس کے رُخساروں پر دل فریب سُرخی چھلک آئی اور اُس نے کہا جب تو شاید میں بھی دنیا کی ایک مشہور عورت ہو جاؤں گی۔''

پیٹر: ''یہ تیرے ہاتھ ہے کل جانبازی کی ایسی مثال قائم کر دے جو یادگار زمانہ رہے۔''

فلورا: ''مقدس باپ میری فتح یابی کی دُعا کیجئے۔''

پیٹر: ''میں تمام شب دُعا کرتا رہوں گا۔''

فلورا: ''میں بھی تمام شب دُعا مانگوں گی اور تیاری کرتی رہوں گی۔''

پیٹر: ''لیکن تجھے رات کو آرام اور اطمینان سے سونا چاہئے اس لئے کہ کل دن بھر محنت اور مشقت کرنی پڑے گی تیرے لئے دعا تو میں مانگتا رہوں گا۔''

فلورا: ''بہت اچھا۔''

پیٹر: ''اچھا اب تو جا اور آرام کر۔''

فلورا: ''بہتر ہے۔''

اب یہ ماہوش اٹھی اور وہاں سے چل کر اپنی قیام گاہ پر آ گئی رہ رہ کر اُس کے دل میں مشہور ہونے کا خیال جاگزین ہوتا چلا گیا پیٹر کے یہ الفاظ کہ ساری دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی عیسائی دنیا تیرا زبردست احترام کرے گی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے رات کو اُسے اول تو

نیند ہی بہت کم آئی اور آئی بھی تو خوش آئند خواب دیکھ کر اُچٹ گئی۔
صبح سویرے ہی وہ بیدار ہو گئی اور ضروریات سے فراغت کر کے اس نے مردانہ جنگی لباس پہنا۔ یہ لباس اس کے نہایت ہی بھلا معلوم ہونے لگا جب وہ لباس پہن کر فارغ ہوئی تو پیٹر آ گیا وہ اس بُت ہوشربا کو اس لباس میں دیکھ کر حیران رہ گیا اور حیرت بھری گرم نظروں سے اسے گھورنے لگا فلورا کچھ شرما گئی اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو مقدس باپ۔
پیٹر نے چونک کر کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اس لباس میں کس قدر حسین معلوم ہونے لگی ہے۔
فلورا نے مسکرا کر کہا آپ کا شکریہ۔
پیٹر: ''ناممکن ہے کہ تجھے اس لباس میں دیکھ کر تمام لشکر سرفروشی پر تیار نہ ہو جائے۔''
فلورا: ''کیا عورتیں بھی؟''
پیٹر: ''عورتیں تو تجھے دیکھ کر حسد کرنے لگیں گی۔''
فلورا: ''اور مرد۔''
پیٹر: ''تجھے حاصل کرنے کے لئے جان پر کھیل جائیں گے۔''
فلورا: ''اور میری شہرت؟''
پیٹر: ''تمام دنیا میں ہو جائے گی۔''
فلورا: ''میں شہرت ہی کی خواہش مند ہوں۔''
پیٹر: ''وہ تیری قدم بوسی کے لئے آمادہ ہے۔''
فلورا: ''مقدس باپ کیا آپ نے رات کو میری فتح یابی کی دُعا مانگی؟''
پیٹر: ''میں رات بھر دُعا مانگتا رہا ہوں۔''
فلورا: ''جب تو مجھے اپنی فتح کا یقین رکھنا چاہیے۔''
پیٹر: ''بے شک رات جب میں ریاضت کر رہا تھا تو......''
فلورا: ''حضرت مسیح تشریف لائے۔''
پیٹر: ''نہیں۔''
فلورا: ''پاک ماں (مریم علیہ اسلام) آئیں؟''
پیٹر: ''نہیں۔''
فلورا: ''کوئی ولی آئے۔''
پیٹر: ''نہیں بیٹی۔''

فلورا: ''اور کیا ہوا؟''

پیٹر: ''آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا۔''

فلورا: ''ستارے تو روز ہی ٹوٹتے ہیں۔''

پیٹر: ''بے شک لیکن......''

فلورا: ''وہ ستارہ خاص قسم کا تھا۔''

پیٹر: ''ہاں۔''

فلورا: ''دُنیا پر اس کا کیا اثر ہوگا۔''

پیٹر: ''دنیا میں کوئی انقلاب ہوگا۔''

فلورا: ''انقلاب ہوگا۔''

پیٹر: ''ہاں میں نے ایسا روشن ستارہ کبھی ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

فلورا: ''آپ کے خیال میں انقلاب کیا ہوگا۔''

پیٹر: ''ایشیائے کوچک شام مصر اور فلسطین سے مسلمان نکال دیئے جائیں گے۔''

فلورا نے خوش ہوتے ہوئے کہا خدا ایسا ہی کرے۔

پیٹر نے جوش میں آ کر کہا ایسا ہی ہوگا فلورا میں اسی وقت سجدہ میں گر گیا تھا اور گڑگڑا گڑگڑا کر میں نے دُعا مانگی تھی۔

فلورا: ''جب تو یقین ہے کہ آپ کی دُعا قبول ہوگئی ہوگی۔''

پیٹر: ''ہاں مجھے یقین آ گیا ہے۔''

فلورا: ''کس وجہ سے۔''

پیٹر: ''میں نے سُنا کہ کوئی کہہ رہا ہے اُٹھ خدا اور خداوند خوش ہو گئے ہیں فتح عیسائیوں ہی کی ہوگی۔''

فلورا کا چہرہ گلاب کے تیز رنگت والے پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح سُرخ ہو گیا آنکھیں جوش مسرت سے چمکنے لگیں اُس نے کہا خدا کی یہی مرضی ہے۔

پیٹر: ''ہاں خدا کی یہی مرضی ہے اب مسلمانوں کی سلطنتیں اُلٹ جائیں گی حکومتیں برباد کردی جائیں گی اور اُنہیں ریگزار عرب میں دھکیل دیا جائے گا۔''

فلورا: ''اور عیسائی تمام اسلامی ممالک پر قابض ہو جائیں گے۔''

پیٹر: ''یہی ہوگا بیٹی! مسلمان عرب کے ریگستان میں ریت پھانکتے پھریں گے۔''

فلورا: ''کیا اچھا وقت ہوگا وہ جب کہ بیت المقدس ہمارے قبضہ میں آ جائے گا۔''

پیٹر: ''اور وہ وقت آ ہی گیا ہے۔''

فلورا: ''ہم عیسائیوں کی حسرت پورا ہونے کا وقت۔''

پیٹر: ''ہاں۔''

فلورا: ''میرا دل فرط مسرت سے اُچھلنے لگا ہے۔''

پیٹر: ''یہ جذبہ ایمانی ہے۔''

فلورا: ''اچھا میں تیار ہو گئی ہوں مقدس باپ۔''

پیٹر: ''اور لشکر بھی تیار ہو گیا ہے آ بیٹی چل اور اپنی موجودگی سے ان میں ایک ایسی روح پھونک دے کہ وہ سرفروشی کر کے آج ہی قلعہ پر قابض ہو جائیں۔''

فلورا: ''چلئے۔''

دونوں وہاں سے چل کر میدان میں پہنچے یہاں تقریباً بیس ہزار لشکر مسلح کھڑا تھا اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر فلورا بھی خوش ہو گئی اور اس کا چہرہ تیز سے تیز تر گلابی رنگ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆☆

چھتیسواں باب

ناکام مہم

فلورا کو دیکھتے ہی سپاہیوں کی آنکھیں اس کی طرف اُٹھ گئیں تمام افسر بھی اس کی طرف دیکھنے لگے اس کے لئے ایک گھوڑا پہلے ہی سے کھنچا کھنچایا تیار کھڑا تھا۔ وہ اس گھوڑے پر سوار ہو گئی ایک سپاہی نے بڑھ کر اُسے علم دیا اُس نے علم لے کر اسے جھٹکا دیا، پھریرا کھل گیا۔ ہوا میں لہرانے لگا پیٹر اپنا گدھا اپنے ہمراہ لایا کرتا تھا وہی گدھا جس پر سوار ہو کر وہ یورپ کے شہروں اور بستیوں میں جہاد کا وعظ کرتا پھرا تھا اور عیسائیوں نے جس کے بال تبرک سمجھ کر نوچ لئے تھے اور اس کی کھال ہی کھال باقی رہ گئی تھی اب پھر اُس کے بال اُگ آئے تھے پیٹر کی طرح اس کا گدھا بھی تاریخی ہو گیا ہے۔ تاریخوں میں جہاں پیٹر کا ذکر آتا ہے وہاں اس کے گدھے کا بھی ضرور ذکر آتا ہے۔ گویا عیسائی پیٹر کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا گدھا۔ اور گدھے کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا پیٹر۔

دونوں کو بزرگ مانتے تھے۔ پیٹر اپنے تاریخی گدھے پر سوار ہو گیا اور فلورا کو ساتھ لے کر لشکر کی صفوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پیٹر نے آہستہ سے کہا ماہ پیکر لڑکی اپنی نغمہ زار آواز سے عیسائیوں میں جذبہ سرفروشی کی روح پھونک دے۔

فلورا: ''بہتر ہے۔''

پیٹر ''رات جو میں نے دیکھا تھا اور جو کچھ تجھے سنایا ہے اسے بھی بیان کر دو اور اپنے نکاح کے متعلق بھی صاف صاف کہہ دو۔''

فلورا: ''بہت اچھا۔''

اب وہ گھوڑے پر تن کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ ''مسیحی جانبازو! شکر اور مسرت مقام ہے کہ ہم یورپ سے روانہ ہو کر اسی سرزمین میں آ گئے جو کبھی ہماری تھی لیکن اب اس پر وہ کافر قابض ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہم پیارے بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھڑانے کے لئے اتنی دور سے صدہا مصائب اٹھا کر آئے ہیں۔ ہمارا خیال نہایت نیک ہے۔ ہم میں سرفروشی کا جذبہ ہونا چاہئے اور ہمیں ان مسلمانوں کو قتل کر ڈالنا چاہئے جو ہمارے سامنے آ جائیں مجھے افسوس ہے کہ کل ہمارے جانبازوں نے پوری شجاعت اور پوری جرات سے کام نہ لیا اور نہ منسیا کا یہ قلعہ کل ہی فتح ہو گیا ہوتا اب بھی کچھ نہیں گیا۔ ہماری تھوڑی سی بہادری ہمیں

اس قلعہ پر قابض کرا دیگی اور پھر ہم آگے بڑھ کر اسلامی شہروں کو فتح کر لیں گے۔ اسلامی سلطنتوں کو الٹتے مسلمانوں کو قتل کرتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں گے اور پاک مقام یروشلم پر قبضہ کر لیں گے۔ مقدس باپ پیٹر وی ہرمٹ نے رات ریاضت کی تھی۔ انہوں نے ایک روشن ستارہ ٹوٹتے دیکھا اور خداوند نے خود آ کر فتح کی بشارت دی۔ کس قدر خوش قسمت ہیں ہم لوگ کہ ہمیں خداوند فتح کی بشارتیں دے رہے ہیں چونکہ ہم صلیبی جہاد کے لئے آئے ہیں اس لئے ہم سب جنتی ہیں۔ بزرگ اور محترم پوپ اربن ثانی نے ہمارے گناہ معاف کر کے معصومیت کی ضمانت کر لی ہے پھر ہمارے جنتی ہونے میں شبہ ہی کیا رہ گیا ہے۔ میں نے کلر مانٹ میں یہ کہا تھا کہ میں اس سے شادی کروں گی جو سب سے پہلے پاک یروشلم میں داخل ہوگا لیکن اب میں کہتی ہوں کہ میں اس بہادر سے شادی کروں گی جو کہ آج منسیا کے قلعہ کی فصیل پر سب سے پہلے جھنڈا گاڑ دے گا۔ اس مہم میں خود میں تمہارے ساتھ نہیں بلکہ تم سے آگے ہوں گی تم میرے پیچھے اور ممکن ہو سکے تو مجھ سے آگے بڑھ کر قلعہ فتح کر کے فصیل پر جھنڈا گاڑنے کی کوشش کرو۔ میں فضول شور وغل کرنا پسند نہیں کرتی۔

چاہتی ہوں کہ آپ بالکل ہی شور نہ کریں۔ ہاں نعرہ ضرور لگائیں اور نعرہ بھی خدا ہی کی مرضی ہے۔ یہی وہ مبارک نعرہ ہے جو کلر مانٹ میں بلند کیا گیا تھا۔ اچھا جانبازو چلو!''

عیسائیوں کے دلوں میں جوش اُمڈ آیا فلورا تقریر ختم کرتے ہی قلعہ کی طرف چلی۔ اس کے چلتے ہی سارے لشکر میں طوفان خیز موجیں اٹھنے لگیں۔ رسالے نہایت شان سے بڑھنے لگے۔ ہر سردار کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا اور ہر سردار زعم شجاعت سے جھومتا چلا جا رہا تھا۔ فلورا نے کچھ دور چل کر نعرہ لگایا۔ خدا ہی کی یہ مرضی ہے۔ اور اس نے اپنے علم کو حرکت دی۔ تمام سرداروں اور سارے سپاہیوں نے بڑے شور کے ساتھ نعرہ لگایا۔ ''خدا کی ہی یہ مرضی ہے۔''

اس طرح نعرے لگاتے ہوئے یہ فصیل کے قریب پہنچے لیکن اس عرصے میں فلورا لشکر کے درمیان میں آ گئی تھی اور سپاہی اس سے آگے بڑھ گئے تھے۔ یہ لوگ نہایت جوش و خروش سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ان کی رفتار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہر رکاوٹ دور کر کے قلعہ کے نیچے جا کر ہی دم لیں گے لیکن جب وہ فصیل کے اور قریب پہنچ گئے تب اللہ اکبر کے پر شور نعرہ کی آواز آئی۔ عیسائیوں نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔

یہ نعرہ فصیل کے اوپر کھڑے ہوئے مسلمانوں نے لگایا تھا اور نعرہ کے ساتھ ہی انہوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ تیر ہوا کو چیرتے ہوئے سنسناتے ہوئے اس طرح سے آ رہے تھے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہوں عیسائیوں کی آنکھیں جھپک گئیں۔ وہ ڈھالیں اٹھانا بھول

گئے۔ ان کے سروں، آنکھوں، پیشانیوں اور سینوں میں ترازو ہو گئے۔

ہر طرف آہ اور واہ کا شور مچ گیا۔ زخمی گھوڑوں سے نیچے گرے اور ان کے گھوڑے مجروحوں کو روندتے پامال کرتے اور کچلتے نکلے چلے گئے۔ عیسائیوں کو صف فصیل کے برابر لمبی تھی۔ پہلی صف میں سے تقریباً نصف ختم ہو گئی تھی۔ یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں کا جوش ہیجان سے بدل گیا اور وہ نہایت غضبناک نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے اور ڈھالوں کی آڑ لیتے بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ مسلمانوں نے فوراً ہی دوسری باڑھ ماری اور پھر تیر نکل کر چلے۔ اس مرتبہ کچھ تو ڈھالوں پر رک کر گر پڑے کچھ سپاہیوں کو لگے اور وہ زخمی ہو کر گر پڑے اور کچھ گھوڑوں کے جسموں میں پیوست ہو گئے۔ جس سے گھوڑوں نے الف ہو ہو کر اپنے سواروں کو گرا دیا اور ان کے بھیجوں کو اپنے سموں سے توڑ ڈالا۔ اس مرتبہ بھی عیسائیوں کا کافی نقصان ہوا مگر ان کی رفتار میں کمی نہ آئی۔ وہ غیظ وغضب میں آ کر برابر بڑھتے رہے البتہ اب انہوں نے زیادہ احتیاط کرنا شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ آج عیسائیوں نے صرف جنوبی طرف سے حملہ کیا تھا اور دوسری جوانب کے افراد خاموش تھے اور اپنے اپنے لشکروں میں گھسے پڑے تھے۔ چنانچہ دیگر اطراف میں تھوڑے تھوڑے مسلمان فصیل پر رہ گئے تھے اور ان کی ساری تعداد سمٹ کر جنوب کی طرف آ گئی تھی۔ آج بھی مسلم عورتیں اور بچے تیر اٹھا اٹھا کر مردوں کو دے رہے تھے اور وہ کمانوں میں رکھ رکھ کر چلا رہے تھے۔

تیر اندازی مسلمانوں ہی کا حصہ تھا ان کے تیر شاذ و نادر ہی خالی جاتے تھے چنانچہ وہ نہایت پھرتی سے تیروں کی باڑہیں مار مار کر پرجوش عیسائیوں کو قتل اور مجروح کر رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ عیسائی قتل اور مجروح ہو رہے تھے۔ مر رہے تھے مگر ان کے قدم برابر بڑھ رہے تھے۔ وہ مردوں اور زخمیوں کو کچلتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ان کو اس طرح سے بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں وہ بڑھتے بڑھتے فصیل کے نیچے نہ آ جائیں چنانچہ انہوں نے اور بھی تیزی سے تیروں کی بارش شرع کر دی۔ اس شدت سے کہ عیسائیوں کی پیش قدمی رک گئی اور انہیں آگے بڑھنا تو کیا اس جگہ کھڑا رہنا بھی دشوار ہو گیا۔

مسلمان نہایت سختی سے تیر برسا رہے تھے اور عیسائی نعرے لگانا بھی بھول گئے تھے۔ وہ مبہوت کھڑے اپنی اپنی جانیں بچانے کی فکر کر رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس وقت کیا کریں۔ کیسے مسلمانوں کے جانستاں تیروں سے بچیں۔

پیٹر اس لشکر کے بڑھتے ہی الگ ہو کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا تھا اور وہاں کھڑا ہوا میدان جنگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں غیظ وغضب سے سرخ ہو رہی تھیں اور

وہ خشم ناک نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔

عیسائیوں کے رکتے ہی فلورا نے کہا۔ ''دلیرو! سوچنے یا گھبرانے کا وقت نہیں ہے۔ خدا اور خداوند تمہاری جراتوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ابھی تمہارا امتحان منظور ہے۔ اس لئے آسمانی مدد نہیں آئی۔ بڑھو اور آزمائش میں پورے اترو۔ خدا تمہاری مدد کرے گا اور تم فتحیاب ہو گے۔''

اس کی اس مختصر تقریر سے عیسائیوں میں پھر جوش پیدا ہوا اور وہ دلیری سے بڑھے۔ اب تک تو مسلمان محض تیر برسا رہے تھے لیکن اب جبکہ عیسائی اور بڑھ کر فصیل کے پاس ہی آ گئے تو انہوں نے پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے فلاخنوں میں رکھ رکھ کر اپنی پوری طاقت سے پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ پتھر تیروں سے نہایت مہلک ثابت ہوئے جس عیسائی کے جس عضو پر بھی جا کر لگے۔ انہوں نے اس کا وہی عضو توڑ ڈالا۔ کسی کی پیشانی ٹوٹ گئی۔ کسی کا بھیجا نکل گیا۔ کسی کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی۔ کسی کا بازو ٹوٹ گیا۔ کسی کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور کسی کا پھیپھٹ پھٹ گیا۔ ان جان لیوا پتھروں نے قیامت برپا کر دی۔ سینکڑوں عیسائی تو مر گئے اور ہزاروں مجروح ہو ہو کر گر پڑے۔ اب عیسائیوں سے اس جگہ ٹھہرنا دشوار ہو گیا وہ پیچھے ہٹنے لگے لیکن ابھی ہٹنے نہ پائے تھے کہ پتھروں کی بارش ہوئی اور پھر ان کی کافی تعداد مقتول و مجروح ہو گئی۔

اب عیسائی گھبرا گئے اور بے تحاشہ پیچھے ہٹے۔ فلورا نے انہیں پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ''سرفروشو! مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب ہے۔ بہت قریب۔ فتح تمہارے سامنے ہے لیکن کسی عیسائی نے اس کی بات نہ سنی اور کوئی کیسے سنتا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے گھور رہی تھی اور وہ اس سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔

جب وہ زیادہ پیچھے ہٹ گئے تب مسلمانوں نے سنگباری ملتوی کر کے تیر اندازی شروع کر دی۔ ان کے تیر بھی حشر انگیزیاں کرنے لگے۔ عیسائی اب تیروں سے مجروح ہو ہو کر گرنے اور گر گر کر مرنے لگے۔ اس وقت فلورا کو جلال آ گیا۔ اس نے غصہ بھرے لہجہ میں کہا۔

''افسوس ہے بہادرو! افسوس ہے! تم پیچھے ہٹ رہے ہو۔ ہٹو میں نہیں ہٹ سکتی۔ بڑھوں گی اور یا تو قلعہ پر جھنڈا نصب کر کے رہوں گا اور یا خود شہید ہو جاؤں گی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کو بڑھایا اسے بڑھتے ہوئے دیکھ کر عیسائیوں کو غیرت آئی اور وہ بھی جرات کر کے آگے بڑھے لیکن مسلمانوں کے تیروں نے انہیں ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیا۔ جو جوش میں آ کر آگے بڑھ گئے وہ تیروں سے زخمی ہو کر گرے اور تکلیف کی شدت سے زمین کی کولی بھرنے لگے۔

عیسائی پھر رک گئے لیکن اب فلورا بڑھنے لگی۔ وہ ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ تیر اس کے

بازو میں آ کر لگا۔ اس نے چیخ ماری اور گھوڑا واپس لوٹا کر بھاگی۔ بدحواسی کے عالم میں اس کے ہاتھ سے جھنڈا گر گیا اور اس کا پھریرا اس کے ہی گھوڑوں کے سموں کے نیچے روندا گیا۔ اس کے بھاگتے ہی تمام عیسائی بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح سے عیسائیوں کی یہ مہم بھی ناکامی پر ہی ختم ہوئی۔

☆☆☆☆

سینتیسواں باب

مفقود الخبری

الیاس اور حنا اس بوڑھے کو جو انہیں پرانے قلعہ کے کھنڈرات میں ملا تھا۔ ساتھ لے کر غالب کے مکان پر آ گئے تھے۔ غالب کے ملازموں نے اس کی مدارت بھی اسی طرح سے شروع کر دی تھی جس طرح سے الیاس اور اس کے ساتھیوں کی کر رہے تھے۔ بوڑھا ایک علیحدہ کمرے میں فروکش ہو گیا تھا۔ وہ بہت کم اس کمرے سے باہر نکلتا تھا۔ اسے حنا سے بے حد محبت ہو گئی تھی اور وہ اکثر اس کے پاس آتا اور ایسی باتیں کرتا تھا جس سے وہ ہنس پڑتی تھی۔

الیاس، بوڑھا اور حنا تینوں صبح و شام ہوا خوری کے لئے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے جاتے اور کئی کئی گھنٹے میں واپس آتے تھے۔ جب کئی دن بوڑھے کو آئے ہوئے اور رہتے ہوئے ہو گئے تب الیاس نے ایک دن اس سے کہا۔ ”آپ نے حنا کا علاج کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔“

بوڑھے نے کہا اور میں نے علاج شروع کر دیا ہے۔ الیاس نے اسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ ”لیکن مجھے تو کچھ بھی خبر نہیں ہے۔“

بوڑھا: ”ممکن ہے۔“

الیاس: ”آپ سچ جانیں!“

بوڑھا: ”مجھے یقین آ گیا۔“

الیاس: ”آپ کیا علاج کر رہے ہیں۔“

بوڑھا: ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حنا کو شبنم سے بھیگی ہوئی سبز سبز گھاس پر ٹہلایا کرتا ہوں۔“

الیاس: ”ہاں دیکھا ہے۔“

بوڑھا: ”اس عمل سے دل کو فرحت اور دماغ کو قوت حاصل ہوتی ہے نیز آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور اس قسم کا مرض جیسا حنا کو ہے خود بخود دور ہو جائے گا۔“

الیاس: ”خوب علاج ہے یہ۔“

بوڑھا: ''اس سے دل ودماغ اور آنکھوں کے تمام امراض دور ہو جاتے ہیں۔''

الیاس: ''میں سمجھتا تھا کہ آپ کوئی دوا پینے کے لئے دیں گے۔''

بوڑھا: ''شاید اس کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔''

اس وقت حنا آ گئی۔ وہ نہایت خوشرنگ عبا پہنے ہوئے تھی۔ ہار جو اس کے صراحی دار گلے میں پڑے ہوئے تھے۔ جگمگا رہے تھے۔ اس کے لباس اور ان ہاروں نے اس کی صورت کو روشن کر دیا تھا۔ وہ آ کر اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ الیاس نے اس سے دریافت کیا۔ ''کیا بیٹی! تجھے خبر ہے کہ تیرا علاج شروع کر دیا گیا ہے۔''

علاج ؟...... اس نے حیرت سے الیاس کو دیکھ کر تعجب انگیز انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہاں علاج۔

حنا: ''کس نے شروع کیا ہے۔''

الیاس: (بوڑھے کی طرف اشارہ کر کے) اس پیر مرد نے''

حنا: ''مگر دوا!''

الیاس نے ہنس کر کہا۔ ''برابر استعمال کرائی جا رہی ہے حنا اور بھی حیران ہوئی اور اس نے کہا۔ ''کیا سوتے میں دوا دی جاتی ہے۔''

الیاس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں جاگتے میں۔''

حنا: ''یا تو مجھے بنا رہے ہو یا میں پاگل ہو گئی ہوں۔ میں نے تو اب تک دوا پی ہی نہیں۔''

الیاس: ''اور پینے کی دوا دی ہی کب جا رہی ہے۔''

حنا: ''اور......؟''

الیاس: ''محض سبزہ زار پر ننگے پاؤں ٹہلایا جاتا ہے۔''

حنا: ''اچھا۔''

الیاس: '' تجھے کچھ اپنی حالت میں تغیر معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔''

حنا: ''کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوتی۔''

بوڑھے نے حنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ '' کیا دل میں فرحت، دماغ میں تازگی اور آنکھوں کی روشنی میں اضافہ نہیں معلوم ہوتا۔''

حنا: ''ہاں کچھ کچھ معلوم ہوتا ہے۔''

بوڑھا: ''اگر تم شبنم سے بھیگی ہوئی گھاس پر چالیس دن برابر بلا ناغہ یہ عمل کرتی رہو تو تمہاری تمام کمزوریاں دور ہو جائیں گی۔''

حنا نے خوش ہو کر کہا۔ ''میں اسے محض تفریح کا ایک ذریعہ سمجھتی ہوں۔''

بوڑھا: ''یہ تفریح ضرور ہے مگر نہایت صحت بخش تفریح۔ حکماء نے لکھا ہے کہ اس سے بہت سی کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں۔ دل و دماغ اور آنکھوں کو زبردست طاقت حاصل ہوتی ہے۔''

حنا: ''ٹھیک ہے تو کیا میرا علاج اسی طرح سے ہو جائے گا۔''

بوڑھا: ''اور اگر کچھ کمزوری باقی رہ گئی تو پھر کوئی دوا تجویز کر دی جائے گی۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ دوا کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔''

حنا نے مسکرا کر کہا۔ ''جب تو آپ نہایت اچھے طبیب اور آپ کا علاج بھی نہایت عجیب و غریب ہے۔''

بوڑھا اس چنچل ادا کو دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ ''اب جو کچھ بھی تم سمجھو میں اکثر ایسے ہی عجیب و غریب طریقہ سے علاج کیا کرتا ہوں۔''

الیاس نے بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مگر کئی روز اس عمل کو ہو گئے اور ابھی تک کوئی خاص افاقہ نہیں معلوم ہوا۔''

بوڑھا: ''اس کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے۔''

الیاس: ''مثلاً''

بوڑھا: ''طبیعت پر کوئی بار ہو کوئی رنج ہو کوئی فکر ہو۔''

الیاس: ''آپ ٹھیک فرماتے ہیں اسے غالب کی ہمشیرہ سے محبت ہے اور وہ اگزرد گورو کے محاذ جنگ پر گئی ہے۔ اسے اس کی جدائی کا بے حد ملال رہتا ہے۔''

بوڑھا ہنس پڑا اور اس نے کہا۔ ''خوب خوب کیا وہ لڑکی حسین بھی ہے؟''

الیاس: ''ہاں!''

بوڑھا: ''ایسی ہی جیسی یہ تمہاری بیٹی ہے۔''

حنا شرما گئی۔ الیاس نے کہا ''شاید اس سے بھی زیادہ''

بوڑھا: ''شاید ...... کیا آپ نے اسے دیکھا نہیں ہے۔''

الیاس: ''وہ پردے میں رہتی ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا۔''

بوڑھا: ''پھر کیسے معلوم ہوا آپ کو؟''

الیاس: ''مجھے حنا ہی نے بتایا ہے۔''

بوڑھا: ''اسی لئے اسے اس سے محبت ہے۔''

الیاس: ''جی ہاں! وہ نیک، بھولی اور خلیق بھی ہے۔''

بوڑھا: ''چونکہ وہ اس کی ہم عمر ہے اس لئے بھی یہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔''

الیاس: ''یہ تو فطرتی بات ہے۔ ہر ایک اپنے ہم عمر سے محبت کیا کرتا ہے۔'' اس کے بعد گفتگو ختم ہو گئی۔ بوڑھا اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی بوڑھا الیاس کے کمرہ میں آیا۔ روزمرہ اسے الیاس سیر کے لئے جانے کو تیار ملتا تھا لیکن آج وہ ابھی تک تیار نہ ہوا تھا۔ بوڑھے نے دریافت کیا۔ ''کیا سیر کے لئے نہ چلئے گا''

الیاس: ''ہاں! آج میرا جی جانے کو نہیں چاہتا۔''

بوڑھا: ''کیا بات ہو گئی ہے۔''

الیاس: ''کوئی خاص بات بھی نہیں ہوئی ہے۔''

بوڑھا: ''تو شاید حنا بھی نہ جائے گی۔''

الیاس: ''مگر اس کا جانا تو ضروری ہے۔ آپ کہتے تھے کہ اسے بلا ناغہ سبزہ پر ٹہلنا چاہئے۔''

بوڑھا: ''ہاں''

اس وقت حنا آ گئی۔ وہ تیار ہو کر آئی تھی۔ الیاس نے کہا۔ ''آپ اور حنا چلے جائیں۔'' حنا نے الیاس سے مخاطب ہو کر کہا اور ''ابا!''

الیاس: ''میرا جی تو آج جانے کو نہیں چاہتا بیٹی!''

حنا: ''طبیعت تو اچھی ہے آپ کی۔''

الیاس: ''فکر نہ کرو میں بالکل اچھا ہوں۔''

حنا: ''بس تو آج میں بھی نہ جاؤں گی۔''

الیاس: ''نہیں نہیں! تجھے جانا چاہئے۔''

حنا: ''نہیں ابا! مجھے اپنے پاس ہی رہنے دیجئے۔''

الیاس: ''مگر تیرا علاج ہو رہا ہے اور اس لئے تیرا جانا ضروری ہے۔''

حنا: ''علاج ہو رہا ہے تو کیا ہوا میں کل چلی جاؤں گی آپ کے ساتھ۔''

الیاس: ''لیکن ایک دن ناغہ ہو جائے گا اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

حنا: ''میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے۔''

الیاس: ''کیا؟''

حنا: ''میں نے دیکھا کہ میں اور آپ دونوں سیر کرنے کے لئے گئے ہیں اور سبزہ زار میدان طے کر کے ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ دیر تک ایک درے میں گھومتے رہے اور پھر چٹان پر جا پہنچے۔ ہمارے چٹان پر پہنچتے ہی زلزلہ آیا اور چٹان پھٹ گئی۔ اس میں ایک غار پیدا ہو گیا اور

میں غار کے ایک طرف اور دوسری طرف آپ کھڑے ہو گئے۔ میں پریشان ہو کر آپ کو پکارنے لگی مگر غار اتنا چوڑا ہو گیا تھا کہ اسے پھلانگ کر آپ میرے پاس نہ آ سکے میں سخت بدحواس اور غمزدہ ہو گئی تھی اور اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ قریب ہی کے پتھر کے پیچھے سے ایک آدمی نکل کر میری طرف دوڑا۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ نقولا تھا۔ میں ڈر گئی اور ایسی ڈری کے میری آنکھ کھل گئی۔"

الیاس نے ہنس کر کہا۔" ان توہمات میں نہ پڑو۔ خواب محض خیال ہوتا ہے۔ نقولا کو یہ جرات ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ یہاں آ سکے تو بے خوف ہو کر اس پیر مرد کے ہمراہ چلی جا۔ ایسا ہے تو دور نہ جانا۔"

حنا نے بہتر ہے کہا اور جانے پر آمادہ ہو گئی۔ بوڑھا اور حنا کمرے سے باہر نکلے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چلے۔ ابھی وہ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ الیاس کو بیٹھے بیٹھے کچھ خیال آیا اور بے قرار ہو گیا۔ جلدی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکلا۔ حنا اور بوڑھا دونوں صدر دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ الیاس نے حنا کو آواز دینا چاہی لیکن رک گیا اور چبوترہ پر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر ٹہل کر پھر کمرہ میں جا بیٹھا۔ اس کی طبیعت کسی نہ معلوم وجہ سے کچھ پریشان ہو گئی اور ایسی پریشان ہوئی کہ اس کے بشرہ سے پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ کچھ وقفہ کے بعد اس کے ساتھیوں میں سے چند آدمی آ گئے اور وہ ان سے باتوں میں مشغول ہو گیا۔ دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تب اس نے کہا۔" آج حنا ابھی تک نہیں آئی ہے۔"

ایک شخص نے کہا۔" اب آتی ہوگی۔ اس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

الیاس:" آج میری طبیعت کچھ پریشان ہے۔ آؤ ہم سب چلیں۔"

سب نے کہا۔" چلیئے۔" یہ سب باہر چلے اور اصطبل میں جا کر گھوڑوں پر زین کسے اور محل کے صدر دروازہ سے باہر نکل کر اس راستہ پر ہو گئے جس سے روزانہ جایا کرتے تھے۔ شہر سے باہر نکل کر پرانے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بوڑھا حنا اور الیاس تینوں روزانہ ان کھنڈرات ہی کی طرف آیا کرتے تھے۔ الیاس جب اس جگہ پہنچا جہاں حنا سبزہ پر ٹہلا کرتی تھی تو وہ جگہ خالی تھی۔ وہاں وہ حنا تھی نہ بوڑھا۔ الیاس کو تعجب ہوا اور ساتھ ہی پریشانی بھی۔ اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔" حنا یہیں ٹہلا کرتی تھی مگر آج نہیں ہے۔" اس نے سامنے سے ایک اور بوڑھے کو آتے ہوئے دیکھا وہ اس کی طرف بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر کہا۔" تم نے اس طرف ایک لڑکی اور ایک بوڑھے کو دیکھا ہے۔"

بوڑھے نے کہا۔" لڑکی کو دیکھا ہے مگر اس کے ساتھ بوڑھا نہ تھا بلکہ ایک نوجوان تھا اور

شاید وہ عیسائی تھا۔ الیاس نے حیران ہو کر کہا۔ ''نوجوان تھا اور عیسائی تھا۔''
بوڑھا: ''ہاں وہ لڑکی کو زبردستی پکڑ کر لے گیا ہے۔ لڑکی ابا ابا چلا رہی تھی۔ میں اس کی مدد کے لئے دوڑا مگر وہ میرے جانے سے پہلے ہی لے گیا۔''
الیاس یہ سن کر گھبرا گیا۔ اس کے حواس جاتے رہے اور وہ بے ہوش ہو کر گرنے لگا۔ فوراً اس کے ساتھیوں نے گھوڑوں سے کود کر اسے سنبھالا۔

☆☆☆☆

اڑتیسواں باب

ایک اور کوشش

فلورا مجروح ہو گئی تھی لیکن زخم معمولی تھا۔ تیر کی طاقت جب ختم ہو گئی تھی تب وہ اس کے بازو میں آ کر لگا تھا لیکن وہ ایسی نازک اور ایسی دل کی کمزور تھی کہ اس معمولی زخم سے بھی اسے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے بشرہ سے سرخی بالکل غائب ہو گئی تھی اور صورت سفید لٹھے کی سی ہو گئی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ سخت کرب و بے چینی کے حال میں ہے۔ جب وہ پیٹر کے پاس اس حالت میں پہنچی تو بوڑھا پادری اسے دیکھ کر غمگین بھی ہوا اور غیظ و غضب میں بھر گیا۔ اس لشکر کے ساتھ ڈاکٹر بھی آئے تھے۔ فوراً اس نے ایک ہوشیار اور تجربہ کار ڈاکٹر کو بلایا اور اس نے آ کر جب فلورا کے بازو میں سے تیر نکالا تو وہ تکلیف اور کچھ تکلیف کے محض خوف سے بے ہوش ہو گئی۔ ڈاکٹر نے جلدی جلدی اس کی مرہم پٹی کی۔ پیٹر اس کے پاس کھڑا دیکھتا رہا۔ اس وقت اسے مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔

جب ڈاکٹر فارغ ہوا تو پیٹر نے منسیا کے چاروں طرف قاصد دوڑا کر ہر سمت کے لشکر کے سرداروں کو طلب کیا۔ چونکہ یہ لشکر پیٹر کی قیادت میں تھا اور تمام لشکر اس کی عزت کرتا تھا اس لئے فوراً ہی تمام سردار اس کے پاس آ آ کر جمع ہو گئے۔ ان سب کے آنے اور جمع ہونے میں اتنی دیر لگ گئی کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ستارے آسمان پر نکل نکل کر جگمگانے لگے۔

رات اندھیری تھی اور اس لئے ہر طرف ایسا اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ چند قدم کی چیز تک بھی نظر نہ آتی تھی۔ پیٹر نے تمام سرداروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ''مسیحی جانبازو! ہمیں کئی روز اس قلعہ کے سامنے آئے اور اس پر حملہ کرتے گزر گئے لیکن ابھی تک یہ قلعہ فتح نہ ہوا حالانکہ اس کے اندر بہت ہی تھوڑے مسلمان ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ میں حکمت عملی سے انہیں قلعہ سے باہر بھی نکال لایا تھا مگر پھر بھی ان کا خاتمہ نہ کیا جا سکا اور وہ تمہارے بہت سے بھائیوں کو قتل کر کے پھر قلعہ میں جا گھسے۔ مسلمانوں کا یہ قلعہ ہی تمہارے سامنے آیا ہے اور اس

میں بھی مسلمان بہت کم ہیں مگر تم اسے فتح نہ کر سکے۔ جب آگے بڑھو گے تو اس سے زیادہ مضبوط قلعے اور ہر قلعہ میں اس سے زیادہ مسلمان ملیں گے وہاں کیا کرو گے؟ کیسے ان کو فتح کرو گے؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہارا جوش وخروش یورپ ہی تک تھا اور اب ایشیا میں آ کر سرد پڑ گیا ہے یا تم نے صلیبی جہاد سے دست کشی کر لی ہے اور اس بات کو بھول گئے ہو کہ مقامات مقدسہ کی توہین ہو رہی تھی خداوند اس توہین کو دیکھ کر بے قرار ہو رہے ہیں۔ کس قدر غم اور غصہ کی بات ہے کہ حسین اور نازک اندام فلورا آج مجروح ہو گئی ہے اور وہ اب تک بے ہوش پڑی ہے۔ ایک کمسن اور نازک عورت کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ خود حملہ کر کے قلعہ کو فتح کر لے لیکن تم مردوں میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا تم کو جوش نہیں آتا۔ کیا یہ بات شرم کے قابل نہیں ہے؟ کیا آنیوالی نسلیں تمہاری بزدلی پر افسوس نہ کریں گی؟ اگر تم لڑنا نہیں چاہتے تو واپس چلے جاؤ۔ بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے کا کام میرا یا تمہارا نہیں ہے۔ یہ خدا کا کام ہے اور خدا خود اسے انجام دے گا۔ مگر تم خداوند کی سفارش اور خدا کی رحمت سے دور ہو جاؤ گے۔ اگر تم خدا اور خداوند کو خوش کرنا چاہتے ہو اور نازک اندام فلورا سے ہمدردی اور محبت رکھتے ہو اور اس مجروح حسینہ کا انتقام لینا چاہتے ہو تو جان پر کھیل جاؤ۔ قلعہ فتح کر لو۔ اور ایک ایک مسلمان کو چن چن کر مار ڈالو۔''

اس تقریر کو سن کر تمام افسروں کو رنج بھی آیا۔ جوش اور غصہ بھی آیا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔'' اگر چہ ہم نے لڑائی میں کوتاہی نہیں کی ہے مگر اب اور بھی جان لڑا دیں گے اور قلعہ فتح کر کے ہی دم لیں گے۔''

دوسرا افسر:'' یہ تو ٹھیک ہے مگر ہمیں کوئی تدبیر سوچنا چاہئے۔ بغیر تدبیر کے قلعہ فتح کر لینا قریب قریب ناممکن ہے۔''

تیسرا:'' تدبیر کوئی چیز نہیں۔ جوش سے کام لو۔ صبح ہوتے ہی ہر طرف سے حملہ کر دو اور جب تک قلعہ فتح نہ کر لو واپس نہ لوٹو۔''

چوتھا:'' اگر چہ ہم ایسا کر سکتے ہیں لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر سے کام لیں کیونکہ اگر ہم نے حملہ کیا تو خیال ہے کہ ہمارے زیادہ آدمی مارے جائیں گے۔''

پانچواں:'' یہی بات ہے۔ میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے۔''

پیٹر:'' کیا؟''

پانچواں:'' ہم رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر قلعہ کے قریب پہنچ جائیں اور پھاٹک توڑنے کی کوشش کریں۔''

پہلا: ''لیکن مسلمان رات بھر فصیل پر آگ روشن کر کے دیکھتے رہتے ہیں۔ ان کی نگاہوں سے بچ کر ہم کیسے قلعہ کے قریب جا سکتے ہیں۔''

پانچواں: ''اگر ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر اور صفیں باندھ کر جائیں گے تو وہ ضرور دیکھ لیں گے لیکن ہمیں اس طرح سے نہیں جانا چاہئے۔''

دوسرا: ''اور؟''

پانچواں: '' پیدل ایک ایک دو دو کر کے یقین ہے اس سے ان کی نظروں سے بچ کر نکل جائیں گے۔''

پیٹر: ''یہ تدبیر نہایت ہی مناسب ہے۔''

تیسرا: '' اچھا تو تجویز کرو کہ کون کون اپنے دستوں کے ساتھ دروازہ کی طرف بڑھیں گے۔''

پانچواں: ''میرا دستہ مشرق کی طرف ہے اور اس طرف سے میں کوشش کروں گا۔''

پہلا: ''میں بھی اسی طرف ہوں اور آپ کے ساتھ رہوں گا۔''

چوتھا: ''میں شمال کی طرف بڑھوں گا۔''

پیٹر: ''اور میں جنوب کی طرف بڑھوں گا۔''

تیسرا: ''بس تو میں مغرب کی طرف ہے۔''

پیٹر: '' لیکن اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ ہمارے کسی سپاہی کو بڑھتے ہوئے فصیل والے نہ دیکھ لیں۔''

سب نے کہا۔ ''اس بات کی پوری پوری کوشش کی جائیگی۔''

پیٹر: ''لیکن کس وقت سے یہ کوشش کرنا چاہئے۔''

پانچواں: '' کھانا کھاتے ہی فوراً''

پیٹر: ''ٹھیک ہے! اچھا تو اب جاؤ اور کھانا کھالو پھر کوشش کریں گے۔''

سب نے بہتر ہے کہا اور اُٹھ اُٹھ کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد پیٹر اُٹھ کر فلورا کو دیکھنے لگا۔ اس وقت اسے ہوش آ گیا تھا مگر اسے تکلیف تھی اور وہ ضبط کرنے کے لئے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا رہی تھی۔ پیٹر نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ ''بیٹی خدا نے تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ذمہ دار میں ہوں۔ تیری اس جانبازانہ جدوجہد نے تمام عیسائیوں میں ایک نیا جذبہ، جذبہ میں ایک نئی روح اور روح میں ایک عجیب جوش بھر دیا ہے۔ تیرے ساتھ سب کو ہمدردی اور محبت ہوگئی ہے۔ مجلس شوریٰ نے اسی وقت حملہ کر کے قلعہ فتح کر لینے کا

ارادہ کرلیا ہے۔فلورا نے نہ کوئی جواب دیا نہ کسی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ بیچاری مجروح تھی اور زخم کی تکلیف اسے پریشان کر رہی تھی۔ پیٹر نے کہا۔''تیری تکلیف عارضی ہے۔ نیند آتے ہی دور ہو جائے گی۔'' میں تیرے پاس کچھ عورتوں اور لڑکیوں کو بھیجے دیتا ہوں۔ وہ تیرا دل بہلائیں گی۔'' یہ کہتے ہی وہ چلا گیا اور اس نے آٹھ دس عورتوں اور لڑکیوں کو فلورا کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے آتے ہی اس کے خیال کو بٹانا اور اسے خوش کرنا شروع کر دیا۔ اُدھر پیٹر نے کھانا کھایا اور کھانا کھاتے ہی پانچسو سپاہیوں کو ہمراہ لے کر لشکر سے باہر نکلا اور قلعہ کی طرف چلا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رات اندھیری تھی اس قدر اندھیری کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی چند قدم کی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔ ہوا بند تھی اور درخت خاموش اپنی اپنی شاخیں سمیٹے کھڑے تھے۔ کائنات پر سکون چھایا ہوا تھا۔ اور ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ قلعہ کی فصیل پر آگ روشن ہو رہی تھی اور اس کی روشنی میں مسلمان پھرتے نظر آ رہے تھے۔ یہ لوگ نہایت احتیاط اور خاموشی سے تاریکی کے پردوں کو چاک کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ جو جو لوگ پیٹر سے وعدہ کر کے گئے تھے وہ سب ہر طرف سے اسی طرح بڑھ رہے تھے جس طرح سے پیٹر بڑھ رہا تھا۔ جب پیٹر اور اس کے ساتھی اس جگہ کے قریب پہنچے جہاں فصیل کی روشنی میدان میں آ آ کر پڑ رہی تھی۔تو سب رک گئے اور یہاں سے پیٹر نے ایک ایک دو دو آدمیوں کو بھیجنا شروع کر دیا۔ یہ عیسائی نہایت احتیاط او آہستگی سے گاہے جھک جھک کر گاہے سیدھے کھڑے ہو کر چلتے رہے اور روشنی کی حد سے پار نکل گئے اور وہاں سے بڑھ کر فصیل کے عین نیچے جا کھڑے۔ ہوئے غرضیکہ اس طرح پیٹر کے تمام ساتھی اور خود پیٹر بغیر کسی خطرہ کے روشنی کو عبور کر کے فصیل کے سائے میں جا پہنچے اور نہ صرف پیٹر اور اس کے ساتھی ہی جا پہنچے بلکہ قریب قریب تمام افسر معہ اپنے ساتھیوں کے چاروں سمتوں سے دروازوں کے پاس پہنچ گئے۔ کسی مسلمان نے بھی کسی کو نہ دیکھا۔اب ان لوگوں نے دروازوں کے پاس پہنچ کر انہیں دیکھنا شروع کیا۔ چاروں طرف کے پھاٹک نہایت مضبوط تھے اور اُنہیں آسانی سے نہ توڑا جا سکتا تھا نہ کوئی ایسا موقع تھا جس سے وہ پھاٹک پر چڑھکر دروازہ کے اوپر بنے ہوئے برجوں میں پہنچ جاتے۔ سب ہر طرف خاموش کھڑے دیکھ رہے تھے اور دروازے توڑ ڈالنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح کوئی ایسی تدبیر نکل آئے جس سے پھاٹک توڑ ڈالے جائیں اور ان کے محافظ مسلمانوں کو اس کی خبر نہ ہو مگر یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ذرا سا کھٹکا ہونے سے مسلمان ہوشیار ہو جائیں گے۔ جب انہیں زیادہ دیر کھڑے اور تدبیریں سوچتے ہوگئی تب پیٹر نے کہا۔'' بجز دروازہ توڑ

ڈالنے کے اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ اچھا پھاٹک توڑنا شروع کر دو۔"

فوراً سپاہیوں نے پھاٹک توڑنا شروع کر دیا۔ محافظ مسلمان کمانچوں میں پڑے سو رہے تھے۔ وہ آہٹ پا کر اٹھے اور جلد جلد مسلح ہو گئے۔ دروازہ توڑا جا رہا تھا مگر مسلمان اندر تھے اور وہ اسے بچانے کی تدبیر بھی نہ کر سکتے تھے البتہ انہوں نے ایک آدمی بھیجکر عبداللہ کو خبر کر دی تھی اور وہ بہت سے مجاہدین کو لے کر دروازہ پر آ گئے تھے۔ ابھی انہیں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ اور سمتوں سے بھی دروازے توڑے جانے کی خبریں لے لے کر لوگ آئے۔ اب عبداللہ نے فصیل کے اوپر سے تمام مسلمانوں کو ہلا کر ہر طرف دروازوں پر متعین کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ جونہی دروازہ توڑ کر عیسائی بڑھیں وہ ان سے لڑنا شروع کر دیں۔ عبداللہ اور تمام مسلمان یہ سمجھ گئے کہ عیسائیوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اچانک دروازہ پر حملہ کر دیا ہے۔ سب سے پہلے وہی دروازہ ٹوٹا جس پر پیٹر تھا۔ اس نے فوراً چند ایک سپاہیوں کو دوڑا دیا تاکہ وہ اس تمام لشکر کو جو اس طرف تھا لے کر آ جائیں اور خود لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی عرصہ میں عیسائی سوار گھوڑے دوڑا دوڑا کر آنے لگے چونکہ فصیل کے اوپر سے تمام مسلمان اتر آئے تھے اس لئے کوئی بھی انہیں نہ روک سکا اور وہ دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔

پیٹر نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بہادرو! یہی موقع ہے کہ قلعہ کے اندر گھس جاؤ اور دشمنوں کا خاتمہ کر دو۔" یہ سنتے ہی عیسائی سوار بڑھے اور دروازہ میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔"

☆☆☆☆
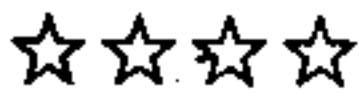
انتالیسواں باب

بہادرانہ موت

اتفاق ایسا ہوا کہ چاروں طرف کے دروازے توڑ ڈالے گئے اور ہر طرف سے عیسائیوں نے یورش کر کے قلعہ کے اندر داخل ہونا شروع کر دیا۔ مسلمان بھی چاروں دروازوں پر جا پہنچے تھے مگر وہ اس قدر کم تھے کہ عیسائیون کے مقابلہ میں ان کا کوئی شمار ہی نہ تھا لیکن وہ ایک مرتبہ زبردست لڑائی لڑ چکے تھے اور بہت سے عیسائیوں کو قتل کر کے قلعہ میں داخل ہو گئے تھے اس لئے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مسلمان تھے اور مسلمانوں کو خدا نے جوش و قوت اور بہادری نہایت فیاضی کے ساتھ عطا فرمائی ہے۔ اس لئے بھی انہیں کوئی فکر نہ تھا مگر ان سب کے قطع نظر ایک یہ بات اور بھی تھی کہ وہ خوب جانتے تھے کہ موت کا وقت مقرر ہے اور وہ اپنے وقت پر آئیگی اور ضرور آئیگی۔ کوئی طاقت کوئی حفاظت کوئی فریب کوئی لالچ

اسے روک نہ سکیں گے۔ ان کا یہ اعتقاد اس وجہ سے تھا کہ خدا نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ (ترجمہ: یعنی موت تم کو آ پکڑے گی اگر چہ تم نہایت مضبوط اور پائدار برجوں میں ہی کیوں نہ چھپ جاؤ۔) چونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اس لئے وہ موت سے نہ ڈرتے تھے اور موت سے نہ ڈرنے کی وجہ سے جوش، جرات اور بہادری کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ جو قوم یا جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے وہ بہادر ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی اسی لئے بہادر تھے۔ وہ مستعد ہو گئے تھے۔ مرنے اور مارنے پر۔

انہوں نے تلواریں سونت لیں اور اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ جب مسیحی دروازوں سے نکل کر قلعہ کے اندر قدم رکھیں تو وہ جنگ شروع کر دیں۔

اس وقت صبح صادق کا وقت ہو گیا تھا۔ رات کی سیاہی چھٹنے لگی تھی اور صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ کائنات نے کروٹ لے لی تھی۔ چرند اور پرند بیدار ہو گئے تھے۔ درختوں کی کمٹی ہوئی شاخیں پھیل گئی تھیں اور ہوا کے خوشگوار جھونکے چلنے لگے تھے۔ آسمان نے سیاہ چادر اتار کر پھینک دی تھی اور نیلگوں شال اوڑھ لی تھی۔ ستارے جو ساری رات نہایت آب و تاب سے چمکتے رہے تھے اور اب ایک ایک کر کے غائب ہونے لگے تھے۔ مشرق کی طرف سے روشنی کی سفید چادر پھیلنے لگی تھی۔ یہ وقت تھا جب کہ عیسائیوں نے تلواریں ہاتھوں میں لے لے کر بڑھنا شروع کیا۔ وہ جوش میں تھے اور اپنے ان مردہ بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے جنہیں مسلمانوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ بڑھ رہے تھے۔ انہیں اس بات پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ مسلمانوں نے اس یونانی حسینہ کو مجروح کر دیا تھا غرضیکہ وہ نہایت جوش و خروش سے آگے بڑھے۔ فوراً ہی مسلمانوں نے تلواروں سے ان کا استقبال کیا۔ عیسائیوں نے بھی تلواروں کا جواب تلواروں سے ہی دیا۔

جنگ شروع ہو گئی۔ عین دروازے کے سامنے سرفروش بہادری کے جوہر دکھانے لگے۔ آبدار شمشیریں تڑپ تڑپ کر اٹھنے اور اٹھ اٹھ کر سروں کی طرف جھکنے لگیں۔ سر و تن کے فیصلے ہونے لگے۔ خون کے فوارے ابلنے لگے اور ان سرخ فواروں کے قطرے در و دیوار، لباس و ہتھیار اور لڑنے والوں کے جسموں کو رنگنے لگے چونکہ متخاصمین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اس لئے نہایت ہی خونریز جنگ ہو گئی تھی۔ عیسائی مسلمانوں کو دھکیل کر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مسلمان ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے بلکہ انہیں یا تو قتل کر ڈالنا یا مار کر باہر نکال دینا چاہتے تھے۔ دونوں فریق نہایت شد و مد سے حملے کر رہے تھے۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

آفتاب عالمتاب اس خون آشام منظر کو دیکھنے کے لئے دریچہ مشرق سے جھانکنے لگا تھا اور اس کی کرنیں لڑنیوالوں پر پڑنے لگی تھیں۔ جوں جوں آفتاب بلند ہوتا جا رہا تھا جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ لڑنے والے جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے اور مرنیوالے بھی نہایت تیزی سے مر رہے تھے۔ عیسائی آج نہایت غضبناک تھے اور غصہ میں آ آ کر حملے کر رہے تھے وہ اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کو دروازہ کے پاس سے پیچھے دھکیل دیں تا کہ ان کا ٹڈی دل لشکر قلعہ میں داخل ہو جائے لیکن مسلمان اس فکر میں تھے کہ جو عیسائی دروازہ میں سے نکل کر ان کے سامنے آئے وہ اسے ٹھکانے لگا دیں اور ان کے ہلڑ کو روک کر اگر ممکن ہو سکے تو دروازے بند کر لیں مگر عیسائی اس قدر زیادہ تھے کہ تمام دروازہ اور دروازوں کے سامنے والے میدان ان سے پٹے پڑے تھے۔ اگر چہ وہ قتل ہو رہے تھے مگر پیچھے سے آنے والے آگے بڑھ کر ان کی جگہ لے لیتے تھے اور اس لئے ان کی تعداد کم ہوتی یا مرتی معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہر دروازہ پر مسلمان جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ بڑی سختی سے حملے کر رہے تھے ان کی بے پناہ تلواریں بڑی تیزی سے کاٹ کر رہی تھیں۔ جو کوئی ان کے سامنے آ جاتا تھا وہ اسے قتل کر ڈالتے تھے۔ اب عیسائیوں نے شور وغل کر کے مسلمانوں کو مرعوب کرنا شروع کر دیا تھا۔ انکی چیخ و پکار سے تمام قلعہ گونجنے لگا تھا لیکن مسلمان تھے کہ ان کے چیخنے کا خیال کر رہے تھے اور نہ ان کی کثرت کا وہ لڑ رہے تھے اور جھپٹ جھپٹ کر لڑ رہے تھے۔ انہیں قتل کر رہے تھے۔ جو مسلمان تھک جاتا تھا یا کسی وجہ سے اپنی حفاظت سے غافل ہو جاتا تھا تو کسی عیسائی کی تلوار اس کا خاتمہ کر ڈالتی تھی اور اس طرح سے جب کوئی مسلمان شہید ہو جاتا تھا تو اس کے قریب لڑنے والے مسلمانوں کو طرارہ آ جاتا تھا اور وہ اس کا انتقام لینے کے لئے ان کے قتل کرنیوالے پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس وقت تک دم نہ لیتے تھے جب تک اسے مار نہ ڈالتے تھے۔ شرقی دروازہ پر ایک افسر والٹر نامی لڑ رہا تھا یہ شخص نہایت بہادر اور بڑا تجربہ کار تھا۔ یورپ کی لڑائیوں میں کامیابی حاصل کر کے مشہور ہو گیا تھا۔ جب اس نے مٹھی بھر مسلمانوں کو راستہ روکے نہایت شان اور دلیری سے لڑتے دیکھا تو وہ کچھ مبہوت و حیران رہ گیا مگر فوراً ہی سنبھلا اور نیزہ نکال کر حملہ آور ہوا۔

مسلمان تلواروں سے لڑ رہے تھے۔ نیزہ تلوار سے لمبا ہوتا ہے اس لئے والٹر نے مسلمانوں کو مجروح کرنا شروع کر دیا تھا اور مسلمان خشم آلود نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ جب ان عیسائیوں نے جو والٹر کے ساتھ تھے۔ نیزہ کی لڑائی کامیاب دیکھی تو انہوں نے بھی تلواریں میانوں میں ڈال ڈال کر نیزے کھینچ لئے اور بڑے زور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمان اس کے حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہی والٹر اپنے ساتھیوں کو لیکر

بڑھا ان کے بڑھنے سے چونکہ کچھ جگہ نکل آئی تھی اس لئے تازہ دم عیسائیوں کا ریلا چلا اور دروازہ سے نکل کر دونوں بازوؤں پر فصیل کے نیچے ہی نیچے پھیلنے لگا۔ مسلمانوں نے یہ کیفیت دیکھ کر نہایت جوش سے حملہ کیا ان کی تلواروں نے بہت سے نیزوں کے پھل کاٹ ڈالے جس سے پھل زمین پر گر گئے اور بانسوں کے ٹکڑے ہاتھ میں رہ گئے۔ مسلمانوں نے سنبھل کر پھر حملہ کیا اور اس دوسرے حملہ میں ان تمام عیسائیوں کو مار ڈالا جن کے نیزے بیکار ہو گئے لیکن جب کہ وہ اپنے سامنے والے عیسائیوں سے لڑائی میں مشغول تھے۔ بہت سے ان عیسائیوں نے جو دروازہ سے بڑھ بڑھ کر دونوں طرف پھیلتے جاتے تھے۔ ان کے پیچھے سے آ کر اچانک حملہ کر دیا اور اتنے میں کہ مسلمان سنبھلیں ان کی کافی تعداد شہید کر دی۔ اس ناگہانی حملہ سے مسلمان گھبرا گئے لیکن وہ فوراً سنبھلے اور ان کی کچھ تعداد پلٹ کر پشت کی طرف سے حملہ کرنیوالے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑی۔ انہوں نے پلٹ کر جوش میں آ کر ایسا سخت حملہ کیا کہ سو کے قریب عیسائیوں کے آدمی پہلے ہی حملہ میں مار ڈالے۔ اب عیسائی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ مسلمان طیش میں آ آ کر پھر بڑھے اور جوش میں آ کر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے پھر بہت سے عیسائیوں کو تہ تیغ کر ڈالا لیکن اب عیسائیوں کا تانتا لگ گیا تھا چونکہ مسلمان دروازہ سے ذرا ہٹ گئے تھے اس لئے وہ برابر بڑھے چلے آ رہے تھے اور آ آ کر مسلمانوں کے گرد پھیلتے اور ان پر حملہ کرتے جاتے تھے۔ اس طرح سے اس طرف کے مسلمان نرغہ میں آ گئے تھے۔ وہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ جان گئے تھے کہ آج قضا جان لئے بغیر نہ ٹلے گی مگر اس پر بھی ان کے حملوں میں کمی نہ ہوئی تھی۔ وہ برابر نہایت شدت سے حملے کر رہے تھے اور نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ عیسائیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر کر ان پر تلواروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا تھا اور اس بات کی بھی کوشش کرنے لگے تھے کہ انہیں منتشر کر دیں تا کہ جب وہ الگ الگ ہو جائیں تو آسانی سے ان کو شہید کر دیں۔ چونکہ مسلمان لڑائی میں مشغول تھے اور چاروں طرف رخ کئے لڑ رہے تھے اس لئے انہوں نے عیسائیوں کی اس بات کو نہ سمجھا اور وہ جوش میں آ کر حملے کرتے اور ایک دوسرے سے جدا ہوتے رہے جو مسلمان اپنی جماعت سے الگ ہو جاتا تھا۔ عیسائی اس پر ہر طرف سے حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالتے تھے اگرچہ ہر مسلمان شہید ہونے سے پہلے چار پانچ عیسائیوں کو قتل کر ڈالتا تھا لیکن ان کے اس طرح قتل ہونے سے ان کی تعداد کم نہ ہوتی معلوم ہو رہی تھی اور مسلمان شہید ہو ہو کر کم ہوتے چلے جا رہے تھے آخر رفتہ رفتہ اس طرف کے مسلمان ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ عیسائیوں نے جوش میں آ کر فتح کا نعرہ لگایا اور اب انہوں نے قلعہ کے اندر بڑھنا اور پھیلنا شروع کیا۔ والٹر اور

اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ جس طرح سے انہوں نے اس طرف کے مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالا ہے اسی طرح اوروں نے بھی کیا ہوگا۔ مگر جب اسے یا اس کے سپاہیوں کو کسی طرف سے بھی کوئی عیسائی نظر نہ آیا تو وہ شمال اور جنوب کی طرف پھیل کر دروازوں پر جا پہنچے اور دور ہی سے انہوں نے نعرے لگائے اور دروازوں پر لڑنے والے مسلمان ان کے نعروں کی آوازیں سن کر چونک پڑے اور انہوں نے گردنیں پھیر پھیر کر انہیں دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ کسی دروازہ کے مسلمانوں کو شکست ہوگئی ہے اس سے ان میں گھبراہٹ پھیل گئی لیکن اس قدر نہیں کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ بلکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب آخری وقت آ گیا ہے اور طبیعتوں کی امنگیں اور دلوں کے حوصلے نکالنے کا یہی موقع ہے لہٰذا اور بھی شدومد سے حملے کرنا شروع کر دیئے۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا تھا اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے عیسائیوں کو قتل کرنے لگا جس شخص کا جس طرف رخ ہوگیا اسی طرف مارتا کاٹتا بڑھتا چلا گیا جب تک اس کی طاقت باقی رہی وہ عیسائیوں کو لقمہ اجل بناتا رہا۔ مسلمانوں سے یہ غلطی ہوگئی کہ وہ نظام قائم نہ رکھ سکے۔ جوش وغضب میں آ کر منتشر ہو گئے اور متفرق ہونے کی وجہ سے سب شہید کر ڈالے گئے اگرچہ انہوں نے اپنے سے دس بارہ گنا عیسائیوں کو مار ڈالا تھا لیکن ساتھ ہی خود بھی شہید ہو گئے اس طرح سے عیسائیوں نے تین دروازے فتح کر لئے اور صرف ایک دروازہ رہ گیا جس پر عبداللہ تھا۔ عبداللہ اور اس کے ہمراہی نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ خون کا دریا بہا دیا تھا اور جس شان سے وہ لڑ رہے تھے اس سے پایا جاتا تھا کہ عیسائیوں کو ایک انچ بھی قلعہ کے اندر نہ گھسنے دیں گے مگر جب وہ اپنی عزت اور حرمت اسلام کے لئے لڑ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سے اچانک عیسائیوں نے آ کر حملہ کر دیا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ بہت سے مسلمان شہید ہو کر گر پڑے۔

عبداللہ نے یہ کیفیت دیکھی تو اس نے نہایت بلند آواز سے کہا۔'' مسلمانو! کچھ آدمی سامنے لڑنے والوں سے لڑتے رہو اور کچھ اپنے پشت والوں کی طرف پلٹ پڑو۔'' فوراً ہی مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے اور دونوں نے پشتیں ملا کر دونوں طرف سے سختی سے حملہ کیا کہ عیسائی کئی قدم پیچھے ہٹ گئے اور ان کی کافی تعداد موت کی آغوش میں جا سوئی۔ عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا مگر مسلمانوں پر ان کے حملے کا کچھ اثر نہ ہوا اور جب مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا تو پھر بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ اس طرف تقریباً سات سو مسلمان تھے جن میں سے 100 کے قریب پہلے ہی شہید ہو چکے تھے اور اب صرف چھ سو باقی رہ گئے تھے اور عیسائی ہزاروں تھے۔ پھر ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مگر اس پر بھی

مسلمانوں کو ہراس نہ تھا وہ نہایت استقلال اور دلجمعی سے جنگ کر رہے تھے اور بڑی پھرتی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ جنگ صبح صادق کے وقت سے شروع تھی اور اب دوپہر ہو گیا تھا۔ اب بھی مسلمان نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے مگر ایسا کوئی بھی مسلمان باقی نہ رہا تھا جس کے کئی کئی زخم نہ آئے ہو اور ان زخموں سے خون نہ بہہ رہا ہو۔ کچھ تو مسلمانوں کو لڑتے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا اس لئے اب ان کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ کچھ بھوک اور پیاس نے زبوں حال کر دیا تھا اور زخموں نے نڈھال کر دیا تھا اور وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے کے بجائے رفتہ رفتہ صرف مدافعت کرنے ہی پر اتر آئے تھے۔ صرف عیسائیوں کے حملے روکنے لگے تھے۔ عیسائی ان کی یہ حالت دیکھ کر شیر ہو گئے تھے اور وہ جوش و غضب میں آ کر نہایت شدت سے حملے کرنے لگے تھے لیکن جب وہ حملہ کرتے تھے تو مسلمان ان کے حملہ کو روک کر خود بھی حملہ کر دیتے تھے اور ہر حملہ میں دس بیس عیسائیوں کو مار ڈالتے تھے مگر دو چار خود بھی شہید ہو جاتے تھے۔ بہت سے مسلمان کمزور ہو چکے تھے اس قدر کمزور کہ جب وہ حملہ کرنے کے لئے جھپٹتے تھے تو ضعف کھا کر گر جاتے تھے اور گر کر اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ بعض مسلمان پیاس سے جاں بلب تھے اور ان میں حملہ کرنا تو کیا مدافعت کرنیکی بھی قوت باقی نہ رہی تھی۔ خود عبداللہ کے اس وقت تک تیرہ زخم آئے تھے اور ہر ایک زخم سے خون جاری تھا۔ وہ بھی اس قدر نحیف و ناتواں ہو گئے تھے کہ تلوار بھی مشکل سے اُٹھتی تھی مگر اب بھی وہ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ عیسائیوں کو ان کے اتنے کمزور ہو جانے کا علم نہ ہوا جتنے وہ ہو چکے تھے۔ لیکن عیسائی یہ خوب سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کی طاقت جواب دے چکی ہے اور اب ان میں پہلے سا دم خم باقی نہیں رہا۔ اس لئے اب وہ نہایت شدت سے حملے کرنے لگے تھے اور ہر حملہ میں دو چار مسلمانوں کو شہید کر ڈالتے تھے۔ یہ دیکھ کر مسلمان طیش میں آ گئے اور پھر جوش میں آ کر بڑھے بڑے جوش اور بڑی دلیری سے حملہ آور ہوئے اور عیسائیوں کی کافی تعداد قتل کر کے پیچھے ہٹ گئے مگر ان کا یہ جوش ہنڈیا کا اُبال تھا یا چراغ سحری جو کہ فوراً ہی سرد پڑ گیا اور اب ان میں کھڑا ہونے کی بھی ہمت نہ رہی حملے کرنا یا حملوں کو روکنا تو درکنار۔ اب عیسائیوں نے ہر طرف سے ان پر یلغار کر دی چونکہ مسلمانوں میں بالکل بھی قوت باقی نہ رہی تھی اس لئے وہ حسرت سے آسمان کی طرف دیکھتے رہے اور کھڑے رہ گئے اور جب عیسائیوں کی تلواریں ان کے سروں پر بلند ہوئیں تو وہ کلمہ پڑھتے ہی شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (یعنی جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے۔)

اس طرح سے منسیا کے جان باز مسلمان لڑ لڑ کر شہید ہو گئے اور شہید ہو کر اپنی شجاعت کی بے

مثل نظیر قائم کر گئے۔ مجاؤ اپنی تاریخ کے صفحہ 73 پر لکھتا ہے کہ منسیا کے تھوڑے سے مسلمانوں نے جس بے جگری سے عیسائیوں کا مقابلہ کیا وہ دنیا کو حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر چہ وہ سب کے سب شہید ہو گئے لیکن اپنی بے نظیر جرات و بہادری کی یادگار چھوڑ گئے اور شہید ہوتے ہوتے بھی ان کے دماغوں میں اطاعت قبول کرنے کا خیال تک پیدا نہ ہوا۔

جب تمام مسلم مرد ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو عیسائیوں نے جوش مسرت سے اُچھل اُچھل کر خوشی کے نعرے لگائے۔ جب نعروں کی آواز ذرا کم ہوئی تو والٹر نے کہا۔

''بہادر عیسائیو! تمام قلعہ میں پھیل جاؤ اور مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ کر آگ لگا دو اور ان کی عورتیں اور بچے چن چن کر قتل کر ڈالو کسی کو بھی زندہ نہ رہنے دو۔''

خدا ہی کی یہ مرضی ہے۔ عیسائیوں نے خدا کی ہی یہ مرضی ہے کہ نعرے لگائے اور سارے قلعے میں پھیل گئے۔

☆☆☆☆

چالیسواں باب

ہولناک مظالم

مسلم عورتیں اور بچے گھروں میں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر مسلمانوں کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے چونکہ جنگ اچانک شروع ہوئی تھی اس لئے آج عورتوں کو کوئی موقعہ کسی خدمت کرنے کا نہ مل سکا تھا اور وہ گھروں میں ہی رہ گئی تھیں وہ خوب جانتی تھیں کہ عیسائیوں کا لشکر بے شمار ہے۔ مسلمانوں کی ان کے سامنے کوئی گنتی ہی نہیں مگر اس پر بھی وہ خدا کی غیبی امداد کی منتظر تھیں اور آسمان کی طرف نظر اٹھائے خدائے بے نیاز کی طرف دیکھ رہی تھیں جب دوپہر کے وقت انہوں نے عیسائیوں کے نعروں کی آوازیں سنیں تو ان کے دل ہل گئے اور وہ سمجھ گئیں کہ خدا کی مرضی پوری ہو گئی انہیں یہ یقین تھا کہ مسلمان مر جائیں گے مگر ان کی اطاعت کریں گے نہ شکست کھا کر فرار ہوں گے چنانچہ انہوں نے ان نعروں کی آواز سنتے ہی یہ یقین کر لیا کہ تمام مسلمان شہید ہو گئے۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ عیسائی وحشی ہیں۔ ایسے وحشی کہ ان کے دلوں میں رحم و کرم کا نام تک نہیں۔ شرافت سے جن کو دور کا بھی واسطہ نہیں جو کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کو یکسر چھوڑ گئے عیسائی کہلانے کے ساتھ عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کو خوف ہوا کہ مبادا وہ وحشی گھروں میں نہ گھس جائیں اس وقت وہ بے یار و مددگار تھیں اور خدا کی وسیع زمین ان پر تنگ ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ اپنی عصمت بچانے کے لئے اگر زمین پھٹ جائے تو وہ اس میں سما جائیں کوئی دریا پھوٹ نکلے اس میں بہہ جائیں۔ پر نکل آئیں تو آسمان کی

طرف اڑ جائیں ان کے کان آہٹ کی طرف اور سہمی ہوئی آنکھیں آسمان کی جانب لگی ہوئی تھیں جو بچہ والیاں تھیں انہوں نے بچوں کو اپنے سینوں سے لگا لیا تھا اور جو کم عمر یا نوجوان تھیں وہ سخت اضطراب اور پریشانی کے عالم میں تھیں۔ سب کے چہرے یاس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نازک ہونٹوں پر خشکی سے پپڑیاں جم گئی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے عیسائیوں کی کرخت آوازیں سنیں جو قریب ہی تھیں وہ گھبرا گئیں اور بے قرار ہو کر اٹھیں اور یا الٰہی خیر کیجیو کہہ کر دروازہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ انکے چہروں کی رنگتیں زرد پڑ گئیں اور وہ بیم ورجا سے کانپ اٹھیں۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر سہم گئے اور انہوں نے کہا۔ ''امی جان! کیا بات ہے تم گھبرا کیوں رہی ہو؟''

عورتیں ان معصوم ہستیوں کو کیا جواب دیتیں وہ چپ رہیں البتہ اپنے نونہالوں کو دیکھنے اور سینوں سے لگا لگا کر پیار کرنے لگیں۔ بالکل اس طرح سے جیسے کہ وہ ان سے جدا ہونے والے ہیں اور جی بھر کے ان کو پیار کر رہی ہیں۔ عیسائیوں کے شیطانی گروہ تمام قلعہ میں پھیل گئے تھے اور نمک حرام اور محسن کش عیسائی جو مسلم حکومت کے محکوم رہتے ہوئے نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان ڈاکوؤں کے ساتھ مل گئے اور انہیں مسلمانوں کے مکانات بتاتے پھرنے لگے۔ بے رحم مسیحی مسلمانوں کے گھروں میں گھسے اور عورتوں اور بچوں پر انتہائی ظلم وستم کرنے لگے۔ وہ دیوانے ہو گئے تھے اور مسلم عورتوں اور بچوں کو دیکھتے ہی ان پر جھپٹ پڑتے تھے اور تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔ گھروں کا سامان لوٹ لیتے تھے اور مکانوں میں آگ لگا دیتے تھے۔ اکثر بے رحم بھیڑیوں نے ننھے ننھے بچوں کو اٹھا اٹھا کر دیواروں سے دے مارا۔ عورتوں کے سروں کو تلواروں کے دستے مار مار کر توڑ ڈالا۔ بعض شیطانوں نے پہلے سامان لوٹا پھر گھروں میں آگ لگا کر عورتوں اور بچوں کو زندہ ہی آگ میں جلا دیا۔ ان کی عاجزی ان کی گریہ زاری اور ان کی چیخوں سے قطعاً متاثر نہ ہوئے اور انہیں خشک لکڑیوں کی طرح جلا دیا۔ بعض وحشی انسانوں نے گھونسے مار مار کر عورتوں اور بچوں کی پسلیاں توڑ ڈالیں۔ اور انہیں نیم مردہ کر کے سسک سسک کر مر جانے کے لئے چھوڑ دیا اور اکثر خونخوار درندوں نے ماؤں کی گودوں سے بچوں کو چھین کر ان کے ناک، کان، زبانیں اور ہاتھ پاؤں غرضیکہ ایک ایک عضو کاٹ کر انہیں گوشت کے لوتھڑے بنا دیا۔ وہ تڑپتے تھے۔ چیختے تھے۔ چلاتے تھے مگر ان بے رحموں کو رحم نہ آتا تھا۔ مائیں جب الفت مادرانہ سے بے قرار ہو کر اپنے جگر پاروں کو بچانے کے لئے دوڑتی تھیں تو ان کی ٹانگیں کاٹ ڈالی جاتی تھیں اور اگر اس پر بھی وہ تکلیف کا خیال نہ کر کے بچوں کی محبت سے مجبور ہو کر انہیں بچانے کے لئے ہاتھ بڑھاتیں تو توڑ ڈالتے

تھے اور سامان لوٹ کر گھروں کو آگ لگا کر یہ وحشی درندے ہنستے ہوئے چلے جاتے تھے۔ شاید ہی ایسی کوئی بے رحمی ہو جو ان مظلوموں پر نہ کی گئی ہو۔ انسانی دماغوں میں وہ بھی شیطان خصلت انسانوں کے جس قدر مظالم آ سکتے تھے۔ وہ سب بے گناہ مسلم عورتوں اور بچوں پر کیے گئے۔ جب تک دنیا اور دنیا میں تاریخ ہے۔ عیسائیوں کی بے مہر کی داستانیں خون سے لکھی ہوئی ملیں گی۔ عبداللہ جو منسیا کے لشکر میں سردار تھے شہید ہو چکے تھے۔ ان کی بدنصیب بیوی اور ایک نوجوان مگر بدقسمت بیٹی اور ایک ننھا سا معصوم بچہ تھا۔ شیطانوں کا ایک گروہ اس کے گھر میں بھی گھس آیا۔ اس نے عبداللہ کی بیٹی کو دیکھا اس کی طرف بڑھے۔ وہ سہم گئی اور گھبرا کر دوڑی اور اپنی ماں کے پیچھے جا بیٹھی۔ وحشی بھیڑیئے وہیں پہنچے۔ عبداللہ کی بیوی اپنے پھول سے بچہ کو گول میں لئے سینہ سے لگائے بیٹھی تھیں۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ عیسائیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے عاجزی سے کہا۔" شریف اور رحم دل انسانو! ہم مصیبت زدہ ہیں۔ لاوارث ہیں۔ ہم پر رحم کرو۔" درندہ خصلت عیسائی ہنس پڑے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔" رحم ہم عیسائیوں کے دل میں رحم ڈھونڈتی ہو۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔" عبداللہ کی بیوی کو بیگم کہتے تھے اس نے کہا۔" اچھا تم ہم سے کیا چاہتے ہو۔"

عیسائی:" جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے۔"

بیگم:" تم سب کچھ لے لو مگر ہماری جانیں بخش دو۔"

عیسائی ہنس پڑے۔ ان میں سے ایک نے غضبناک ہو کر کہا۔" جان بخش دیں تاکہ تم بچے جنو اور وہ ہم سے انتقام لیں کبھی نہیں ہم ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس وقت والٹر وہاں آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی تمام مسیحی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ والٹر نے کہا۔" مجھے معلوم ہے کہ یہ مکان بدمعاش عبداللہ کا ہے۔"

ایک عیسائی:" حضور یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔"

والٹر: (بیگم کی طرف اشارہ کر کے)۔" اس عورت سے پوچھو۔"

ایک عیسائی نے اس سے دریافت کیا۔" کیا یہ مکان عبداللہ کا ہے۔"

مسلمان کسی حالت میں جھوٹ بولنا گوارا نہیں کرتے اگرچہ بیگم والٹر کی گفتگو سے سمجھ گئی تھی کہ وہ عبداللہ سے ناراض ہے اور شاید اس پر اور اس کے بچوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گا اگر وہ چاہتی تو انکار کر دیتی مگر اس نے صداقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور کہا۔" ہاں! یہ مکان عبداللہ ہی کا ہے۔"

والٹر:" اور تم اس کی بیوی ہو۔"

بیگم: ''جی ہاں!''

والٹر: ''اور یہ دونوں بچے اسی کے ہیں۔''

بیگم: ''جی ہاں!''

والٹر نے غضبناک ہو کر کہا۔'' کم بخت عبداللہ نے عیسائیوں کی بڑی تعداد قتل کی ہے۔ وہ مر گیا مگر اس کی بیوی اور بچے ابھی زندہ ہیں۔ ان سے مرحوم عیسائی سرفروشوں کا انتقام لو۔ پہلے اس کی لڑکی کو ذبحہ کر ڈالو۔''

عیسائی یہ سنتے ہی بڑھے۔ بیگم کانپ گئی وہ اٹھی اگرچہ فرط رنج وغم سے اس سے اٹھا نہ جاتا تھا مگر جوں توں کر کھڑی ہوئی اور گڑگڑا کر بولی۔''نہیں! نہیں! ایسا ستم نہ کرو۔'' والٹر نے غصہ سے بھر کر کہا۔''ستم؟ ابھی دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

دو سپاہیوں نے نوجوان لڑکی کو پکڑ لیا وہ سنگ مرمر کے بت کی طرح سفید ہوگئی تھی اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے حلقوں میں پتلیاں گھبرائی ہوئی پھر رہی تھیں۔ دونوں شیطانوں نے اسے زمین پر دے مارا اور ان میں سے ایک نے تلوار نکالی۔ بیگم سہم گئی۔ وہ جھپٹی اس نے کہا۔'' آہ! میری بچی کو چھوڑ دو۔'' ابھی وہ اس درندہ کے قریب پہنچی بھی نہ تھی کہ ایک عیسائی نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور اس زور سے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا کہ ہاتھ کہنی کے پاس سے اتر گیا۔ وہ شدت تکلیف سے تڑپ گئی اور بے اختیار اس کے آنسو جاری ہو گئے وہ ایک ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھی لیکن ابھی وہ کھڑی ہونے بھی نہ پائی تھی کہ ان خونخوار انسانوں نے اس کی لڑکی کے حلقوم پر تلوار پھیر دی۔ معصوم لڑکی کی زبان سے اللہ کا پیارا نام نکلا اور پھر تڑپنے لگی۔ دونوں بدمعاشوں نے اسے دبا لیا اور وہ معصوم تڑپ بھی نہ سکی۔ بیگم نے یہ خونی منظر دیکھا تو اس کا دل ہل گیا اور وہ دوڑ کر اپنی بیٹی کے اوپر جا پڑی اور اس نے دلگداز لہجہ میں کہا۔'' آہ میری بچی! دفور قلق سے وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی اور تھوڑی ہی دیر میں لڑکی سرد ہوگئی۔'' والٹر اس انسانیت سوز بے رحمی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا اس نے کہا'' دیکھو ابھی یہ بچہ زندہ ہے۔'' ننھا بچہ ایک طرف سہا ہوا کھڑا تھا اور اس خونی منظر کو دیکھ رہا تھا۔ والٹر کے کہتے ہی دو عیسائی اس پھول سے بچے کی طرف بڑھے۔ بیگم تڑپ اٹھی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ بڑھے ہوئے صدمہ نے اسے اس قدر نحیف اور ناتواں کر دیا تھا کہ اس سے کھڑا نہ ہوا گیا وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ اس نے کہا۔'' آہ! نہیں میرے اس پھول پر رحم کرو۔ میرا شوہر مارا گیا۔ بچی شہید کر دی گئی۔ ایک یہی باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اور اس کے بدلے مجھے مار ڈالو'' مگر اس کی بات کون سنتا تھا۔ عیسائیوں نے بچہ کو بھی اس زور سے زمین پر پٹخا کہ

اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اس نے تڑپ کر کہا۔" امی جان! بچاؤ! مجھے بچاؤ! بیگم بے قرار ہو گئی۔ وہ ٹھوکریں کھاتی اپنے اس ہاتھ کو جو نکل گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑ کر بڑھی مگر قبل اس کے کہ وہ بچے کے پاس پہنچے خونخوار درندوں نے اس کے گلے میں بھی تلوار پھیر دی۔ خون کا فوارہ اچھلا بچہ تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے حسرت ظاہر ہونے لگی۔ جب بیگم اس کے پاس پہنچی تو اس کی آنکھیں بے نور ہو گئی تھیں۔ بے ساختہ بیگم اس کے اوپر گر گئی۔ اس نے کراہ کر کہا۔" آہ میرا بچہ!" والٹر کو اب بھی رحم نہ آیا۔ اس نے سپاہیوں سے کہا۔" اس عورت کو الگ پھینک دو اور اس بچہ کے گوشت کا قیمہ کر کے کباب بناؤ۔" ایک عیسائی نے جلدی سے بیگم کو اٹھا کر صحن میں پھینک دیا۔ اس کا سر اینٹوں سے ٹکرا کر پھٹ گیا اور اس پر ضعف طاری ہو گیا۔ دوسرے عیسائی نے معصوم بچہ کی لاش اُدھیڑ کر اس کے گوشت کا قیمہ بنایا اور لکڑیاں جلا کر کباب تیار کئے۔ تھوڑی ہی دیر میں بدنصیب بیگم کو ہوش آیا۔ وہ کراہتے ہوئے اٹھی اس نے بیٹھنے کی کوشش کی مگر نہ بیٹھ سکی۔ اس کا دماغ ہل گیا تھا اور دل بیٹھا جاتا تھا۔ اس نے کہا۔" میرا بچہ! خدا کے لئے میرا بچہ مجھے دیدو۔" اس غم نصیب کو کیا خبر تھی کہ اسے کے جگر پارے کے کباب بنائے جا رہے ہیں۔ والٹر نے شیطانی قہقہہ لگا کر کہا۔" تیرا بچہ تجھے دیا جائے گا"

بیگم نے پڑے ہی پڑے سر اٹھا کر کہا۔" میں تم کو دعا دوں گی۔"

اس کے سر کی پھانکیں کھل گئی تھیں اور ہر ایک پھانک سے خون نکل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور اس سے کوئی کام نہ کر سکتی تھی اسے سخت تکلیف تھی مگر بچہ کی محبت کے پیچھے ان تکالیف کو بھولے تھی۔ شکر گزار آنکھوں سے بے رحم اور درندہ صفت والٹر کو دیکھ رہی تھی۔ جب کباب تیار ہو گئے۔ تب والٹر نے کہا۔" اس عورت کو یہ کباب دے دو اور اس سے کہو کہ اگر بھوک لگ رہی ہو تو کھالے۔"

ایک شیطان سیرت عیسائی نے کباب لیجا کر بیگم کے سامنے رکھے اور کہا۔" بدقسمت عورت! ہمارے سردار کی مہربانی دیکھ! تجھے بھوکا سمجھ کر یہ کباب کھانے کو دیئے ہیں۔" بیگم نے مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔" تمہارے سردار کا شکریہ! مجھے بھوک نہیں ہے۔ میرے بچہ کو مجھے دیدو۔" والٹر نے کرخت لہجہ میں کہا۔" او کافر! یہ تیرے بچہ ہی کے کباب ہیں۔" بیگم کے کلیجہ سے ہوک اٹھی وہ کانپنے لگی۔ اس نے کہا۔" خدایا! اگر تو منصف ہے اگر تو منصف حقیقی ہے اگر تیری ہستی واقعی موجود ہے تو ان بے رحم درندوں سے میرے بچوں اور تمام مسلمانوں کا انتقام لے۔"

والٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔" خدا! مسلمانوں کا کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر انکا خدا ہوتا تو آج

ضرور ان کی امداد کرتا۔"

اب بیگم میں بولنے کی ہمت باقی نہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پتھرانے لگی تھیں اس کے لب کھلے مگر آواز منہ سے نہ نکلی اور سر ایک دم زمین پر گر پڑا۔"

والٹر نے کہا "تمام سامان نکال کر مکان میں آگ لگا دو۔" شیطان سیرت انسانوں نے ایک ایک تنکہ لوٹ کر مکان کو آگ لگا دی۔ جب شعلے بلند ہونے لگے تو وہ وہاں سے نکل گئے۔ اگر ہم ان تمام مظالم کو جو وحشی درندوں نے مظلوم و بے کس مسلم عورتوں اور بچوں پر کئے تفصیل سے لکھیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان زہرہ گداز واقعات کو لکھنے کی نہ قلم میں طاقت ہے اور نہ پڑھنے والے پڑھ سکتے ہیں۔

بس یہ سمجھ لیجئے کہ درندہ صفت عیسائیوں نے وحشیانہ بربریت کی انتہا کر دی۔ ایسے ایسے مظالم کئے جن سے زمین کانپ گئی۔ فلک تھرا گیا اور فرشتے لرز گئے۔ مچاڈ جو عیسائی مؤرخ ہے۔ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ پیٹر دی ہرمٹ کی فوج نے منسیا کے مسلمانوں پر وحشیانہ اور ہیبت ناک تعدیاں کیں۔ بچوں کی بوٹی بوٹی الگ الگ کر کے ان کو سیخوں پر چڑھایا اور عورتوں پر ہر قسم کی بے رحمیاں کیں۔ ان وحشی درندوں نے عیسائیت کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ (دیکھو تاریخ مچاڈ کا حاشیہ صفحہ 73-74)

غرضیکہ جب تک مسلم عورت اور ایک بچہ یا مسلمان کا ایک مکان بھی باقی رہا اس وقت تک یہ ہولناک مظالم ہوتے رہے۔ آخر جب ایک ایک مسلم ہستی کو چن چن کر مار ڈالا اور مسلمانوں کا ایک ایک گھر جلایا جا چکا تب وحشی عیسائی واپس لوٹے اور قلعہ سے باہر نکل کر اپنے اپنے کیمپ میں پہنچ کر مال غنیمت کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆

اکتالیسواں باب

تلاش

الیاس پر غشی طاری ہونے لگی تھی وہ گھوڑے سے گرنے لگا تھا اگر وہ گر جاتا تو اس کا سر کھنڈرات کے ملبہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا وہ تو خیریت ہوئی کہ اس کے ساتھیوں نے گھوڑوں سے کود کود کر اُسے سنبھال لیا الیاس پر اس وحشیانہ خبر نے کہ ایک لڑکی کو ایک نوجوان زبردستی لے گیا ہے اچانک غلبہ کر لیا تھا اس کے ہاتھ پاؤں کی قوت سلب ہو چکی تھی اور وہ بے ہوش ہونے لگا تھا مگر جب اُس کے ساتھیوں نے اُسے سنبھالا تو وہ جلدی ہوش میں آ گیا اور گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا وہ مسلمان بڈھا جس نے یہ خبر سنائی تھی ابھی تک کھڑا تھا اور کھڑا ہوا رحم و ہمدردی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا جب الیاس کے حواس درست ہوئے تب اُس کے ساتھیوں سے ایک شخص نے کہا ممکن ہے کہ وہ لڑکی کوئی اور ہو؟ الیاس نے غم زدہ آواز سے کہا میں اس فریب خیال میں نہیں آ سکتا۔

وہی: ''کیا حرج ہے کہ آپ اس سے مفصل دریافت کر لیں۔''

الیاس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ''حرج کچھ نہیں ہوا وہی جس کا مجھے اسی وقت اندیشہ ہو گیا تھا جب کہ میری بیٹی صبح کے وقت مجھ سے رخصت ہو رہی تھی آہ وہ نہ آتی تھی اس نے کہا ایک خوفناک خواب دیکھا تھا لیکن میں نے ہی اُسے زبردستی بھیجا اے بنی اسرائیل کے خدا مجھے صبر دے۔''

وہی: ''ممکن ہے کہ حنا مکان پر پہنچ گئی ہو۔''

الیاس: ''ناممکن ہے اچھا تم اس مسلم پیر مرد سے کچھ دریافت تو کرو۔''

وہی: ''ہم لوگوں کو معلوم نہیں کہ حنا کس قسم کا لباس پہن کر آئی تھی کس گھوڑے پر سوار تھی اگر آپ کو معلوم ہے تو آپ ہی دریافت کر لیں۔''

الیاس: ''اچھا میں ہی دریافت کرتا ہوں۔''

اب وہ پیر مرد سے مخاطب ہوا اُس نے دریافت کیا جس لڑکی کا تم ذکر کر رہے ہو وہ یہودی لڑکی تھی یا عیسائی؟

پیر مرد: ''یہ میں نہیں کہہ سکتا چونکہ عیسائی اور یہودی لڑکیاں قریب قریب ایک جیسا ہی لباس پہنتی ہیں اس لئے میں یہ شناخت نہیں کر سکا ہاں یہ بتا سکتا ہوں کہ لڑکی نہایت حسین تھی۔''

الیاس: ''لباس کیسا پہنا تھا۔''

پیرمرد: ''شاید ہلکے گلابی ریشم کی عبا تھی گلے میں جوہرات کے کئی چھوٹے بڑے ہار تھے ایک سُرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھی۔''

الیاس: ''اور بڈھا۔''

پیرمرد: ''میں نے کہا کہ بڈھا کوئی نہ تھا۔''

الیاس: ''ہاں میں بھول گیا وہ نوجوان عیسائی کیسے گھوڑے پر سوار تھا۔''

پیرمرد: ''اس کا گھوڑا شاید مشکی تھا۔''

الیاس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا حنا ایسی ہی عبا پہنے تھی جیسی کہ یہ پیرمرد بتارہے ہیں گھوڑا بھی اس کا سُرخ رنگ کا تھا اور بڈھا جس گھوڑے پر سورا ہو کر گیا ہے وہ مشکی تھا لیکن یہ کہتے ہیں کہ اس پر ایک نوجوان عیسائی سوار تھا مگر وہ بڈھا کہاں گیا کیا اسے اس نوجوان مسیحی نے مار ڈالا یا کہیں گرادیا۔ اس کے ساتھی نے کہا ان پیرمرد سے ہی دریافت کیجئے شاید انہوں نے کوئی آواز سنی ہو۔ الیاس نے اس سے دریافت کیا آپ نے کسی بڈھے کو نہیں دیکھا۔

پیرمرد: ''بالکل ہی نہیں۔''

الیاس: ''نہ کوئی آواز کسی قسم کی سنی۔''

پیرمرد: ''نہیں۔''

الیاس: ''غالبًا کچھ دیر تک دونوں میں کشمکش بھی ہوئی ہوگی۔''

پیرمرد: ''میں نہیں کہہ سکتا میں اس طرف سے گزر رہا تھا کہ ایک لڑکی نے چلا کر کہا ابا! ابا میں نے دیکھا تو وہ عیسائی اُسے گھور رہا تھا اور جب میں اس کی طرف دوڑا تو اس نے مجھے دیکھتے ہی لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈال لیا اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اپنے گھوڑے کو مہمیز لگائی اور دونوں گھوڑوں کو تیز دلکی لے گیا میں تھوڑی دیر تک بھاگا مگر بڈھا تھا زیادہ نہ بھاگا جا سکا میں نے نگاہیں اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی کہیں قریب ہو تو اُسے مدد کے لئے آواز دوں مگر افسوس دور دور تک بھی کوئی نہ تھا میرے خیال میں وہ ضرور وہی لڑکی ہوگی جس کی آپ تلاش میں ہیں الیاس نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا ہاں وہ وہی تھی۔

پیرمرد: ''اور وہ شاید آپ کی لڑکی ہے۔''

الیاس: ''ہاں میری ہی بیٹی تھی وہ۔''

پیرمرد: ''اگرچہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ لڑکی اپنی خوشی سے نہیں گئی لیکن پھر بھی یہ ضرور

کہوں گا کہ نوجوان لڑکیوں کو آزادانہ جہاں ان کا جی چاہے وہاں جانے دینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے اگر آپ اُسے پردہ میں رکھتے تو؟''

الیاس: ''ہماری قوم میں پردہ کا رواج نہیں ہے۔''

پیرمرد: ''اس لئے تو میں کہہ رہا ہوں کہ انسان کی یہ فطرت ہے وہ اپنی ہر اچھی چیز کو بڑی حفاظت سے رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہے مگر بعض قومیں اس طرف بالکل بھی توجہ نہیں کرتیں مگر جب کوئی عورت یا لڑکی بھاگ جاتی ہے یا اغوا کر لیجاتی ہے تب رونے لگتے ہیں۔''

الیاس: ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں پردہ کا سخت مخالف تھا اور یہ سمجھا کرتا تھا کہ مسلمان اپنی عورتوں پر بڑا ظلم کرتے ہیں جو انہیں پردہ میں رکھ کر گھر کی چار دیوار میں قید کر دیتے ہیں لیکن......''

پیرمرد: ''لیکن یہ بات نہیں ہے ہم اپنی عورتوں کو قوم کا ناموس سمجھتے ہیں ان کی حفاظت کرتے ہیں عزت کرتے ہیں ہم میں حمیت ہے اس لئے یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان پر کسی بدنظر کی نگاہ پڑے اور جب وہ باہر نکلیں گی تو ان پر لوگوں کی نظریں بھی پڑیں گی کیا یہ بے غیرتی نہیں ہے کہ اوباش لوگ نگاہ شوق سے ہماری بیٹیوں اور بیویوں کو دیکھیں۔''

الیاس: ''تم سچ کہہ رہے ہو یہ بڑی بے حمیتی کی بات ہے مگر جن کی عورتیں باہر نکلتی ہیں ان میں اس قسم کی حس باقی نہیں رہتی۔''

پیرمرد: ''اس لئے اگر کبھی کوئی لڑکی یا عورت بھاگ جاتی ہے تو اس کے گھر والوں کو نہ جوش آتا ہے نہ غصہ صرف ذرا سا ملال اس کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔''

الیاس: ''یہی بات ہے۔''

پیرمرد: ''لیکن اگر خدانخواستہ ایسا واقعہ کسی مسلمان کے ساتھ ہو جائے تو وہ اس شخص کے جو کسی مسلم عورت کو اغوا کر کے لیجائے خاندان بھر کو قتل کر ڈالے محبت اسی کا نام ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم میں غیرت ہو صنف نازک کو منظر عام پر لانے سے غیرت باقی نہ رہتی۔''

الیاس: ''غیرت اور حمیت کو رہنے دو میں تو یہ کہتا ہوں کہ عورتوں کو پردہ میں نہ رکھنے سے بعض اوقات بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اب مجھے ہی دیکھو میں اس لڑکی کی وجہ سے وطن چھوڑ کر یہاں آیا اگر وہ شروع سے ہی پردے میں رہتی تو کوئی بھی اُسے نہ دیکھ سکتا اور جب کوئی نہ دیکھتا تو اس کے درپے آزار بھی نہ ہوتا۔''

پیرمرد: ''یہی بات ہے مجھے آپ سے ہمدردی ہے لیکن افسوس ہے کہ میں آپ کے لئے

کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

الیاس: ''میں تمہارا مشکور ہوں کیا مہربانی کر کے مجھے یہ بتا دو گے کہ وہ عیسائی اس لڑکی کو کس طرف لے گیا ہے۔''

پیر مرد: ''میرے سامنے تو منسیا کی طرف گیا ہے۔''

الیاس: ''کیا منسیا کو سیدھا راستہ گیا ہے یا وہاں سے بیت المقدس بھی جا سکتے ہیں۔''

پیر مرد: ''نہیں بیت المقدس نہیں جا سکتے البتہ کچھ دور چل کر قلعہ اگز رو گورو کی جانب ایک راستہ پھٹ گیا ہے کیا آپ کا ارادہ ان کے تعاقب میں جانے کا ہے۔''

الیاس: ''ہاں۔''

پیر مرد: ''ضرور جاؤ اگر تیزی سے چلو گے تو یقیناً انہیں جا پکڑو گے افسوس میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے ورنہ میں تمہارے ساتھ چلتا۔''

الیاس: ''ہم آپ کے بہت شکر گزار ہوں گے۔''

پیر مرد: ''میں تیار ہوں مگر آپ اتنی دیر توقف کریں کہ میں شہر جا کر گھوڑا لے آؤں۔''

الیاس: ''اچھا ایک بات بتایئے۔''

پیر مرد: ''کیا؟''

الیاس: ''منسیا تو اسلامی قلمرو میں داخل ہے نہ؟''

پیر مرد: ''ہاں۔''

الیاس: ''اگر وہ منسیا تک نہ ملے۔''

پیر مرد: ''تب وہ قسطنطنیہ پہنچ جائیں گے اور پھر ممکن ہے کہ وہاں سے یورپ کو چلے جائیں۔''

الیاس: ''آہ ضرور وہ خبیث ایسا ہی کرے گا۔''

پیر مرد: ''کیا آپ اس عیسائی سے واقف ہیں۔''

الیاس: ''میرا خیال ہے کہ وہ نقولا تھا۔''

پیر مرد: ''نقولا کون ہے۔''

الیاس: ''بیت المقدس کے گرجا کا ایک پادری ہے۔''

پیر مرد: ''تو اُسے بیت المقدس ہی جانا چاہئے تھا۔''

الیاس: ''اُسے اندیشہ تھا کہ اسلامی حکومت میں وہ اس لڑکی کو کہیں چھپا نہیں سکتا اس لئے وہ قسطنطنیہ جانے کی کوشش کرے گا اور اگر وہ بدکار وہاں پہنچ گیا تو شاید یورپ جائے آہ میری

بیٹی۔''

پیر مرد نے دلاسا دیتے ہوئے کہا آپ غم وافسوس نہ کیجئے بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ان کے تعاقب میں چلئے۔

الیاس: ''لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ دور نکل گئے ہوں اور ہمیں قسطنطنیہ تک ان کا تعاقب کرنا پڑے۔''

پیر مرد: ''یہ ممکن ہے۔''

الیاس: ''اس لئے کچھ زادراہ تو لے لینا چاہیے۔''

پیر مرد: ''نہایت ضروری ہے لیکن منسیا تک تو میں انشاء اللہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔''

الیاس: ''تم کس قدر نیک انسان ہو۔''

پیر مرد: ''آپ ٹھہریئے میں گھوڑا اور کچھ سامان لے کر ابھی آتا ہوں۔''

الیاس: ''بہتر یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ہم بھی واپس چلیں اور وہاں سے تیار ہو کر آئیں۔''

پیر مرد: ''چلئے مگر جلدی کیجئے۔''

الیاس نے اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کو گھوڑا پیر مرد کو دلا دیا اور یہ سب تیزی سے شہر کی طرف چلے جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو پیر مرد نے دریافت کیا تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟''

الیاس: ''غالب کے مکان پر۔''

پیر مرد: ''بہتر ہے آپ وہاں چل کر ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔''

الیاس: ''بہت اچھا۔''

شہر میں داخل ہوتے ہی پیر مرد ان سے الگ ہو گیا الیاس غالب کے مکان پر پہنچا اُس نے پانچ جوانوں کو جو اُس کے ہمراہ آئے تھے تیار ہونے کا حکم دیا اور خود اپنے اور حنا کے لباس کے کئی جوڑے اور کچھ نقدی لے کر تیار ہو گیا تھوڑی ہی دیر میں پیر مرد بھی آ گیا وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا جس گھوڑے پر سوار ہو کر گیا تھا اس کی باگ دوڑ پکڑے آ رہا تھا اس کے آتے ہی الیاس اور اُس کے پانچوں ساتھی بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور یہ ساتوں آدمی شہر سے باہر نکل کر منسیا کی طرف نہایت تیزی سے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆

بتالیسواں باب

قہر الٰہی

سُلطان قزل ارسلان اسلامی عسکر لے کر قلعہ اگز رو گورو کے معصوم مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے روانہ ہو چکا تھا وہ اور اس کا لشکر نہایت جوش سے بڑھ رہے تھے انہیں غصہ تھا اور رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ عیسائیوں نے بلاوجہ مسلمانوں کو قتل کر کے جنگ و پیکار کی آگ بھڑکا دی تھی جس ملک میں امن وامان تھا اس میں بدامنی کی ایسی چنگاری ڈالدی تھی جس سے شعلے بھڑک کر ایشیا اور یورپ دونوں کو خاکستر کرنے کے لئے سلگنے لگی تھی عیسائیوں نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کر دیا تھا مردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں کو بھی مار ڈالا تھا ان کی اس مذبوحی حرکت نے مسلمانوں کے آتش انتقام روشن کر دی تھی ان کے سینے غم وغصہ سے بھر گئے تھے مسلمان مرد عورتیں اور بچے اس جذبہ سے سرشار ہو گئے تھے اور وہ اگز رو گورو کے مظلوم مسلمانوں کے انتقام کا جذبہ تھا وہ سفر کر رہے تھے بڑی تیزی اور بڑے جوش سے چونکہ تمام لشکر پچاس ہزار یا پچپن ہزار تھا اس لئے دور تک پھیلا ہوا تھا یہ لوگ قلعہ اگز رو گورو کی طرف بڑھ رہے تھے انہیں منسیا والوں کا کچھ حال معلوم نہ تھا اس زمانہ میں خبریں ورسائل کے تمام ذرائع ایسے آسان نہ تھے جیسے اس زمانہ میں ہو گئے ہیں اور ہر ایک ملک کی خبر دوسرے ملک میں تو بہت ہی مدت میں پہنچتی تھی۔ قزل ارسلان اور دوسرے تمام مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ عیسائی صرف اگز رو گورو ہی پر آئے ہیں اور ابھی وہ وہیں مقیم ہوں گے انہیں بالکل ہی یہ علم نہ تھا کہ ٹڈی دل عیسائی یورپ سے سمٹ کر ایشیائے کوچک میں آ دھمکے ہیں اور انہوں نے ایک طرف سے منسیا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا ہے اگر انہیں یہ بات معلوم ہو جاتی تو وہ اپنے لشکر کے دو حصے کر کے دونوں طرف روانہ کر دیتے اور شاید مسلمانوں کو قتل وتباہ ہونے سے بچا لیتے مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہے چنانچہ خدا ہی کو یہ منظور تھا کہ پہلے اگز رو گورو کے مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے اور پھر منسیا والوں کا اس لئے اس کے اسباب ایسے ہی پیدا ہو گئے اس اسلامی لشکر کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد عیسائیوں کے مقابلہ میں پہنچ کر جنگ شروع کر دے اس لئے وہ تیزی سے سفر کر رہے تھے ایشیائے کوچک پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس کے شمال میں کوہ پونٹس اور جنوب میں کوہ طارس ہیں اور یہ دونوں پہاڑ مشرق کی طرف ملکر آرمینیا تک بڑھتے چلے گئے ہیں۔

جب عیسائیوں نے اسلامی لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے انہوں نے جلدی سے قلعہ

کے دروازے بند کر لئے فصیل پر چاروں طرف سپاہی متعین کر دیئے اور سپاہیوں کے پاس تیروں اور پتھروں کے ٹکڑوں کے ڈھیر لگا دیئے اس طرح وہ محصور ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔

قزل ارسلان نے آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا ایک طرف وہ خود معہ لشکر کے مقیم ہو گیا دوسری طرف اپنے بہادر سپہ سالار غالب کو تیسری طرف منصور کو اور چوتھی طرف غیاث الدین کو ٹھہراؤ اس طرح سے یہ لشکر قلعہ کے چاروں طرف جاپڑا اور عیسائیوں کو ان سے انتقام لینے کی دھمکیاں دینے لگا اگرچہ عیسائی بھی ساٹھ ہزار تھے بلکہ اگز رو گورو کے مل جانے سے ان کی تعداد بڑھ گئی تھی مگر مسلمان بھی قریب قریب ان کے ہی برابر تھے وہ مسلمانوں کی بہادری سے خوب واقف تھے کیونکہ قلعہ کے مسلمانوں نے ان کا مقابلہ بڑی سرفروشی سے کیا تھا اس لئے انہیں فکر دامنگیر ہو گیا تھا مگر انہیں یہ بھی تھا کہ ان کے پیچھے ان کا ٹڈی دل لشکر اور آ رہا ہے اس لئے انہیں اطمینان تھا کہ مسلمان ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور نئے لشکر کے آتے ہی وہ (مسلمان) بھاگ کھڑے ہوں گے اسلامی لشکر نے قیام کرتے ہی یہ دیکھنا شروع کر دیا کہ کس جانب سے حملہ کیا جائے قزل ارسلان نے چیدہ چیدہ افسروں کو ہمراہ لے کر قلعہ کے گرد گشت لگانا شروع کر دیا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگز رو گورو کا قلعہ نہایت مضبوط اور شاندار تھا اس کی دیواریں اونچی اور مستحکم تھیں اس لئے ان کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔

جب کہ قزل ارسلان قلعہ کے گرد چکر لگا رہے تھے اس وقت عیسائی اس فکر میں تھے کہ معائنہ کرنے والے اگر ذرا قریب ہو جائیں تو وہ انہیں تیروں سے بیندھ ڈالیں اس بات کو یہ لوگ بھی خوب جانتے تھے اور اسی لئے وہ قلعہ سے کئی فرلانگ کے فاصلے پر گھوم رہے تھے اسلامی لشکر چاروں طرف سے ایک میل سے بھی زیادہ فاصلے پر مقیم ہوا تھا مگر محاصرہ اس طرح سے کر لیا تھا قلعہ کے اندر ایک چشمہ سے نہر کاٹ کر لیجائی گئی تھی سلطان نے اس نہر کو بند کرا دیا نہر کے بند ہو جانے سے عیسائیوں کو پانی کی قلت ہو گئی ہے مگر جو کچھ بھی تھوڑا بہت پانی نہر میں باقی رہ گیا تھا اس سے قلعہ والوں نے کام نکالا مگر ایک ہی دن میں پانی ختم ہو گیا اور اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا تمام قلعہ کے اندر کوئی کنواں نہ تھا نہ کوئی اور پانی کا ذخیرہ تھا انہوں نے ایک یا دو دن تک جوں توں کر کے صبر کیا مگر جب تیسرا دن ہوا اور آفتاب طلوع ہوا تو عیسائی پیاس کی شدت سے بلبلانے لگے اگز رو گورو کی سنگلاخ زمین تھی اور اس لئے اُسے کھود کر پانی نکال لینے کا خیال بھی کرنا حماقت میں داخل تھا ساٹھ ہزار عیسائی تھے اور پچاس ہزار گھوڑے مگر ان کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا اس لئے جانور اور انسان سب پریشان اور مصیبت میں تھے سلطان کا خیال تھا کہ عیسائی پانی نہ ملنے کی وجہ سے گھبرا کر قلعہ سے باہر نکل آئیں گے اور

تب ان سے دست بدست لڑائی ہوگی لیکن پانی بند کئے ہوئے تین دن ہو گئے تھے اور ابھی تک عیسائی قلعہ سے باہر نہیں نکلے تھے اس سے سلطان کو خیال ہوا کہ شاید عیسائیوں نے گڑھے کھود کھود کر پانی کا ذخیرہ کر لیا ہوگا اور جب تک وہ ذخیرہ ختم نہ ہو جائے گا اس وقت تک وہ باہر نہ نکلیں گے چونکہ سلطان اور تمام مسلمانوں کو اگزروگورو کے معصوم مسلمانوں کے شہید ہو جانے کا بیحد ملال تھا اس لئے وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح عیسائی مقابلہ پر آ جائیں اور وہ ان سے لڑ کر دلوں کے حوصلے نکال لیں۔ اس لشکر کے ساتھ جو بچے آئے تھے وہ کبھی کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے تھے اور وہ اس لئے جنگ کی ہولناک تباہی اور دردناک مناظر سے بالکل ناواقف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد لڑائی شروع ہو جائے اور وہ اپنے ہم عمر بچوں کا انتقام عیسائیوں کے بچوں سے لے کر اپنے جوش کی آگ کو ٹھنڈا کریں۔ جوں جوں لڑائی کو طول دیا جا رہا تھا ان کا جوش اور غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ جب وہ عیسائیوں کو فصیل پر کھڑے ہوئے دیکھتے تھے تو ان کا جوش ہیجان میں بدل جاتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر فصیل پر پہنچ کر ان سے لڑنے لگیں اور اب مسیحیوں کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ پیاس نے انہیں بے حال کر دیا تھا اور وہ اس قدر رنڈھال ہو گئے تھے جو ذرا کمزور تھے وہ دھوپ سے بچ کر کمروں او بارکوں میں پڑے رہتے تھے۔ جو لوگ تمام دن فصیل پر چڑھتے رہتے تھے وہ اس لئے منہ کھولے رہتے تھے کہ ٹھنڈی ہوا حلق کو کچھ طراوت پہنچا دے اکثر سپاہیوں نے اپنے گھوڑے ذبحہ کر کے ان کے خون پی پی کر اپنی پیاس بجھائی تھی۔ بعض اپنے چمڑہ کی پٹی کھول کھول کر گڑھوں اور نالیوں کے گندے پانی سے تر کر کے چوستے تھے۔ اور اکثر تھوڑے بہت گڑھے کھود کر اس کی گیلی مٹی اپنے جسم پر ملتے تھے مگر ان باتوں سے بالکل ہی تسکین نہ ہوتی تھی بلکہ اس سے ان کی پیاس اور بھڑک اٹھتی تھی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان اور بے قرار ہو جاتے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ معصوم مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی نازل ہو رہا تھا ان پر پانی بند ہو گیا تھا اور وہ قہر الٰہی کا شکار ہو ہو کر تڑپ رہے تھے بلبلا رہے تھے اور العطش العطش کے نعرے لگا رہے تھے فصیل پر کھڑے ہونے والے عیسائیوں میں بھی اب کھڑے ہونے کی سکت باقی نہ رہی تھی اور وہ بھی بیٹھ جاتے تھے بلکہ جب آفتاب عین نصف النہار پر پہنچ جاتا تھا تو وہ کتوں کی طرح زبان نکال کر ہانپنے لگتے تھے سب سے زیادہ خراب حالت ریناالڈ کی تھی وہ ہر وقت کسی گندی نالی پر پڑا رہتا تھا اور جب پیاس زیادہ پریشان کرتی تھی تو نالی کو زبان سے چاٹنے لگتا تھا ان کے پاس کھانے کا سامان بہت کافی تھا مسلمانوں سے لوٹی ہوئی دولت بھی تھی مگر پانی نہ تھا اور ایک پانی نہ ہونے کی وجہ سے دولت

اور رسد بے سود ہو رہی تھی آج وہ ایک ایک گلاس کے عوض اپنی تمام دولت دینے کو تیار تھے اب انہیں معلوم ہوا تھا کہ پانی بھی کس قدر گراں بہا نعمت ہے اور ایک اس کے ہی بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا وہ سمجھ گئے تھے مسلمان اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے آئے ہیں اور انہوں نے اس انتقام کے جذبہ سے ہی متاثر ہو کر ان پر پانی بند کر دیا ہے اب وہ پچھتانے لگے تھے کہ انہوں نے وحشیانہ بربریت کیوں کی مگر اب پچھتانا بے سود تھا خدا کا غضب ان پر نازل ہو گیا تھا اور اس سے چھٹکارہ پانا بھی تو غیر ممکن تھا سلطان قزل ارسلان فصیل پر کھڑے ہوئے عیسائیوں کی زبوں حالی دیکھ رہا تھا ایک دن صبح کی نماز پڑھتے ہی اُس نے اپنے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ آج قلعہ پر دھاوا کیا جائے گا اور قاصد بھیج کر غالب غیاث الدین اور منصور کو بھی اس کی اطلاع کرادی تھی۔

مسلمان اس حکم کا ہی انتظار کر رہے تھے وہ خوش ہو گئے اور بہت جلد مسلح ہو ہو کر میدان کار زار میں پہنچے اور صف بستہ ہونے لگے عیسائیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا اور انہوں نے شور کر کر کے قلعہ والوں کو آگاہ کر دیا کہ مسلمان آج ہی حملہ کرنے والے ہیں جو عیسائی چل سکتے تھے وہ گرتے پڑتے چلے اور فصیل پر چڑھ آئے ریجالڈ بھی آ گیا انہوں نے دیکھا کہ شیران اسلام نہایت جوش سے قلعہ کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

☆☆☆☆

تنتالیسواں باب

پُر جوش حملہ

مسلمان عرصہ سے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ سلطان قلعہ پر دھاوا کرنے کا حکم دے دے تو وہ حملہ کر کے درندہ عیسائیوں سے معصوم مسلمانوں کا انتقام لیں خدا خدا کر کے آج اُن کی آرزو پوری ہوئی اور سلطان نے انہیں یورش کرنے کا حکم دیا اس مژدہ روح افزا کو سُنتے ہی تمام مسلمان مسلح ہو ہو کر قلعہ کے چاروں طرف صف بستہ ہو گئے اور نہایت جوش اور بڑے جذبہ کے ساتھ بڑھنے لگے مسلمانوں کا ہر دستہ اور دستہ کا ہر افسر غیظ وغضب میں بھرا ہوا بڑھ رہا تھا آفتاب بہت کچھ بلند ہو گیا تھا اور دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی قدرے ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے مسلمانوں کے خود ہتھیار اور زرہ بکتریں دھوپ میں چمک رہی تھیں اور اسلامی جھنڈوں کے پھریرے ہوا میں لہلہا رہے تھے کچھ سپاہی پرانی قسم کی منجنیقیں دھکیلے چلے آ رہے تھے ان کے حملہ کی شان بتا رہی تھی کہ وہ آج قلعہ فتح کرنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں۔

جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی مسلمان بکھرے اور پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے ان کی ڈھیلی آستینیں چوڑے دامن اور عماموں کے پلے بڑے رعب سے ہوا میں لہرا رہے تھے مردوں کے پیچھے لڑکوں کے دستے تھے اور وہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے چلے آرہے تھے لڑکیوں کو اس بات کا افسوس تھا م کہ انہیں پیچھے رکھا گیا تھا اور وہ سب سے آگے رہنا چاہتے تھے عورتیں سر سے پاؤں تک چادروں میں مستور لڑکوں کے پیچھے تھیں وہ بھی گھوڑوں پر سوار تھیں اور ان میں بھی وہی جوش اور جذبہ تھا جو مردوں میں تھا عیسائی ان شیروں، شیروں کے بچوں اور شیرنیوں کو اس شان سے بڑھتے دیکھ کر کچھ خوفزدہ ہو گئے تھے۔ دراصل پیاس نے انہیں جان بلب کر رکھا تھا اور وہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے مگر اس پر بھی وہ آسانی سے قلعہ مسلمانوں کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خوب جانتے تھے کہ جو سنگدلانہ مظالم انہوں نے مسلمانوں پر کئے تھے مسلمان ان کا انتقام لینے کے لئے آئے تھے ایک روز انہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا تھا آج ان کے مرنے کی باری آ گئی تھی وہ ڈرتے تھے کہ مسلمان اگر قلعہ میں داخل ہو گئے تو ان کا قتل عام کر ڈالیں گے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ ان کا اس وقت تک مقابلہ کریں جب تک کہ امدادی لشکر ان کی امداد کے لئے نہ آ جائے حالانکہ امدادی لشکر کوئی بھی نہ آ رہا تھا اُنہیں معلوم ہی نہ تھا کہ ان کے بعد جو لشکر آیا تھا وہ منسیا کی طرف چلا گیا ہے لیکن اُنہیں اُمید تھی اور امید کے سہارے پر ہی وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے مسلمانوں نے قلعہ کے چاروں طرف سے بڑھنا شروع کر دیا تھا اور ہر سردار اس فکر میں مشغول ہو گیا تھا کہ سب سے پہلے وہی فصیل کے قریب پہنچ کر قلعہ پر چڑھنے کی سعی کرے خود سلطان ارسلان بھی یہی چاہتا تھا لڑکے ابھی تک نعرے لگا رہے تھے اب تمام مجاہدین بھی نعرے لگانے لگے تھے عیسائیوں میں طبل جنگ بجانے اور شور کرنے کی طاقت باقی نہ رہی تھی اور اس لئے وہ خاموش کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے رینالڈ سمجھ رہا تھا کہ عیسائیوں میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے ہمت نہیں ہے پیاس نے انہیں بے حال کر رکھا ہے اُس نے فوراً حکم دیا کہ گھوڑے ذبح کئے جائیں اور ان کا خون لڑنے والوں کو پلایا جائے چنانچہ ہزاروں گھوڑے ذبح کر ڈالے گئے اور خون احتیاط سے برتنوں میں لے کر فصیل کے اوپر کھڑے ہونے والے عیسائیوں کو پلایا گیا۔

خدا نے پانی کا نعم البدل پیدا ہی نہیں کیا خون پینے سے یوں بھی انسانوں کو طبعاً نفرت ہے لیکن خون خوار عیسائی اس کے عادی ہو گئے تھے اور وہ بڑی رغبت سے خون پی لیتے تھے مگر خون کے پینے سے اُنہیں کچھ بھی تسکین نہ ہوتی تھی اس میں شبہ نہیں کہ ذرا دیر کے لئے پیاس بجھ جاتی تھی مگر پھر بھڑک اٹھتی تھی اور پھر وہ منہ پھاڑ پھاڑ کر تازہ ہوا کھینچنے لگتے تھے جبکہ عیسائیوں نے

خون کے گھونٹ پی لئے تو ان میں کچھ توانائی آ گئی اور وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے مسلمان برابر بڑھے چلے آ رہے تھے اور اب وہ فصیل کے بہت قریب آ گئے تھے اتنے قریب کہ ان پر تیروں کی زد پڑ سکتی تھی عیسائیوں نے فوراً ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور اس شدت سے کہ مسلمانوں کی یلغار رُک گئی اور بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے جو مسلمان زیادہ مجروح ہو گئے تھے وہ ہٹا دیئے گئے اور ان عورتوں کے سپرد کر دیئے گئے جو سب سے پیچھے گھوڑوں پر سوار کھڑی تھیں۔

عورتیں فوراً گھوڑوں سے نیچے اُتر پڑیں اور انہوں نے تیروں کے پھل نکال نکال کر زخموں کو دھو دھو کر مرہم لگا لگا کر پٹیاں کسنا شروع کر دیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عورتوں کو اس کام میں بڑی دسترس ہے وہ بڑی پھرتی سے مرہم پٹی کر دیتی تھیں جو لوگ زخمی ہو جاتے تھے وہ عورتیں نہایت محبت اور بڑے سلیقہ سے زخم صاف کر کے مرہم لگا کر پٹیاں کس دیتی تھیں اور پھر اُن کی تیمار داری میں مصروف ہو جاتی تھیں ان زخمیوں میں اکثر ایسے بھی جوشیلے تھے جو پٹیاں کسواتے ہی پھر میدان جنگ میں جا دندناتے تھے اور زخموں کی تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ پھر قلعہ کی طرف بڑھنے لگتے تھے اب مسلمانوں نے بھی منجنیقوں سے پتھر پھینکنا شروع کر دیئے تھے یہ پتھر جب منجنیقوں سے نکل کر فصیل کی طرف اُڑتے تو زناٹے کی آواز پیدا ہوتی اور جب فصیل کے اوپر جا کر عیسائیوں کے اوپر گرتے تو ان کی پیشانیاں ان کے سینے اور ان کی پسلیاں توڑ ڈالتے کچھ مسلمان منجنیقوں کے پیچھے سے بھی تیر پھینکنے لگے تھے اور ان تیروں سے بھی مسیح مجروح ہو ہو کر گرنے لگے تھے جب تیروں کی باڑھیں یا منجنیقوں سے نکلے ہوئے پتھر عیسائیوں کے جا کر لگتے عیسائی جب انہیں تڑپتا ہوا دیکھتے تو انہیں جوش آ جاتا اور وہ بڑے زور اور پھرتی سے تیر برسانا شروع کر دیتے ان کے ان تیروں سے مسلمان بھی زخمی ہو رہے تھے لیکن وہ آہ واہ نہ کرتے تھے جو زیادہ زخمی ہو جاتے تھے وہ خود ہی پیچھے ہٹ جاتے تھے اور جو معمولی طور پر مجروح ہو جاتے تھے وہ زخموں کی پرواہ نہ کر کے برابر لڑتے اور بڑھتے رہتے تھے۔

چونکہ مسلمان نہایت ضبط واستقلال سے کام لے رہے تھے۔ اس لئے عیسائیوں کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ ان کے تیر بے کار جا رہے تھے اس سے ان کی ہمتیں پست ہوتی چلی جا رہی تھیں جب مسلمان کچھ اور بڑھ گئے تب عیسائیوں نے فلاخنوں سے پتھر پھینکنے بھی شروع کر دیئے۔

اب مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی مار پڑنے لگی اور ایک دفعہ تو وہ کچھ گھبرا گئے لیکن فوراً ہی سنبھلے اور انہوں نے ڈھالوں کی آڑ لے کر بڑھنا شروع کیا ادھر افسروں نے منجنیقوں والوں کو حکم دیا کہ وہ ذرا تیزی اور پھرتی سے پتھر پھینکیں چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے پتھر پھینکنے

شروع کر دیئے ان پتھروں نے عیسائیوں کو بہت بُری طرح سے زخمی کرنا شروع کر دیا سینکڑوں مسیحی شدید طور پر مجروح ہو ہو کر گرے جس عیسائی کی پیشانی پھٹ جاتی تھی یا سینہ ٹوٹ جاتا تھا یا چہرہ کی ہڈیاں قیمہ بن جاتی تھیں وہ تو ایک لمبی اور خوفناک آہ کر کے گر جاتا اور گرتے ہی تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو جاتا تھا البتہ جن کی دو چار ہی پسلیاں ٹوٹتی تھیں یا پیشانی میں خفیف سا زخم آتا تھا یا ہاتھوں اور پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی تھیں وہ گر کر تلملاتے اور چیخیں مارنے لگتے تھے اور ان کی چیخوں سے لڑنے والوں کے دل ہل جاتے تھے مجروح پانی پانی چلا رہے تھے اور پانی کا وہاں ایک قطرہ بھی نہ تھا بیچاروں کو پانی نہ ملتا تھا اور اس طرح وہ سسک سسک کر تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے آج اُنہیں ان مسلمانوں کی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا جنہیں انہوں نے بڑی بیرحمی اور سنگدلی سے قتل کیا تھا وہ پچھتا رہے تھے کہ انہوں نے بہائم بن کر مسلمانوں پر کیوں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے کیوں ان پر دنیا بھر کی بیرحمیاں کیں اگر وہ ان پر رحم کرتے تو آج ان پر بھی رحم کیا جاتا اور وہ پیاسے تڑپ تڑپ کر نہ مرتے انہیں اس وقت اس بات پر بھی افسوس ہوا کہ وہ پادریوں راہبوں اور پوپ کے کہنے میں آ کر کیوں گھر سے بے گھر ہو گئے اور کیوں مرنے کے لئے مسلمانوں کے سامنے آ پڑے ہیں اُنہیں موت کی بھیانک صورت نظر آنے لگی تھی اور اب وہ یہاں آنے پر پچھتانے لگے تھے بلکہ اکثر عیسائی پادریوں کو بُرا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگے تھے۔

اگرچہ وہ پوری طاقت سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے لیکن مسلمانوں کی رفتار میں کمی نہ آ رہی تھی وہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ڈھالوں کی آڑ لئے علم لہراتے برابر بڑھتے چلے آ رہے تھے عیسائیوں کو ہر طرف مسلمان خون خوار شیر معلوم ہو رہا تھا انہیں رہ رہ کر غصہ بھی آ رہا تھا کہ مسلمانوں کے قدم کسی طرح اور کہیں بھی نہ رُکتے تھے وہ جوش وغضب میں آ آ کر نہایت پھرتی سے تیر اور پتھر پھینک رہے تھے لیکن گویا مسلمانوں پر ان کا کچھ بھی اثر نہ ہو رہا تھا اور اس سے عیسائیوں پر ان کی ہیبت چھائی جا رہی تھی ان کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ مسلمان کس مٹی سے بنے ہیں اور کس دل گردے کے لوگ ہیں جن پر نہ تیر اثر کرتے ہیں نہ پتھر۔

مسلمان عیسائیوں پر اور عیسائی مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے اور ان سے ہر دو فریق زخمی بھی ہو رہے تھے مگر زیادہ نقصان عیسائیوں کا ہی ہو رہا تھا وہی شدید طور پر مجروح ہو ہو کر گر رہے تھے اور پانی پانی کی رٹ لگا رہے تھے غالب اور اس کا لشکر بڑی دلیری سے بڑھا چلا آ رہا تھا وہ فصیل کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے اور اب ان پر عیسائیوں کے تیر اور پتھر کارگر نہ ہوتے تھے وہ دیوار کے سائے میں جا کھڑے ہوئے تھے انہوں نے وہاں کھڑے

ہو کر کہا مسلمانو! تمہاری بینظیر جرات اور عدیم المثال دلیری تم کو یہاں تک لے آئی ہے اگر خدا کا فضل شامل حال ہے تو یقین ہے کہ سب سے پہلے تم ہی قلعہ میں داخل ہو گے خدا دیکھ رہا ہے کہ تم مظلوم مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے حملہ آور ہوئے ہو زیادتی عیسائیوں کی ہے عیسائیوں نے وحشیانہ مظالم سے دنیا تھرا گئی۔ یقین ہے کہ خدا کا قہر بھی جوش میں آ گیا ہو گیا بہادر و بڑھو، ننھے ننھے بچوں کے خون کا انتقام لینے کے لئے کچھ آدمی قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالو اور کچھ سیڑھیاں لگا لگا کر فصیل پر چڑھو مسلمان پہلے ہی سب جوش وغضب میں آئے ہوئے تھے اور مختصر تقریر نے انہیں اور غضبناک کر دیا اور وہ بڑھ کر کچھ دروازہ توڑنے اور کچھ فصیل پر چڑھنے لگے ہر مسلمان کے پاس تین تین ڈنڈوں کی سیڑھیاں گھوڑوں کے زینوں سے بندی ہوئی تھیں انہوں نے جلدی جلدی سے سیڑھیاں کھولیں اور ان میں ڈنڈے پھنسا پھنسا کر اور فصیل سے لگا لگا کر کھڑی کر دیں اور ان پر چڑھنے لگے قلعہ کی فصیل نہایت اونچی تھی پھر فصیل پر دشمن تھے کسی شخص کا نیچے سے اُوپر چڑھنا خطرہ سے خالی نہ تھا اُنہوں نے منہ میں تلواریں لے لے کر دانتوں میں دبالیں اور ہاتھ میں ڈھال لے کر دوسرے ہاتھ میں ڈنڈوں کو پکڑ پکڑ کر اُوپر چڑھنا شروع کیا چونکہ ابھی تک ان دستے کے تمام مسلمان فصیل کے نیچے نہ آئے تھے بلکہ دور تک پھیلے ہوئے تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے اس لئے عیسائی اُن کے حملے روکنے اور انہیں ترکی بترکی جواب دینے میں مشغول تھے سیڑھیاں دس بارہ برابر برابر لگا دی گئی تھیں اور مسلمان نہایت خموشی سے ان پر چڑھ رہے تھے۔

جب وہ فصیل کے برابر پہنچ گئے تو وہ سر بلند کر کے جھانکے اور جلدی سے فصیل پر کود گئے کودتے ہی تلواریں ہاتھوں میں لے لے کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے عیسائی اس طرح اچانک ان کے فصیل پر آ جانے سے کچھ حیرت زدہ ہو گئے اور حیرت سے چونکے تو مسلمانوں کی تلواریں اپنے سروں پر بلند دیکھ دیکھ کر گھبرا گئے مگر فوراً ہی سنبھلے اور تلواریں کھینچ کھینچ کر مسلمانوں سے لڑنے لگے مسلمانوں کا تانتا لگا ہوا تھا اور وہ سیڑھیوں پر چڑھ چڑھ کر آ رہے تھے آتے ہی فصیل پر کودتے تھے اور لڑائی میں مشغول ہو جاتے تھے غالب بھی جھنڈا لئے ہوئے فصیل پر چڑھ گیا تھا جس جگہ وہ پہنچا وہاں قریب ہی ایک بُرج تھا اور اس پر مسیحی جھنڈا لہرا رہا تھا اس نے جلدی سے صلیبی جھنڈا اتار کر پھینک دیا اور اسلامی علم اس پر نصب کر دیا جونہی ہلالی پرچم لہرایا اور اُسے سلطان قزل ارسلان منصور اور غیاث الدین نیز اُن کے لشکروں نے دیکھا تو انہوں نے جوش میں آ کر نہایت پرشور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی نہایت شدت سے حملہ کیا۔

☆☆☆☆

چوالیسواں باب

خُون آشام جنگ

اسلامی علم کو قلعہ پر لہراتے ہوئے دیکھ کر تمام مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے ہر سمت سے ہر دروازہ پر نہایت زور اور قوت سے حملہ کر دیا۔ فصیل کے دوسری طرف والے عیسائیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمان فصیل پر آ گئے ہیں اور انہوں نے اپنا جھنڈا گاڑ دیا ہے مگر جب انہوں نے مسلمانوں کو شور کے ساتھ نعرہ لگا کر جوش سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کی نظریں بھی اس طرف اُٹھ گئیں جس طرف اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ وہ اس جنڈا کو فصیل کے اوپر اڑتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں نے اس طرف کی فصیل پر قبضہ کر لیا۔

گھبرانے سے انسان کی عقل جاتی رہتی ہے۔ عیسائیوں کی بھی عقل جاتی رہی اور وہ ہر طرف سے سمٹ کر اسی طرف بڑھنے لگے جس طرح علم اُڑ رہا تھا۔ انکے ہٹتے ہی مسلمانوں پر زد پڑنا بند ہو گئی اور وہ تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھنے لگے۔ ادھر غالب اور اس کے ہمراہیوں نے عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ وہ تلواریں سونتے اِدھر اُدھر حملے کرتے اور حملے کر کے عیسائیوں کو پیچھے دھکیلتے پھر رہے تھے۔ وہ چاہتے یہ تھے کہ عیسائی ذرا پیچھے ہٹ جائیں تو زیادہ تعداد میں مسلمان فصیل پر آ جائیں اور پھر خونریز جنگ شروع کر دی جائے۔

عیسائی ان کی اس بات کو سمجھ گئے تھے۔ وہ سینہ سپر ہو کر ایک ہی جگہ کھڑے لڑ رہے تھے۔ پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ زخمی ہو رہے تھے۔ کٹ کٹ کر گر رہے تھے مگر وہاں سے قدم نہ ہٹاتے تھے جو لوگ مجروح ہو جاتے تھے یا مر کر گر جاتے تھے ان کی جگہ تازہ دم سپاہی آ جاتے تھے اور اس وجہ سے ان کی تعداد پھر پوری ہو جاتی تھی اور وہ پھر سرفروشی سے لڑنے لگتے تھے۔

مسلمان بھی جس قدر فصیل پر آ چکے تھے۔ وہ نہایت جوش وخروش سے حملے کر رہے تھے۔ وہ جس طرف حملہ کرتے تھے پروں کے پرے صاف کر دیتے تھے۔ جس گروہ پر ٹوٹتے تھے اسے ختم کئے بغیر دم نہ لیتے تھے مگر عیسائی مر رہے تھے۔ مجروح ہو رہے تھے لیکن ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹتے تھے اور اس لئے ایک ہی جگہ مردوں کے ڈھیر لگتے چلے گئے تھے۔ فصیل پر خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ ابھی تک بہت کم مسلمان فصیل پر آ سکے تھے۔ البتہ برابر زینوں پر چڑھ چڑھ کر آ رہے تھے اور جو آتے جاتے تھے وہ نہایت سرفروشی اور جاں نثاری سے لڑنا شروع کر

دیتے تھے۔

چونکہ اس وقت تمام عیسائیوں کی کوشش صرف اس بات پر رہ گئی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے ان مسلمانوں کو جو فصیل پر آ گئے ہیں اور لڑائی میں مصروف ہو گئے ہیں یا تو قتل کر ڈالیں یا دھکیل کر فصیل سے نیچے گرا دیں۔ اس لئے انہوں نے فصیل سے نیچے والوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی تھی اور فصیل والے مسلمانوں پر حملہ کرنے لگے تھے۔

انہوں نے ہر طرف سے سمٹ کر ان معدودے چند مسلمانوں پر ہر سمت سے یورش کر دی تھی اور بڑی دلیری اور جرات سے حملے کر کے انہیں پسپا کرنے لگے تھے اگرچہ مسلمان بڑے جوش سے لڑ رہے تھے اور نہایت پھرتی سے حملے کر کے انہیں قتل کر رہے تھے مگر عیسائیوں نے انہیں کچھ ایسا دبایا اور ان پر کچھ ایسی یلغار کی کہ مجبور ہو کر انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہی عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے پھر متفق و متحد ہو کر زوردار حملہ کیا۔ ان کا یہ حملہ پہلے سے بھی سخت ہوا اور باوجود بہت کچھ زور لگانے پر بھی مسلمانوں کو قدم اور پیچھے ہٹنا پڑا۔

چونکہ مسلمان پیچھے ہٹ کر فصیل کے باہر والی دیوار سے جا ملے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی آمد رک گئی تھی اور وہ سیڑھیوں پر کھڑے اس بات کا انتظار کرنے لگے تھے کہ جب مسلمان آگے بڑھیں تب وہ چھت پر کود کر لڑائی شروع کر دیں لیکن عیسائی کچھ ایسی سرفروشی سے لڑنے لگے تھے کہ وہ مسلمانوں کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔

چونکہ ابھی تک مسلمان بہت ہی تھوڑے فصیل پر آئے تھے اور تھوڑی ہی دور کھڑے لڑ رہے تھے۔ اس لئے جنگ بھی صرف اتنی ہی دور میں ہو رہی تھی۔ جتنی دور میں مسلمان کھڑے لڑ رہے تھے۔ فریقین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ نہایت شدت سے ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔ تلواریں بڑی پھرتی سے اُٹھ اُٹھ کر چمک رہی تھیں اور جھک جھک کر خون کے فوارے برساتی اٹھ رہی ھیں۔ مسلمان عیسائیوں کو دھکیل کر آگے بڑھنا چاہتے تھے اور عیسائی مسلمانوں کو فصیل سے نیچے گرانے کی فکر میں تھے لیکن نہ عیسائی پیچھے ہٹتے تھے اور یہ مسلمان فصیل سے نیچے گرتے تھے بلکہ دونوں کھڑے، نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔

اگر عیسائی قتل ہو ہو کر گر رہے تھے تو مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے اور مرنے والوں کی لاشوں سے فصیل پٹتی چلی جا رہی تھی جبکہ جنگ نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی تو فصیل کے نیچے لڑکوں کے رسالے پہنچ گئے اور انہوں نے پر زور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

ان کے نعرہ کی آواز سنتے ہی مسلمانوں کو خیال آیا کہ مبادا بچے بھی فصیل پر نہ چڑھ آئیں اور آتے ہی جنگ شروع کر دیں جس سے انہیں ندامت اٹھانی پڑے اور ان کی فتح بچوں کا

کارنامہ شمار ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے بھی اللہ اکبر کا پر شور نعرہ بلند کر کے بڑے زور سے حملہ کیا۔

ان کی تلواریں بجلی کی طرح کوند کر اٹھیں اور برق خاطف کی طرح دشمنوں پر گریں۔ اس سے پہلے ہی حملے میں بہت سے عیسائی کشتہ ہو گرے۔ ان کے گرتے ہی مسلمانوں نے بڑھ کر ایک اور حملہ کیا اور اس حملہ میں بھی انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ جب انہوں نے تیسرا حملہ کیا تو عیسائی گھبرا کر ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے ہٹتے ہی مسلمان آگے بڑھے اور انہوں نے جوش میں آ کر پھر حملہ کیا پھر عیسائی قتل ہو کر گرے اور مسلمانوں نے بڑھ کر ایک اور حملہ کیا۔ ان متواتر حملوں سے بہت سے عیسائی مارے گئے اور چونکہ مسلمان انہیں قتل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اس لئے اب اتنی جگہ نکل آئی کہ جو مسلمان سیڑھیوں پر کھڑے تھے وہ کود کود کر آتے اور آتے ہی لڑنے لگ جاتے۔

اس وقت غالب نے جوش میں آ کر حملہ کیا وہ سامنے والی صف پر جا ٹوٹا اور جلدی جلدی حملے کر کے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائیوں پر اس کا کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ جب اس نے دیکھا کہ سامنے سے عیسائی ہٹ کر ادھر ادھر ہوتے جاتے ہیں تو وہ بھی ادھر ادھر حملے کرنے لگا۔

اس کی تلوار جس طرف اٹھ جاتی تھی اور جس کے سر پر بلند ہوتی تھی اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی اس نے بہت سے عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عیسائی اگر قتل ہو رہے تھے تو مسلمانوں کو بھی قتل کر رہے تھے وہ ابھی تک اسی فکر میں تھے کہ یا تو مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں یا انہیں فصیل سے نیچے گرا دیں یہ خیال انہیں اس وجہ سے فریب دے رہا تھا کہ مسلمان اب تک بھی بہت ہی تھوڑے فصیل پر آئے تھے مگر جس قدر بھی آ چکے تھے وہ اس دلیری و جاں بازی سے لڑ رہے تھے کہ ان کا مقابلہ کرنا عیسائیوں سے دشوار ہوا جا رہا تھا مگر وہ اس دشواری پر قابو حاصل کرنے کے لئے بڑی سرگرمی سے لڑ رہے تھے۔ غالب کو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے اور حملے کر کے عیسائیوں کو قتل کرتے دیکھ دیکھ کر عام مسلمانوں میں جوش و غضب کا طوفان امڈ آیا اور وہ بھی غالب ہی کے سے جوش سے لڑ رہے تھے۔

چونکہ اب ہر مسلمان شیر نر بن گیا تھا اور ہر مسلمان کی تلوار موت کا پیغامبر بن گئی تھی۔ اس لئے عیسائی کثرت سے مقتول و مجروح ہونے لگے تھے۔ ان کی صفیں کی صفیں کٹ کٹ کر گرتی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی تلواریں نہایت پھرتی سے کاٹ چھانٹ کر رہی تھیں اور ہر طرف سے عیسائی کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ سامنے والے عیسائیوں کا خاتمہ کر کے

قلعہ کے اندر اتر آئیں اور دروازہ کھول کر اپنے تمام لشکر کو قلعہ کے اندر گھسا لیں تاکہ برابر کی جنگ ہو کر جلدی لڑائی کا فیصلہ ہو جائے۔ مگر عیسائی ان کا آگا روکے ہوئے تھے اور وہ کسی طرح بھی انہیں زینوں کی طرف نہ بڑھنے دیتے تھے۔

قدم قدم پر انکا مقابلہ کر رہے تھے اور ایک ایک انچ فصیل پر اپنی لاشیں بچھا رہے تھے۔ اس وقت وہ پیاس کو بھول رہے تھے اور نہایت جوانمردی سے بڑی خونریزی کے ساتھ لڑائی لڑ رہے تھے۔ جس وقت فصیل پر خونریز جنگ جاری تھی اس وقت غالب کے سپاہی دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن پھاٹک ایسا مضبوط تھا کہ باوجود بہت کچھ جدوجہد کرنے کے بھی ابھی تک نہیں ٹوٹا تھا اور نہ ہی جلدی سے اس کے ٹوٹنے کی امید تھی۔ مگر مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور وہ برابر اسے توڑنے کی سعی کر رہے تھے۔ چونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اوپر فصیل پر جنگ ہو رہی ہے۔ اسلئے چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح دروازہ ٹوٹ جائے تو وہ قلعہ کے اندر گھس کر جنگ کرنے لگیں مگر ابھی ان کی یہ آرزو پوری ہوتی نہ معلوم ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ تکمیل آرزو کے لئے بڑی محنت اور مشقت کر رہے تھے اور دروازہ توڑ ڈالنے کی ہر ممکن تدبیر میں لگے ہوئے تھے۔ فصیل کے نیچے کھڑے ہوئے لڑکے بھی اس فکر میں تھے کہ سیڑھیاں خالی ہوں تو وہ بھی اوپر چڑھنے لگیں لیکن ابھی ہزاروں مسلمان فصیل کے نیچے کھڑے تھے اور بغیر ان سب کے اوپر پہنچے ہوئے سیڑھیوں کا خالی ہونا غیر ممکن تھا۔ جنگ کا جو جذبہ نوجوان اور جوانوں کو بے قرار کر کے اوپر لئے جا رہا تھا وہی جذبہ بچوں کو اوپر جانے کے لئے بیچین کئے ہوئے تھا

جب زیادہ دیر گزر گئی تو انہوں نے مجاہدین سے التجا کی کہ انہیں بھی موقع دیا جائے تاکہ وہ بھی فصیل کے اوپر پہنچ کر لڑنیوالوں کا ہاتھ بٹا سکیں مگر مسلمان انہیں یہ کہہ کر تسلی دے رہے تھے کہ چھوٹے جانبازو! پہلے ہمیں پہنچ لینے دو پھر تم بھی آ جانا۔ فصیل پر اس وقت نہایت سخت جنگ ہو رہی تھی۔ اب عیسائی مسلمانوں میں اور مسلمان عیسائیوں میں گھس گئے تھے۔

گویا فریقین کا جوش ہیجان میں آ گیا تھا اور متخاصمین اپنے اپنے جوش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ عیسائی تلواریں تولے بڑی دلیری اور جرات سے لڑ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے فیصلہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ مسلمان بھی بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔

وہ نہایت پھرتی سے جھپٹ جھپٹ کر ادھر ادھر اور سامنے حملے کر رہے تھے اور جو عیسائی بھی جس کسی مسلمان کے سامنے آ جاتا تھا وہ اسے قتل کر ڈالتا تھا۔ مسلمانوں نے ان تمام عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ جو ان کے بیچ میں آ کر گھسے تھے اور اب انہوں نے سامنے والے عیسائیوں پر نہایت شدت سے حملہ کر دیا تھا۔ اگرچہ عیسائیوں نے ان کا حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا

دیا تھا مگر وہ پھر بھی نہ روک سکے۔

ان کی بڑی تعداد نذر اجل ہو گئی اور بچے کھچے پیچھے ہٹنے لگے۔ انہیں خیال نہ رہا کہ پیچھے ہٹنے سے وہ قلعہ کے اندر جا پڑیں گے اور فصل کی بلندی سے گر کر چور چور ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے ایک اور حملہ کیا تو عیسائی اس قدر پیچھے ہٹے کہ ان میں سے سینکڑوں آدمی فصیل سے نیچے جا پڑے اور گرتے ہی ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

ٹھیک اس وقت جبکہ عیسائی فصیل کے اوپر سے گر رہے تھے قلعہ کے اندر سے اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔ اس آواز کو سن کر جس قدر حیرت عیسائیوں کو ہوئی اسی قدر مسلمانوں کو بھی ہوا اور دونوں فریق فصیل کے اوپر سے جھک جھک کر قلعہ کے اندر جھانکنے لگے۔

☆☆☆☆

پینتالیسواں باب

انجام ستم

مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کا شیر دل سلطان قزل ارسلان اسلامی علم ہاتھ میں لئے آگے آگے اور سرفروشانِ اسلام ان کے پیچھے پیچھے تلواریں ہاتھوں میں لئے بڑے جوش سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قلعہ کے اوپر اسلامی علم لہراتے ہوئے دیکھ کر سلطان، منصور، غیاث الدین نے نہایت جوش سے حملہ کیا تھا۔ سب سے پہلے سلطان اپنے لشکر کے ہمراہ دروازہ پر پہنچا اور اس کے غضبناک سپاہیوں نے پھاٹک توڑ ڈالا۔ عیسائیوں کے دستے چاروں طرف دروازوں پر حفاظت کے لئے مامور تھے چنانچہ جب سلطان کے ہمراہی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو محافظ سپاہیوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ رینالڈ نے ہر دروازہ پر ایک ایک ہزار سپاہی تعینات کر دیئے تھے۔ اس لئے قلعہ میں داخل ہوتے ہی سلطانی لشکر کا مقابلہ ان ایک ہزار عیسائیوں سے ہوا۔ سلطان المعظم جوش اور غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس شدت سے حملہ کیا کہ دم کے دم میں تمام محافظوں کو قتل کر ڈالا۔ راستہ صاف ہوتے ہی وہ بڑھے اور کچھ دور چل کر انہوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا اور اس نعرہ کی آواز سن کر فصیل کے اوپر سے عیسائیوں نے اور مسلمانوں نے انہیں جھک جھک کر دیکھا تھا۔ عیسائی لشکر نصف کے قریب فصیل کے اوپر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور نصف دھوپ سے بچنے کے لئے بارکوں اور مکانوں کے اندر گھسا ہوا تھا اور پیاس کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔ جب اس لشکر نے مسلمانوں کو قلعہ کے اندر آتے دیکھا۔ آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ جلد جلد مسلح ہو ہو کر ان کے مقابلہ میں آ گیا اور آتے ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ سلطان کے ساتھ اس وقت دس ہزار

لشکر تھا اور عیسائی تقریباً تیس ہزار تھے مگر مسلمان کچھ ایسے جوش وغضب سے بھرے ہوئے تھے کہ انہوں نے دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی پرواہ نہ کر کے حملہ آور عیسائیوں پر جوابی حملہ کر دیا۔ سفید سفید تلواریں جگمگاتی اٹھیں اور بجلی کی طرح کوند کوند کر انسانوں کے سروں کی طرف جھکیں۔

سرفروشوں نے تلواروں کو سیاہ ڈھالوں پر روکا۔ کھٹا کھٹ کی آواز سے فضا تھرا گئی۔ بہادروں کو جوش آ گیا اور ایک فریق دوسرے فریق پر نہایت ہی زور شور سے ٹوٹ پڑا۔ اب جنگ شروع ہوگئی۔ برق وش تلواریں جلد جلد اٹھنے لگیں چونکہ مسلمان دس ہزار اور عیسائی تیس ہزار تھے۔ اس لئے دور تک پھیلے ہوئے تھے اور جہاں تک پھیلے ہوئے تھے اور جہاں تک پھیل گئے تھے۔ وہیں تک محاذ جنگ قائم ہو گیا تھا۔ تلواریں ایسی پھرتی سے اٹھ رہی تھیں کہ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا آیا وہ جھک بھی رہی ہیں۔ دور تک ان کا کھیت سا اُگا ہوا نظر آتا تھا۔ دونوں فریق جوش وغضب میں بھرے ہوئے تھے۔ بڑی دلیری اور نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ خونریزی شروع ہوگئی تھی سر کٹ کٹ کر اچھلنے اور اور اچھل اچھل کر گرنے لگے تھے۔ خون کے فوارے ابلنے لگے اور دھڑ گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچلے جانے لگے تھے۔ عیسائیوں نے شور وغل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے شور مچانے اور زخمیوں کے چلانے، گھوڑوں کے ہنہانے سے تمام قلعہ گونج رہا تھا۔ عیسائی یورپ سے دور دراز کا سفر طے کر کے محض مسلمانوں کو مٹانے انہیں عرب کے ریگستان میں دھکیلنے کے لئے آئے تھے وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر جنگ میں کوتاہی کی تو خود ان کا فناہ ہو جانا یقینی ہے۔ اس لئے وہ بڑے جوش اور پورے زور وقوت سے لڑ رہے تھے۔ مگر ان کا مقابلہ تھا مسلمانوں سے ان مسلمانوں سے جن کی دلیری کی دھاک دنیا بھر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جن سے ہر قوم کانپتی تھی اور جن کے تھوڑے سے افراد ان کا مقابلہ پہلے بھی کر چکے تھے۔

مسلمان جوش وغضب میں بھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے آئے تھے۔ ان معصوم بھائیوں کا جنہیں عیسائی بھیڑیوں نے بے رحمی اور سنگ دلی سے مٹا ڈالا تھا۔ وہ غضبناک نظروں سے عیسائیوں کو دیکھ اور نہایت پھرتی سے پوری قوت کے ساتھ ان پر حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں عیسائیوں کو اس طرح سے کاٹ رہی تھیں جیسے کہ کسانوں کی درانتیاں کھیتوں کو کاٹا کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے سو سو اور دو دو سو کے گروہ بن گئے تھے اور ہر گروہ بڑی سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔ ہر مسلمان یہ کوشش کر رہا تھا۔ کہ سب سے زیادہ عیسائیوں کو قتل کر کے اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام لے اور سب سے زیادہ ثواب کا مستحق ہو جائے۔ جب کوئی مسلمان کسی عیسائی کو مار ڈالتا تو اس کے قریب لڑنے والا مسلمان جوش سے بھر کر جلدی

سے اس لئے حملہ کر دیتا کہ وہ بھی کم سے کم ایک عیسائی کو قتل کر کے اپنے ساتھی کے برابر ہو جائے کہ جب تک وہ ایک دو عیسائیوں کو نہ مار ڈالتا دم نہ لیتا تھا۔ نہ ادھر ادھر دیکھتا تھا بلکہ برابر حملے کئے جاتا تھا۔

عیسائی بھی کمال جوش و خروش سے اور بڑے زور و قوت سے لڑ رہے تھے۔ وہ بھی جب موقعہ پاتے تھے کسی نہ کسی مسلمان کو شہید کر ہی دیتے تھے مگر ان میں مسلمانوں کا سا جوش و خروش نہ تھا۔ مسلمانوں کے حملوں کی شان بتا رہی تھی کہ وہ بہت جلد عیسائیوں کا خاتمہ کر ڈالیں گے وہ نہایت تیزی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے اور ہر حملہ میں عیسائیوں کو قتل کرتے چلے جا رہے تھے۔ سلطان المعظم قزل ارسلان کی عمر پچاس سال سے زائد تھی وہ بوڑھا تھا مگر اس کے قویٰ مضبوط تھے اور دل نوجوانوں کا سا تھا وہ ایک ہاتھ میں علم لئے اور دوسرے ہاتھ میں تلوار اٹھائے بڑی جیداری سے لڑ رہا تھا۔ وہ جس طرف حملہ کرتا تھا دو چار عیسائیوں کو مار ڈالتا تھا جس صف پر ٹوٹ کر گرتا تھا اسے بچھا دیتا تھا۔ اس نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ عیسائی اس قدر ڈرنے لگے تھے کہ جب اسے حملہ آور ہوتے دیکھتے تھے تو گھبرا کر ادھر ادھر کترا جاتے تھے۔ سلطان کا چہرہ جوش و غضب سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ گھوڑے کے مہمیزیں لگا لگا کر ادھر ادھر دوڑا رہا تھا اور جس طرف جاتا تھا اس طرف کے عیسائی مردوں کے ڈھیر لگاتا چلا جاتا تھا۔

مسلمان ضعیف العمر سلطان کو اس بیبا کی اور دلیری و جرات سے لڑتے ہوئے دیکھ کر خود بھی غیض و غضب سے بھر بھر کر حملے کر رہے تھے اور سلطان ہی کی پھرتی اور اس دلیری سے لڑ رہے تھے۔ جبکہ قلعہ کے اندر خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ اس وقت فصیل کے اوپر بھی خون آشام معرکہ شروع ہو گیا تھا۔ غالب اور اس کے ہمراہیوں نے سلطان اور سلطانی لشکر کو قلعہ میں آتے اور لڑتے دیکھ کر نہایت جوش میں آ کر عیسائیوں پر حملہ کیا۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا اور اچھل اچھل کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے عیسائیوں کو قتل کرنے لگا۔ اگرچہ عیسائیوں نے بڑی جرات و ہمت سے جنگ شروع کر دی لیکن مسلمانوں کو قلعہ میں آ کر لڑتے ہوئے دیکھنے سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ ہمتیں ٹوٹ گئی تھیں اور اب وہ اپنے بچاؤ کے لئے لڑ رہے تھے۔

اب کافی تعداد میں مسلمان فصیل پر پہنچ گئے تھے اور اب وہ دور تک پھیل کر نہایت خون آشام جنگ کرنے لگے تھے۔ اس وقت آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ دھوپ میں گرمی آ گئی تھی۔ آفتاب کی شعاعیں سیدھی پڑنے لگی تھیں۔ ہوا بھی کسی قدر تیز چل رہی تھی اور اس وجہ سے تپش میں قدرے کمی تھی۔ خون آلودہ تلواریں خون برساتے ہوئے اٹھ رہی تھیں اور اٹھ اٹھ کر انسانی زندگیوں کو ختم کر رہی تھیں۔ جب سے مسلمانوں نے اپنے سلطان کو قلعہ کے

اندر لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت سے انہوں نے اور بھی جوش سے جنگ شروع کر دی تھی۔ وہ ہر طرف بکھر گئے تھے اور عیسائیوں کو گاجر مولی کی طرح سے کاٹنے لگے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جلدی سے لڑنے والے عیسائیوں کا خاتمہ کر کے قلعہ کے اندر پہنچ کر سلطان اور سلطان کے لشکر کا ہاتھ بٹائیں۔ غالب بڑے جوش سے حملے کر رہا تھا۔ سب سے زیادہ وہی یہ چاہتا تھا کہ عیسائیوں کو ختم کر کے نیچے پہنچ کر سلطان کے جلو میں لڑنے کا فخر حاصل کرے۔ وہ بڑی پھرتی سے لپک لپک کر حملے کر رہا تھا اس کی بے پناہ تلوار جس مسیحی کے سر پر پڑتی تھی اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ جس ڈھال پر پڑتی تھی اسے پھاڑ ڈالتی تھی۔ اس نے اتنے عیسائی مار ڈالے تھے کہ وہ انہیں شمار بھی نہ کر سکتا تھا اگرچہ عیسائی قدم قدم پر قتل ہو ہو کر گرتے چلے جا رہے تھے لیکن دمبدم پیچھے بھی ہٹ رہے تھے وہ چاہتے تو یہی تھے کہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹیں اور مسلمانوں کا خاتمہ کرتے بڑھتے چلے جائیں لیکن شاید ان کی تلواریں کند ہو گئی تھیں یا بازوؤں میں قوت ہی باقی نہ رہی تھی جو کہ مسلمانوں پر ان کے حملے کچھ بھی اثر نہ کرتے تھے۔

مسلمان انہیں ریلتے اور قتل کرتے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے فصیل کے چپہ چپہ پر عیسائیوں کی لاشیں بچھا دی تھیں اور خون تمام فصیل پر بہا پھر رہا تھا۔ غالب نے بلند آواز سے کہا۔ "مسلمانو! یہ کیسی جنگ ہے کہ اتنی دیر ہو گئی اور تم عیسائیوں کا خاتمہ نہ کر سکے؟ کیا بھول گئے ہو اس بات کو کہ ان بھیڑیوں نے ننھے ننھے بچوں کو ذبحہ کر ڈالا ہے۔ عصمت مآب خواتین کو گھروں میں گھس گھس کر قتل کیا ہے۔ مساجد کو جلا ڈالا ہے۔ انتقام لو۔ ان بے رحموں سے۔ شہداء کا انتقام لو اور چن چن کر ایک ایک عیسائی کو قتل کر ڈالو۔"

غالب کی اس مختصر تقریر نے مسلمانوں میں جوش اور غصہ کی روح پھونک دی۔ انہوں نے سنبھل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور نہایت زور و قوت سے حملہ کر دیا۔ ہر مسلمان عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا اور ہر ایک نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس ایک ہی حملہ میں تین چار ہزار مسیحی مارے گئے اور ڈیڑھ دو ہزار کے قریب مجروح ہو گئے۔ یہ حملہ کچھ ایسا سخت ہوا کہ عیسائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور زینوں میں گھس کر نیچے اترنے لگے۔ مسلمانوں نے انہیں پیچھے ہٹتے اور بھاگتے ہوئے دیکھ کر نہایت شدت سے ایک اور حملہ کیا۔ یہ حملہ پہلے سے بھی سخت ہوا اور پھر کثیر التعداد عیسائی مارے گئے اور اب ان پر مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ جان بچانے کے لئے بے ساختہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس بدتمیزی سے بھاگے کہ کشادہ زینے تنگ ہو گئے چونکہ ہر ایک شخص بھاگ کر زینہ کے نیچے اتر کر بھاگنے کی

فکر میں لگ گیا۔ اس لئے وہ بدحواس ہو ہو کر ایک کے اوپر ایک گرنے لگا۔ اب ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ رہا۔ اس لئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو مسیحی جس طرف ملا مار ڈالا گیا۔ فصیل اور زینے عیسائی مردوں سے بھر گئے۔ عیسائی کچھ ایسے بدحواس ہو رہے تھے کہ جن لوگوں کو زینوں میں گھسنے کے لئے جگہ نہ ملی وہ فصیل کے اوپر سے قلعہ میں کودنے یا گرنے لگے چونکہ فصیل نہایت اونچی تھی اس لئے جو لوگ گرتے یا کودتے تھے ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتے تھے اور وہ بری طرح سے کراہنے اور چلانے لگتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام فصیل عیسائیوں سے پاک ہو گئی۔ فصیل پر جس قدر بھی عیسائی تھے ان میں سے زیادہ تعداد تو ماری گئی اور کچھ قلعہ کے اندر اتر گئے۔ غالب اور اس کے ہمراہی ان کے پیچھے ہی قلعہ کے اندر اُتر گئے اور انہوں نے جاتے ہی عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ سلطان اور اس کا لشکر ابھی تک عیسائیوں سے لڑ رہا تھا۔ انہوں نے بھی بے شمار عیسائیوں کو قتل کر ڈالا اور اب بھی بدستور انہیں قتل کر رہے تھے۔ جب غالب معہ اپنے ہمراہیوں کے قلعہ کے اندر آیا تو اس وقت پھر اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ غالب اور سلطان نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا انہیں غالب کے سپاہی قلعہ کے اندر آتے اور آتے ہی عیسائیوں پر حملہ کرتے نظر آئے۔ غالب کے لشکر نے بھی دروازہ توڑ ڈالا تھا اور وہ عیسائی محافظوں کو قتل کر کے قلعہ میں گھس آئے تھے۔

چونکہ وہ عرصہ تک دروازہ سے لڑنے اور اسے توڑ ڈالنے کی سعی کرتے رہے تھے اور پھاٹک بہت دیر میں ٹوٹا تھا۔ اس لئے انہیں بڑا غصہ آ رہا تھا اور انہوں نے آتے ہی نہایت جوش اور بڑے غصہ میں آ کر حملہ کر دیا تھا۔ پہلے ہی حملے میں انہوں نے سینکڑوں عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔

اس طرح عیسائیوں پر تین طرف سے مسلمانوں نے حملے کر کے انہیں نرغہ میں لے کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ عیسائی سہم گئے تھے وہ پناہ گاہیں ڈھونڈنے لگے۔ مگر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی تھی جہاں وہ چھپ سکیں۔

انہوں نے مظلوم و بے کس مسلمانوں کو بیدریغ شہید کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت انہیں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ خود ان کے لئے بھی ایسا وقت آ سکتا ہے جیسا کہ مسلمانوں پر آ گیا تھا اور اسی لئے انہوں نے بڑی بے رحمی سے مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کر ڈالا تھا مگر اب جبکہ ان کے چھپنے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی اور مسلمانوں کی تلواریں ہر طرف ان کے خون کی پیاسی دکھائی دیں تو وہ پچھتانے لگے اور اپنے اس ملک میں آ کر بیکسی سے مرنے کا افسوس کرنے لگے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ عیسائیوں کے گھر میں گھس کر پناہ لیں۔ ان عیسائیوں کے گھروں

میں جوان کے ہم مذہب تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کرایا تھا اور ان کے آنے اور اگزروگورد کے فتح کرنے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا مگر اس وقت وہ بھی ان سے بددل ہو گئے تھے اور اس خوف سے انہیں اپنے گھروں میں نہ گھسنے دیتے تھے کہ مبادا مسلمان ان کے ہمراہ ان کا بھی قتل عام شروع کر دیں گے۔ یہ دیکھ کر درندہ صفت مسیحی سخت مایوس ہو گئے تھے اور اب مارنے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے لئے مسلمانوں کے سامنے کھڑے تھے اور حسرت بھری نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے جو مظالم انہوں نے مسلمانوں پر کئے تھے خدا نے ان کا انتقام لینے کے لئے سلطان قزل ارسلان اور مسلمانوں کو بھیج دیا تھا۔ وہ انتقام لے رہے تھے اور بری طرح سے انہیں قتل کر رہے تھے۔ اس وقت لڑکوں کے رسالے بھی قلعہ کے اندر آ گئے تھے اور انہوں نے بھی آتے ہی حملے کر کے عیسائیوں کو ٹھکانے لگانا شروع کر دیا۔ مسیحی غصہ میں آ آ کر جب بچوں پر حملہ کرتے تھے تو مردان پر ٹوٹ پڑتے تھے اور ان کی تکا بوٹی کر ڈالتے تھے۔

عیسائی اس درجہ مایوس ہوئے کہ وہ رونے اور چلانے لگے لیکن سلطان نے حکم دے دیا تھا کہ ان عیسائیوں میں سے جو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے میں شریک تھے۔ ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا جائے۔ اس لئے مسلمانوں پر ان کے رونے کا کچھ اثر نہ ہو رہا تھا اور وہ انہیں بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے۔ آخر چن چن کر اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک مسیحی قتل کر ڈالا گیا۔

جو لوگ بڑے عزم و ارادہ سے پیکر ظلم و ستم بن کر مسلمانوں کو مٹا ڈالنے کے لئے یورپ سے آئے تھے وہ خود ہی مٹ کر رہ گئے۔ ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو ان مرنے والوں کی اطلاع یورپ تک پہنچاتا۔ عیسائی مؤرخ مچاڈ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ سرفروش عیسائی مجاہدوں کا وہ لشکر عظیم جو مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے ایشیائے کوچک میں گیا تھا۔ سلطان قزل ارسلان کے لشکر کے پہلے حملے کی تاب بھی نہ لا سکا اور قریباً سب کا سب تہ تیغ ہو گیا۔ مسلمانوں نے چن چن کر انہیں قتل کر ڈالا۔ شاید قدرت نے ان کا خاتمہ اس لئے کر دیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر شدید مظالم توڑے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسیحی درندوں نے جو بے رحمیاں کی تھیں ان سے خدا کا قہر جوش میں آ گیا تھا اور اس لئے ساٹھ ہزار عیسائیوں میں سے ایک بھی اس دردناک واقعہ کو بیان کرنے کے لئے زندہ نہ رہا۔ جب لڑنے والے عیسائیوں کا خاتمہ ہو گیا تو مسلمانوں نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور فرط مسرت سے سرشار ہو کر اللہ اکبر کا پُرشور نعرہ لگایا۔

☆☆☆☆

چھیالیسواں باب

مسلمانوں کا لطف وکرم

قلعہ اگزروگورو میں جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور یورپ سے آنے والے عیسائی ایک ایک کر کے سب مارڈالے گئے تب ان وحشی عیسائیوں کو بڑا فکر ہوا جنہوں نے یورپ کے عیسائیوں کو امداد یا شہہ دے کر مسلمانوں پر ظلم وستم کرائے تھے۔ انہیں خیال ہوا کہ جس طرح انہوں نے مسلم عورتوں اور بچوں کو قتل کرایا تھا۔ اسی طرح آج ان کی آنکھوں کے سامنے خود ان کے اہل واطفال ذبحہ ہوں گے۔ وہ اس روح فرسا خیال سے ہی لرز گئے اور جب مسلمان قلعہ میں پھیلنے لگے تو معزز عیسائی سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ سلطان قلعہ کے درمیان میں ایک سبزہ زار قطعہ میں گھاس کے اوپر بیٹھا تھا۔ غالب اور چند افسر اس کے آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ خاص شاہی رسالہ کے سپاہی پیچھے کھڑے تھے۔ سلطان افسروں کی دلیری کی تعریف کر رہا تھا۔ خصوصاً غالب کو سراہ رہا تھا۔ معزز عیسائی اس کے سامنے جھک گئے تھے۔ سلطان کو طیب سے ان کی بدمعاشی اور سنگدلانہ مظالم کے تمام واقعات معلوم ہو چکے تھے۔

انہیں دیکھتے ہی سلطان کو غصہ آ گیا۔ اس نے ترش ولہجہ میں دریافت کیا۔ ''کس لئے آئے ہو تم لوگ؟'' ایک بوڑھے عیسائی نے عاجزی سے کہا۔ ''ہم اعلیٰ حضرت کے دامن عاطفت میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔''

سلطان نے تیز انگیز نظروں سے ان سفاکوں کو دیکھ کر کہا۔ ''آج ایک مسلم سلطان کے دامن عاطفت میں پناہ لینے کے لئے آئے ہو لیکن جب یورپ کے عیسائی درندے معصوم مسلمانوں کو ذبحہ کر رہے تھے اور تم ذبحہ کراتے پھر رہے تھے اس وقت تم کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ شاید تم بھی مسلمانوں سے رحم وکرم کی بھیک مانگو۔''

بوڑھا عیسائی: ''عالم پناہ ہم سے قصور ہو گیا۔''

سلطان نے غضبناک ہو کر کہا۔ ''پھر کس امید پر تم رحم وکرم کی التجا لے کر آئے ہو۔''

بوڑھا عیسائی: ''اس امید پر کہ مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مذہبی لوگوں پر ہمیشہ لطف وکرم کرتے رہے ہو۔''

سلطان: ''مگر کیا تم اس کے مستحق ہو؟''

بوڑھا عیسائی: ''نہیں مگر رحم دل سلطان کا دامن الطاف بہت وسیع ہے۔''
سلطان: ''لیکن تمہاری سفا کیوں نے اب اس دامن کو تنگ کر دیا ہے۔''
بوڑھا عیسائی: ''اعلیٰ حضرت ہماری غلطیوں پر نہ جایئے ہمیں نوازیئے اور ہماری عورتوں اور بچوں کو بچا لیجئے۔''

سلطان نے جوش میں آ کر کہا'' تمہاری قوم کے بچوں اور عردتوں کو میں بچا لوں اور تمیری قوم کے بچوں اور عورتوں کو نشانہ ستم بناؤ کبھی نہیں میں انتقام لوں گا۔ تمام عیسائی رونے لگے۔ انہوں نے کہا۔'' حضور! ہم پر رحم کیجئے۔''

رحم! مسلمانوں کی شان ہی یہ رہی ہے کہ وہ رحم کرتے چلے آئے ہیں

سلطان: ''تم پر رحم کر کے تمہیں اس لئے چھوڑ دوں تا کہ تم پھر مسلمانوں پر دست درازی کرو۔ محسن کش غدارو! تم نے ہمیشہ مسلمانوں کو ستایا ہے تم پر بھی رحم نہ کروں گا۔''

عیسائیوں کے چہرے فق پڑ گئے۔ انہیں خوف پیدا ہو گیا کہ سلطان ابھی ان کے قتل عام کا حکم دے دے گا اور اگز برو گورو میں ایک مسیحی بھی زندہ باقی نہ رہے گا۔ وہ فرط رنج وغم سے بے قرار ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے ان میں سے ایک شخص نے کہا۔'' عالم پناہ! آپ کو آپ کا مذہب رحم و کرم کی تلقین کرتا ہے۔ ہم پر لطف و مہربانی کر کے اپنے خدا کو خوش کیجئے۔''

سلطان: ''کیا تمہارا مذہب تم کو یہ نہیں بتا تا کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا بھی اس کے سامنے کر دو۔''

عیسائی: ''بے شک! ہمارا مذہب یہی بتا تا ہے۔''
سلطان: ''کیا تم نے اس پر عمل کیا؟''
عیسائی: ''نہیں۔''

سلطان: ''اب سنو! میرا مذہب کہتا ہے کہ جس قدر کوئی تم پر تشدد کرے اسی قدر تم اس پر زیادتی کرو۔ تم نے ہمارے بچوں اور ہماری عورتوں کو قتل کیا، ہم بھی کیوں نہ تمہارے بچوں اور تمہاری عورتوں کو قتل کریں۔''

عیسائی: ''حضور ہم سب سے جزیہ لیکر ہماری جان بخشی کر دیں۔''
سلطان: ''میں انتقام لوں گا۔ زر فدیہ نہیں!!''
عیسائی مایوس ہو گئے۔ سلطان نے غالب سے کہا'' طیب اور ہاشم کو بلاؤ۔''
غالب نے بہت خوب پیرو مرشد کہہ کر سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ دوڑ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں طیب اور ہاشم آ گئے۔ انہوں نے آ کر دیکھا کہ سلطان کا چہرہ غیض و غضب سے

سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے سلطان کو سلام کیا اور اشارہ پا کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ سلطان نے طیّب سے خطاب کر کے کہا۔" بزرگ غم رسیدہ! آج خدا نے ہمیں فتح عطا کی ہے۔ یہ عیسائی لطف و کرم کی بھیک مانگنے آئے ہیں کیا یہ لوگ اس وحشیانہ قتل میں شریک نہ تھے جو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔"

طیّب:" ان میں سے ہر شخص شریک تھا۔ یہ مکانوں اور مساجد کو جلا رہے تھے۔"

سلطان:" پھر یہ سفاک کیوں رحم و کرم کی التجا لے کر آئے ہیں کیوں نہ ان کا بھی قتل عام کرا دوں۔"

طیّب:" ان کی غداری، نمک حرامی تو اس امر کی مقتضی ہے لیکن"

سلطان:" لیکن کیا؟"

طیّب:" دنیا جانتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ دشمنوں پر لطف و کرم کرتے ہیں۔"

سلطان:" تو کیا میں بھی ان کو معاف کر دوں۔"

طیّب:" اگرچہ ان کے افعال اس قابل نہیں ہیں لیکن اعلیٰ حضرت لطف اور مہربانی ہی فرما دیں۔"

سلطان:" کیا تم بھول گئے ہو کہ تم پر کس قدر مظالم کئے گئے۔"

طیّب نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔" نہ بھولا ہوں نہ بھول سکتا ہوں مگر یہ جانتا ہوں کہ انتقام لینے سے معافی بہتر ہے اگرچہ ان مسیحی بھیڑیوں سے یہ توقع نہیں ہے کہ ہمارا یہ احسان مانیں گے لیکن خدا تو دیکھ رہا ہے۔ وہ تو خوش ہوگا۔"

سلطان:" معزز بزرگ کس قدر پاکیزہ خیالات ہیں تمہارے۔"

عیسائیوں نے کہا۔" ہم یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ کبھی ہم محسن کشی اور نمک حرامی نہیں کریں گے۔"

طیّب:" حضور والا! جو کچھ بھی مظالم کئے وہ بے درد و بے رحم مردوں نے کئے۔ ان کے ظلم وستم کی سزا عورتوں اور بچوں کو نہ دیجئے۔"

سلطان نے عیسائیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔" بے رحم بھیڑیو! میں تمہاری عورتوں کو معافی دیتا ہوں مگر تم ......"

عیسائیوں نے عاجزی سے کہا۔" حضور! ہم پر بھی رحم فرمائیے۔"

سلطان:" اچھا تم پر بھی رحم کرتا ہوں مگر تم میں سے ہر ایک مرد کو ایک دینار جزیہ دینا ہوگا۔"

عیسائیوں نے خوش ہو کر کہا۔" حضور! ہم کو منظور ہے۔"

سلطان: ''اچھا جاؤ اور تم جزیہ فراہم کر کے لاؤ۔''

عیسائی فرط مسرت سے اچھلتے ہوئے چلے گئے۔ غالب نے اپنے سپاہیوں کو یورپ کے تمام عیسائیوں کی کل چیزیں ایک جگہ اکٹھی کرنے کا حکم دے دیا تھا اور انہوں نے سب سامان جمع کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان، غالب، ہاشم اور بہت سے افسران سامان دیکھنے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں تلواریں، زرہ بکتریں، خودیں، نیزے، کمانیں، ترکش اور گھوڑے تھے اور زر نقد بھی بہت کچھ تھا۔ اسی میں وہ سیم و زر بھی تھا جو ان سفاکوں نے اگزروگورو کے مسلمانوں کو شہید کر کے لوٹا تھا۔ سلطان نے اس تمام سامان کے پانچ حصے کر کے ایک علیحدہ کر لیا اور باقی چار حصے تمام لشکر میں حسب رسد تقسیم کر دیئے۔ اب اس نے عیسائیوں کی لاشیں قلعہ سے باہر گڑھے کھدوا کر دفن کرانا شروع کیں۔ کئی روز میں اس کام سے فراغت ہوئی۔ اس عرصہ میں عیسائیوں نے جزیہ کی رقم بھی پیش کر دی اور سلطان نے اس کے بھی پانچ حصے کر کے ایک الگ کر دیا اور باقی چار حصے تقسیم کر دیئے۔ اس نے کئی مسجدوں کی بنیادیں کھدوائیں اور تعمیر شروع کرا دی۔ ایک دن وہ قلعہ سے باہر لشکر گاہ میں بیٹھا تھا کہ اس کے سامنے ایک عیسائی پیش کیا گیا۔

سلطان نے اس سے دریافت کیا ''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

عیسائی: ''منسیا کا!''

سلطان: ''میرے پاس کس لئے آئے ہو۔''

عیسائی: ''وہاں کے مسلمانوں کی دردانگیز داستان سنانے۔''

سلطان نے چونک کر کہا۔ ''دردانگیز داستان؟ ان پر کیا حادثہ گزرا''۔

عیسائی: ''یورپ سے آنیوالے ظالم عیسائیوں نے ان سب کو ذبح کر ڈالا۔''

سلطان اور اس کے پاس بیٹھنے والے مسلمانوں کو رنج ہوا اور سلطان نے بیقرار ہو کر کہا۔ ''اف خداوند میں کیوں زندہ ہوں۔ کیسی خبر سننے میں آ رہی ہے۔ مسلمانوں سے کیا خطا ہو گئی ہے کہ وہ مٹائے جا رہے ہیں۔ سلطان سخت غمزدہ ہو گیا تھا کچھ دیر کے بعد جب اس کی حالت ذرا سنبھلی تو اس نے کہا۔ ''تمام واقعہ سناؤ کیا ہوا اور کیسے ہوا؟''

عیسائی نے تمام داستان سنا ڈالی۔

سلطان کو جوش آ گیا اور اس نے کہا۔ ''اگر خدا نے چاہا تو میں ان درندوں سے انتقام لوں گا۔ میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اس خونی داستان سے آگاہ کر دیا۔''

عیسائی: ''حضور! مجھ پر اس عظیم سانحہ کا اس قدر اثر ہوا ہے کہ میں اپنے اوپر لعنت کر رہا ہوں کہ میں عیسائی کیوں ہوں۔ ایسے سفاک اور بے رحم لوگوں کے مذہب میں رہنا نہیں چاہتا۔

جو انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ مجھے مسلمان کر لیجئے۔'
سلطان نہایت خوش ہوا اور اس نے فوراً اسے مسلمان کیا۔ اس کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا اور چونکہ وہ نوجوان تھا اس لئے سلطان نے پانچو سپاہیوں پر افسر مقرر کر دیا۔ عیسائی سلطان کی اس عزت افزائی سے نہایت خوش ہوا چونکہ سلطان کو منسیا کے مسلمانوں کے قتل عام کی اطلاع ہو گئی تھی اس لئے اس نے تمام لشکر کو منسیا کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن اسلامی لشکر منسیا کی طرف روانہ ہوا۔ صرف دو ہزار سوار گز رد گورو کے قلعہ میں چھوڑ دیئے گئے۔

☆☆☆☆

سینتالیسواں باب

دغا بازی

حنا بوڑھے کے ساتھ حسب معمول سیر کرنے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ وہ دونوں مع الیاس کے پرانے قلعہ کے قریب والی سبزہ زار وادی میں جا کر چہل قدمی کیا کرتے تھے۔ حنا بوڑھے کے ساتھ اسی جگہ پہنچی۔ گھوڑے سے نیچے اتری اور کف پائیاں اتار کر ٹہلنے لگی۔ آفتاب ابھی طلوع ہوا تھا اس کی سنہری کرنیں حنا کے رخساروں پر لوٹ کر بجلیاں بھر رہی تھیں۔ اس وقت اس کے رخ تاباں کی طرف دیکھنا دشوار ہو گیا تھا۔ یہ عجب بات تھی کہ حنا آج کچھ خلاف معمول افسردہ خاطر تھی۔ وہ روزانہ جیسی خوش اور بشاش ہوتی تھی اس وقت ایسی مسرور نہ تھی۔ اس کا چہرہ کہہ رہا تھا کہ وہ آج مجبوری سے یہاں لائی گئی ہے۔
بوڑھا ایکطرف کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا۔ ٹکٹکی لگائے اور تیز نظروں سے۔ مگر حنا کو یہ خبر نہ تھی وہ سر جھکائے سبزہ کو پامال کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بوڑھا اس کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا۔" حنا! آج کیا بات ہے کہ تم کچھ مسرور نظر نہیں آتی۔" حنا نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی آنکھیں کچھ غیر معمولی چمک رہی تھیں۔ اسے تعجب ہوا اور اس تعجب کی وجہ سے وہ جواب نہ دے سکی۔ بوڑھا اسے دیکھ رہا تھا۔ بڑے غور اور بڑی توجہ سے۔ اس نے کہا تم متعجب ہو گئی ہو۔ کس بات پر تم کو تعجب ہو رہا ہے؟ حنا نے شریں لہجہ میں کہا۔" تمہاری آنکھوں کی چمک دیکھ کر میں حیران ہو رہی ہوں۔"
بوڑھا:" کیا حیرت ہو رہی ہے تم کو۔"
حنا:" ایسی چمک کیوں ہے تمہاری آنکھوں میں"
بوڑھا:" تمہار روئے تاباں دیکھ کر۔"
حنا نے قدرے بگڑتے ہوئے کہا۔" کیا کہا ہے آپ نے؟"

بوڑھے نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگا۔ حنا بڑھ کر اس کے پاس گئی۔ اس نے اس کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''تم کیا کہہ رہے تھے؟'' بوڑھے نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر حنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ '' حنا! مجھے معاف کرنا۔ میں بوڑھا ہوں میری عقل ٹھکانے نہیں رہی ہے۔''

حنا: ''میں اس بات کو نہیں مان سکتی تم اتنے بوڑھے نہیں جتنے نظر آ رہے ہو۔''

بوڑھا: '' کیسے جان لیا یہ تم نے۔''

حنا: ''میں سمجھ گئی ہوں۔ جان گئی ہوں۔''

بوڑھا: ''کس بات سے جانا ہے تم نے۔''

حنا: ''میں نہیں کہہ سکتی۔ میں خود نہیں سمجھتی کہ میں نے کیسے اس بات کو سمجھ لیا ہے۔''

بوڑھا: '' عجب بات ہے یہ تو۔''

حنا: '' بالکل عجب بلکہ عجیب تر۔''

بوڑھا: '' اچھا اس بات کو جانے دو۔''

حنا: ''ہاں! جانے دو اور آؤ اب واپس چلیں۔''

بوڑھا: ''ہاں! واپس چلیں گے مگر......''

حنا: '' مگر کیا؟''

بوڑھا: ''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

حنا نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ '' کیا، بوڑھا اس کے روئے انور کو نظریں جمائے دیکھ رہا تھا اس نے کہا تم کچھ خفا ہو رہی ہو اس وقت۔

حنا: ''نہیں میں کیوں خفا ہوتی تم سے۔''

بوڑھا: '' تمہاری نگاہیں کہہ رہی ہیں۔''

حنا: ''لیکن میں اطمینان دلاتی ہوں کہ میں خفا نہیں ہوں۔''

بوڑھا: ''اطمینان دلاتی ہو۔''

حنا: ''جی ہاں!''

بوڑھا: '' مگر مجھے اندیشہ ہے کہ......''

حنا: '' کچھ اندیشہ نہ کرو۔''

بوڑھا: ''لیکن مجھے خوف ہے کہ اگر تم خفا نہیں ہو تو اب ہو جاؤ گی۔''

حنا: ''ہو جاؤں گی؟ کوئی بات بھی؟''

بوڑھا: ''خدا کرے کہ تم خفا نہ ہو۔''

حنا: ''فضول باتوں کو طول نہ دو بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

بوڑھا: '' حنا تم اس قدر خوبصورت ہو کہ آفتاب کی سنہری شعاعیں تمہارے شاداب رخساروں پر تصدق ہو رہی ہیں۔''

حنا کچھ کبیدہ خاطر ہوگئی۔ اس نے ناگواری کے لہجہ میں کہا۔'' کیا تمہیں یہ کہنا زیب دیتا ہے؟''

بوڑھا: '' کیا برائی ہے۔ اس میں کیا اچھی چیز کو اچھا نہیں کہا جاتا؟ کیا تم خوبصورت نہیں ہو کیا تمہارے دلفریب چہرہ میں حسن کی بجلیاں نہیں بھری ہیں۔ کیا تمہاری آنکھیں حسین نہیں ہیں؟''

حنا: ''میں ان باتوں کو ناپسند کرتی ہوں۔''

بوڑھا: ''شاید اس وجہ سے کہ تمہارے حسن کی تعریف انسان کر ہی نہیں سکتا۔''

حنا: ''نہیں! بلکہ اس وجہ سے کہ میں اسے فضول اور برا سمجھتی ہوں۔''

بوڑھا: '' غالباً تم کو یہ خیال ہے کہ میں تمہارے حسن کی تعریف میں مبالغہ کر رہا ہوں۔''

حنا: ''مرد عورت کی تعریف میں مبالغہ کیا ہی کرتے ہیں۔''

بوڑھا: ''لیکن میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔''

حنا: ''میں بھی آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتی۔''

بوڑھا: ''تو سمجھ لیجئے میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

حنا: ''مگر اس بے کار گفتگو کی ضرورت ہی کیا ہے۔''

بوڑھا: ''تم سنتی تو ہو ہی نہیں۔''

حنا: ''سن رہی ہوں۔''

بوڑھا: '' کیا خاک سن رہی ہو (عاجزی سے) مجھے کہہ لینے دو حنا!۔''

حنا: '' کچھ اور باتیں کرو۔''

بوڑھا: ''اور بھی کروں گا۔''

حنا: ''کب؟ کیا جب دوپہر ہو جائے گی؟''

بوڑھا: ''تم کہنے تو دیتیں ہی نہیں ہو۔''

حنا: ''اچھا کہئے۔''

بوڑھا: ''تم حسین ہو......''

حنا: ''پھر وہی......''

بوڑھا: ''اچھا تم خفا ہوتی ہو جانے دو!''
حنا: ''کیا کچھ اور کہنا نہیں ہے تمہیں۔''
بوڑھا: ''بہت کچھ کہنا ہے۔''
حنا: ''پھر کہتے کیوں نہیں۔''
بوڑھا: ''تم کہنے کہاں دیتی ہو۔''
حنا: ''فضول باتیں نہ کرو۔''
بوڑھا: ''میں بتانا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟''
حنا: ''میں خوب جانتی ہوں۔''
بوڑھا: ''جب تم جانتی ہو تو اب مجھے جتانے کی ضرورت نہیں حنا! میں تم پر فریفتہ ہوں۔''
باوجود ضبط کرنے کے حنا بے ساختہ ہنس پڑی شاید اس وجہ سے کہ بوڑھے کو بھی اور سفید داڑھی کے باوجود محبت کا سودا ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے ہنستے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔ ''تم ہنستی ہو حنا!'' حنا اب بھی ہنس رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''تم نے ہنسنے کی بات ہی کہی ہے۔''
بوڑھا: ''ہنسی کی کیا بات ہے اس میں۔''
حنا: ''آپ کو بڑھاپے میں شیطان نے انگلی دکھائی ہے۔''
بوڑھا: ''شیطان نے!''
حنا: ''اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''
بوڑھا: ''میرا مذاق نہ اڑاؤ حنا!''
حنا: ''میں نہیں اڑانا چاہتی مگر......''
بوڑھا: ''میں خود اپنا مذاق اڑا رہا ہوں۔''
حنا: ''یہی بات ہے۔''
بوڑھا: ''افسوس وہ زمانہ کہاں گیا؟''
حنا: ''کیا ایسی باتیں مناسب ہیں تمہیں۔''
بوڑھا: ''کیوں نہیں! کیا میں انسان نہیں ہوں کیا میرے سینہ میں دل نہیں۔''
حنا: ''مگر تمہارا سن و سال؟''
بوڑھا: ''میری سفید داڑھی پر فریب نہ کھاؤ۔''
حنا پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''شاید تمہارے یہ بال کسی وجہ سے قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔''

بوڑھا: ''بخدا یہی بات ہے۔''

حنا: ''مگر تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔''

بوڑھا: ''خوب واقف ہوں۔''

حنا: ''تو سمجھ لو کہ میں ان باتوں کو سخت ناپسند کرتی ہوں۔''

بوڑھے نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔'' آہ ظالم! حنا نے چین بجبیں ہو کر کہا۔'' مہربانی کر کے ایسی باتیں نہ کیجئے۔ دھوپ میں حدت پیدا ہو چکی ہے۔ آیئے اب چلیں۔''

بوڑھا: ''چلئے۔''

حنا نے کف پائیاں پہنیں دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ بوڑھے نے کہا۔'' حنا! میں صبر وضبط نہیں کر سکتا!!''

حنا: ''بس باتیں نہ کیجئے!!''

بوڑھا: ''اچھا ایک نظر میری طرف دیکھو حنا!''

حنا نے اس کی طرف دیکھا۔ بوڑھا اپنی داڑھی نوچ رہا تھا۔ اس نے مصنوعی داڑھی اور مونچھیں اتار کر پھینک دیں۔ حنا نے اسے دیکھا۔ وہ نقولا تھا۔ حنا اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔'' آہ! نقولہ تم ہو؟''

نقولہ: ''ہاں میں ہی ہوں۔ حنا میں تم کو پیار کرتا ہوں۔ جب تم بغداد سے چلی آئیں تو میں بے قرار ہو گیا اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر یہاں آیا۔''

حنا: ''میں بھی کہوں کہ ایک مسلمان کیسی باتیں کر رہا ہے۔''

نقولہ: ''بغیر بھیس بدلے میں یہاں کیسے آ سکتا تھا۔''

حنا: ''مگر تم چلے جاؤ۔ یہاں سے یہ بات یہاں کے بہت سے مسلمانوں کو معلوم ہے تم مجھ پر کوئی اثر ڈال رہے تھے اگر کوئی اس طرف آ نکلا تو تمکو اسیر کر لے گا۔''

نقولہ: ''اگر میں اس بات سے ڈرتا تو یہاں کیوں آتا۔''

حنا: ''تم نے یہاں آنے میں سخت غلطی کی۔''

نقولہ: ''میں تم کو لینے کے لئے آیا ہوں۔''

حنا: ''میں تمہارے ہمراہ نہیں جا سکتی۔''

نقولہ: ''مگر میں لے جاؤں گا۔''

حنا: ''کیا زبردستی لے جاؤ گے تم؟''

نقولہ: ''اگر تم خوشی سے نہ چلوگی تو زبردستی ہی کرنا پڑے گی۔''

حنا: ''مگر میں خوشی یا جبر کسی طرح سے بھی نہ جاؤں گی۔''
نقولہ: ''تمہیں چلنا ہوگا اور میں لے جاؤں گا۔''
یہ کہتے ہی اس نے حنا کو غور سے دیکھا اور اس کے گھوڑے کی باگ پڑ لی۔ حنا نے بلند آواز سے کہا۔ ''ابا! ابا!'' اس کی آواز بلند ہوئی کسی کے دوڑ کر آنیکی آواز آئی۔ نقولہ نے گھوم کر دیکھا ایک معمر مسلمان دوڑا آ رہا تھا۔ نقولہ نے جلدی سے گھوڑے کے مہمیز لگائی اور دونوں گھوڑوں کو دوڑا کر لے گیا۔

☆☆☆☆

اڑتالیسواں باب

روح فرسا خبر

منسیا کے مسلمانوں پر عیسائیوں نے جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے وہ تاریخی یادگار بن کر تاریخوں کے صفحات میں محفوظ رہ گئے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ہم نے اس ناول کی تیاری میں عربی مؤرخوں کے اقوال نہیں نقل کیے ہیں نہ عربی تاریخوں سے کوئی مدد لی ہے بلکہ جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں وہ عیسائی مؤرخوں کی مشہور تاریخوں سے لکھ رہے ہیں اور یہ تمام واقعات ''حیات صلاح الدین'' معہ تاریخ جنگہائے صلیبی میں جسے مولوی سراج الدین صاحب ایڈیٹر ''چودھویں صدی'' نے ترجمہ کیا ہے اور جو 1905ء میں شائع ہوئی ہے۔ بالتفصیل تحریر ہیں۔ تاریخ محاذ کروسیڈ اور دوسری تاریخوں میں عیسائی مؤرخوں نے دبی زبان سے اقرار کیا ہے کہ پہلی صلیبی جنگ میں عیسائیوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ انہوں نے صلیبی جھنڈا کے نیچے ایسی ایسی تعدیاں کیں جس سے انسانیت مجروح ہو گئی۔ عیسائیت پر دھبہ لگ گیا اور عیسائی وحشیوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

عیسائیت صلح و آشتی کی علمبردار تھی۔ حضرت عیسیٰؑ پیغام صلح لے کر آئے تھے مگر عیسائیوں نے کبھی حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم پر عمل نہیں کیا اور دنیا بھر کی برائیاں اپنے مذہب میں شامل کر لیں۔ اس وجہ سے صلح جو انسان اس سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور عیسائیت کو وحشیوں کا مذہب اور عیسائیوں کو وحشی درندے سمجھنے لگے ہیں۔ منسیا کے مسلمانوں کو مٹا کر عیسائی نہایت خوش ہوئے اور اب وہ اس باقی لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگے جو قسطنطنیہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ چند ہی روز میں وہ لشکر بھی آ گیا اور اب اس کل لشکر کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار ہو گئی تھی۔ اتنا بڑا لشکر عیسائیوں کا یورپ سے ایشیا میں کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ منسیا کے چاروں طرف دور تک پھیل گیا۔ میلوں تک ڈیروں اور خیموں کا شہر بس گیا۔ والٹر اور پیٹر نے گردونواح کے دیہات پر حملے کر

کے انہیں تاراج کرنا شروع کر دیا۔ عیسائی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کی اس خود سر جماعت نے منسیا کے نواح میں ایک طوفان بدتمیزی بپا کر دیا۔ وہ جس طرف گئے ویرانی اور بربادی پھیلائے گئے انہیں معلوم نہ تھا کہ رینالڈ اور اس کے لشکر کا کیا حشر ہوا۔ یہ انہیں علم ہو گیا کہ رینالڈ اگزرو وگورو کے قلعہ کی طرف گیا ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس قلعہ میں مسلمان کم ہیں انہیں بالکل یقین تھا کہ عیسائی مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی اس طرف آئیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ جب سارا لشکر اس جگہ جمع ہو جائے تب وہ قونیہ کی طرف بڑھیں اور اسے فتح کر کے ملک شام میں پیشقدمی کریں۔ جو عیسائی جنگ میں مجروح ہوئے تھے۔ انہیں آرام ہونے لگا تھا۔ فلورا کو بھی آرام ہو گیا تھا چونکہ وہ پہلی عورت تھی جو صلیبی جہاد میں لڑتے ہوئے زخمی ہو گئی تھی اس لئے تمام لشکر میں اس کی شہرت ہو گئی تھی اور ہر شخص اسے دیکھنے کا آرزومند ہو گیا تھا۔ وہ حسین تھی۔ ایسی حسین کہ جو کوئی اسے ایک نظر دیکھ لیتا تھا وہ مکرر دیکھے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اس لئے اس کی زیارت کرنے والے روزانہ اس کے پاس آتے تھے اور بڑے عقیدہ سے اس کے مرمریں ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔

فلورا کی مشہور ہونے کی خواہش تھی اس لئے اب اس کی شہرت ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ بہت خوش تھی۔ پیٹر دی ہرمٹ کو منسیا اور اس کے نواح کا علاقہ فتح کر لینے سے بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ صلیبی مجاہدین تمام ایشیا کوچک اور سارا ملک شام فتح کر لیں گے۔

چونکہ اس مہم کا وہی بانی مبانی تھا اور تمام یورپ میں اس کی شہرت ہو چکی تھی اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ بیت المقدس فتح کر لینے کے بعد جب وہ یورپ واپس جائے گا تو تمام بادشاہ اور ساری رعایا اس کے سامنے سر جھکا دے گی اور اب وہ دنیا کا سب س بڑا آدمی بن جائے گا۔ عورتیں اس کی تعریف کے گیت گائیں گی۔ بچے اس کی تعریف میں نظمیں پڑھیں گے۔ مرد اس کی تعریف کے گن گائیں گے۔ ملک ملک اور شہروں شہروں میں اس کی یادگاریں قائم ہوں گی۔

اسی فریب خیال میں وہ ہر وقت مست رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے خیمے کے سامنے بیٹھا فلورا سے باتیں کر رہا تھا کہ چند ایک عیسائی گھبرائے ہوئے اس کے پاس آئے اور جب وہ سجدہ میں گر کر اسے سلام کر کے اُٹھے تو اس نے ان سے دریافت کیا۔ ''کیا بات ہے تم اس قدر سہمے ہوئے کیوں ہو؟''

ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''مقدس باپ! ملعون مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔'' پیٹر خوفزدہ ہو کر چونک پڑا اس نے کہا۔ ''مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے؟.......... کس طرف سے۔''

عیسائی: ''اگزروگورو کی طرف سے۔''

پیٹر کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اگزروگورو کی طرف سے؟''

عیسائی: ''جی ہاں!''

پیٹر: ''تعجب ہے۔''

عیسائی: ''ہم کو بھی یہی حیرت ہے۔''

پیٹر: ''میں نے سنا تھا کہ اگزروگورو میں اسلامی لشکر ہی نہیں ہے۔''

عیسائی: ''یہی ہم نے سنا تھا۔''

پیٹر: ''پھر یہ لشکر کہاں سے آیا؟''

عیسائی: ''خدا ہی جانتا ہے۔''

پیٹر: ''کس قدر لشکر ہوگا۔''

عیسائی: ''ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔''

پیٹر: ''کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ لشکر بہت زیادہ ہے۔''

عیسائی: ''جی ہاں! بہت زیادہ ہے۔ دور تک پھیلا ہوا ہے۔''

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چند اور عیسائی آئے۔ ان میں سے ایک شخص گرد وغبار سے اٹا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہیں دور سے سفر کئے چلا آ رہا ہے۔ یہ بھی آ کر پیٹر کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ جب وہ اٹھے تو پیٹر نے دریافت کیا۔ ''تم کیا خبر لائے ہو؟''

اس شخص نے غبار سے اٹے ہوئے عیسائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس معزز عیسائی کا نام تھوروس ہے۔ یہ قلعہ اگزروگورو کے رہنے والے ہیں؟''

پیٹر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''اچھا ہوا یہ آ گئے مجھے رینالڈ اور اس کے لشکر کا حال معلوم کرنے کی فکر تھی ان سے معلوم ہو جائے گا۔''

وہی عیسائی: ''یہ خود ہی ان کا حال بیان کرنے کے لئے آئے ہیں۔''

پیٹر: ''بہت اچھا کیا انہوں نے۔''

اب اس نے تھوروس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''معزز دوست! بتاؤ کہ ہمارے مجاہدین بھائیوں کا کیا حال ہے؟''

تھوروس نے افسوسناک لہجہ میں کہا۔ ''کاش مجھے یہ خبر بدسنانی نہ پڑتی۔''

پیٹر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ بدخبر''

تھوروس: ''جی ہاں!''

پیٹر: ''کیا ریناالڈ نے اگزروگورو فتح نہیں کیا۔''

تھوروس: ''فتح کر لیا تھا اور وہاں کے تمام مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تھا مگر......''

پیٹر: ''مگر کوئی افتاد پڑ گئی۔''

تھوروس: ''جی ہاں!''

پیٹر: ''کیا؟''

تھوروس: ''جبکہ مجاہدین قلعہ فتح کر کے اس طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اچانک اسلامی لشکر آ گیا۔''

پیٹر نے متعجب ہو کر دریافت کیا۔''اسلامی لشکر آ گیا کہاں سے؟''

تھوروس: ''اسے کوئی نہیں جانتا مگر خیال یہ ہے کہ وہ لشکر قونیہ سے آیا تھا۔''

پیٹر کو بھی حیرت ہوئی اس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔''قونیہ سے آیا تھا۔تم نے کیسے اس بات کو سمجھا؟''

تھوروس: ''اس لشکر میں سلطان قزل ارسلان موجود تھا۔''

پیٹر کی فرط حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے کہا۔''سلطان موجود تھا۔''

تھوروس: ''جی ہاں''

پیٹر: ''کتنا لشکر تھا اس کے ساتھ۔''

تھوروس: ''تقریباً پچاس ہزار ہوگا۔''

پیٹر: ''پھر کیا کیا اس نے۔''

تھوروس: ''اس نے اگزروگورو کا محاصرہ کر لیا۔''

پیٹر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔''ریناالڈ نے یہ بزدلی کیوں کی کہ وہ محصور ہو گیا۔میدان میں نکل کر کیوں نہ لڑا۔''

تھوروس: ''میں اگزروگورو کا باشندہ ہوں۔ہم لوگوں کو اس کا کچھ علم نہیں شاید اس نے اسی میں مصلحت سمجھی۔''

پیٹر: ''بزدل!تم نے بزدلی کی ہاں پھر کیا ہوا؟''

تھوروس: ''آٹھ روز تک عیسائیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔لیکن آٹھ دن میں خدا کی مرضی پوری ہو گئی۔''

پیٹر نے بدحواس ہو کر دریافت کیا۔''کیا؟''

تہوروس:''مسلمانوں نے فتح کرلیا اور تمام مجاہدین کو ایک ایک کر کے شہید کر ڈالا گیا۔''
پیٹر کے دل پر جیسے بچھو نے ڈنگ مارا وہ تڑپ گیا۔ سب کو قتل کر ڈالا؟...... کیا رینالڈ کو بھی؟''

تہوروس:'جی ہاں! اس لشکر کا ایک شخص بھی زندہ باقی نہیں بچا۔''
پیٹر نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔''آہ! بیدرد بھیڑیوں نے عیسائی بھیڑوں کو قتل کر ڈالا۔ اُف کس قدر بیرحمی کی ہے۔ انہوں نے'(جوش میں آکر) میں ان سے انتقام لوں گا اور ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ جانے دوں گا۔ چن چن کر ایک ایک کو قتل کروں گا۔
آہ بے رحم مسلمانوں نے تمام مجاہدوں کو مار ڈالا۔ خدا ان شہداء پر اپنی رحمت نازل کرے۔ ہائے میں کیسے صبر کروں۔ خدایا او خدایا! مجھے صبر دے اور عیسائیوں کو ہمت دے کہ وہ اپنے شہداء کا خونخوار مسلمان بھیڑیوں سے انتقام لیں۔''
یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔ اس کے پاس بیٹھنے والے اسے غم اور افسوس بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆

انچاسواں باب

شیرانِ اسلام کی آمد

پیٹر وی ہرمٹ کو رینالڈ اور اس کے ساتھیوں کے مارے جانے کی خبر سن کر بے حد رنج ہوا۔ وہ دیر تک روتا رہا اور آہیں بھرتا رہا۔ ابھی وہ رہا رہا تھا کہ والٹر آ گیا۔ وہ پیٹر کو روتے ہوئے دیکھ کر کمال متعجب ہوا اور اس نے دریافت کیا۔''کیا ہوا مقدس باپ! کیا ہوا؟''
پیٹر نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔''غضب ہو گیا بہادر والٹر! آج بڑا غضب ہو گیا ہے۔''
والٹر:''وہی تو میں دریافت کر رہا ہوں کہ کیا ہوا؟''
پیٹر:''بے درد مسلمانوں نے رینالڈ اور اس کے ساٹھ ہزار عیسائیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر ڈالا۔''
والٹر کے جیسے سانپ نے ڈنگ مارا ہو وہ اچھل پڑا اور اس نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔''آہ! آہ! یہ کیا ہوا۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) او خدا! او خدا! کیا عیسائیوں کا خون اس قدر ارزاں ہو گیا ہے۔ اُف ہم زندہ ہیں اور ہمارے بھائی مر گئے۔''
پیٹر:''جس قدر بھی ہم غم کریں وہ کم ہے۔ بہادر مجاہدین کیا کیا تمنائیں اور کیا کیا آرزوئیں دلوں میں لے کر آئے تھے۔ افسوس کوئی تمنا بھی پوری نہ ہوئی۔ کوئی آرزو بھی بر نہ آئی۔ کس

قدر صبر آزما صدمہ ہے۔''

والٹر:'' وفورِ غم والم سے میرے دل و دماغ ہل گئے ہیں۔ صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ بس اب ہمیں سلطان کے مقابلہ کے لئے کوچ کرنا چاہئے۔''

پیٹر:'' کوچ کہاں کرنا چاہئے۔''

والٹر:'' جہاں بے درد سلطان اور اس کا بے رحم لشکر ہے۔''

پیٹر:'' خدا نے اس لشکر کو ہمارا شکار بننے کے لئے یہیں بھیج دیا ہے۔''

والٹر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔'' یہیں بھیج دیا ہے جب تو ہم کو غم کرنے کی بجائے خوش ہونا چاہئے۔ خدا نے انہیں ہمارے سامنے اس لئے لا ڈالا ہے کہ ہم اپنے مظلوم بھائیوں کا ان سے انتقام لے سکیں۔''

پیٹر:'' یہی میرا خیال ہے۔''

والٹر:'' کچھ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر کس قدر ہے۔''

پیٹر:'' پچاس ہزار بتایا جاتا ہے۔''

والٹر:'' جب تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم ان سب کو قتل کر ڈالیں گے۔''

پیٹر:'' میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔''

والٹر:'' اسلامی لشکر کہاں ہے۔''

پیٹر:'' گزر وگورو کی طرف سے آ رہا ہے۔''

والٹر:'' وہ اس لشکر کے بالکل قریب آ گیا ہے۔ مقدس باپ چلئے لشکر کو دیکھیں۔''

پیٹر:'' چلو ان بے رحم درندہ انسانوں کو دیکھو جنہوں نے عیسائی مجاہدوں کو وحشیانہ طور پر قتل کیا ہے اور ان کی منحوس صورتیں دیکھ کر اپنے دلوں میں ان کے قتل کرنے کا جذبہ پیدا کرو۔''

فلورا:'' میں بھی چلوں گی مقدس باپ!''

پیٹر:'' ہاں! تو بھی چل تو بہادر حسینہ ہے۔ ان کی مکروہ صورتیں تم بھی دیکھنا۔''

اب یہ اٹھے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر لشکر گاہ کو طے کرنے لگے۔ ان کا لشکر دور تک پڑاؤ ڈالے پڑا تھا اگر اس کے ایک سرے پر کھڑے ہو کر دوسرے سرے کو دیکھنے کی سعی کی جاتی تو آخری کنارہ نظر نہ آتا۔ کئی میل کے احاطہ میں خیمے نصب تھے۔ پیٹر، والٹر، فلورا اور چند دیگر لوگ لشکر گاہ کو عبور کر کے آگے بڑھے۔ اس وقت آفتاب حجلہ مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور دھوپ کا سفید رنگ سنہرا ہونے لگا تھا۔ آفتاب کی تمازت کم ہو گئی تھی اور نگاہ دور تک بلا کسی رکاوٹ کے دیکھ سکتی تھی۔ وہ اپنے لشکر سے تقریباً ایک میل آگے بڑھ کر کھڑے ہو گئے اور

انہوں نے اگز رو گورو کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے اُفق میں غبار اڑ رہا تھا اور بل کھا کھا کر بادلوں کی طرح سے بڑھتا آ رہا تھا۔ یہ لوگ بڑے غور سے غبار کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے غبار پھٹ گیا اور سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ یہ اسلامی لشکر تھا۔ جو بڑی شان سے آ رہا تھا۔ ان کے لباس، خود، زرہ بکتریں اور دوسری چیزیں دور ہی سے چمک رہی تھیں۔ وہ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے اور ان کی شمشیریں بجلی کی طرح کوندرہی تھیں۔ اسلامی علم بڑے جاہ وجلال سے لہرا رہے تھے۔

پیٹر نے کہا۔ ''آنے دو ان بھیڑیوں کو! آنے دو۔''

والٹر: ''خدا انہیں موت کا نوالہ بنانے کے لئے ہمارے سامنے لا رہا ہے۔''

فلورا: ''مگر میرا خیال یہ نہیں ہے۔''

والٹر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اور تمہارا کیا خیال ہے۔''

فلورا: ''کیا تم نے مسلمانوں کے کارنامے نہیں سنے۔''

والٹر نے برا سا منہ بنا کر کہا کہ ''سنے ہیں سب غلط ہیں۔''

فلورا: ''لیکن منسیا کے مسلمانوں کو تو تم نے خود لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔''

والٹر: ''کیا بہادری کی انہوں نے؟''

فلورا: ''بہادری! میرا خیال ہے کہ اگر وہ دس ہزار بھی ہوتے تو ہم عیسائی کسی طرح بھی ان پر قابو نہ پا سکتے تھے۔''

والٹر: ''میں کہتا ہوں کہ اگر وہ ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہم انہیں قتل کئے بغیر نہ رہتے۔''

فلورا: ''اب یہ پچاس ہزار مسلمان آ رہے ہیں اور ہم اڑھائی لاکھ مسیحی ہیں۔''

والٹر: ''ہاں! اب تم خود ہی دیکھ لو گی کہ ہم کس طرح اور کس قدر جلد ان کا خاتمہ کرتے ہیں۔''

فلورا: ''خدا ایسا ہی کرے۔''

ایک آواز آئی۔ مقدس باپ سلام! سب نے چونک کر سلام کرنیوالے کی طرف دیکھا۔ انہیں ایک پادری اور ایک مہ جبین دوشیزہ لڑکی گھوڑوں پر سوار ان کے قریب کھڑے نظر آئے۔ یہ دونوں نقولہ اور حنا تھے۔ پیٹر اور اس کے ہمراہی کچھ ایسے باتوں میں مصروف تھے کہ انہیں ان کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

خصوصیت کے ساتھ سب کی نگاہیں حنا کے رخ انور پر پڑنے لگیں اگرچہ وہ سفر کئے چلی آ رہی تھی اور غبار کی ہلکی تہ اس کے پھول سے عارض پر پڑ پڑ کر جم گئی تھی۔ ابرو اور مژگان بھی

غبار آلود ہو رہی تھی مگر اب بھی وہ بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی۔ پیٹر نے نقولہ کی طرف دیکھ کر کہا۔" اوہ نوجوان اور بزرگ نقولہ! تم خوب آئے۔(حنا کو دیکھ کر) آہا ہا بیت المقدس کی مہ جبین کیا نام ہے بھلا اس کا۔"

نقولہ:"اس کا نام ہے حنا حضور!"

پیٹر:" ٹھیک ہے میں بھول گیا تھا۔ اب یاد آ گیا ہے۔ کیا یہ پری چہرہ ابھی تک عیسائی ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔"

نقولہ:"تیار ہے اسی لئے تو میں اسے یہاں لایا ہوں۔"

پیٹر:" بہت خوب کیا تم نے' اب تم امن اور حفاظت کی جگہ آ گئے ہو۔ یہاں نہ تم کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اس نازنین کو زبردستی لیجا سکتا ہے۔"

والٹر گھور گھور کر حنا کو دیکھ رہا تھا۔ نقولہ نے کہا۔" اسی لئے سفر کی تکلیفیں برداشت کر کے آیا ہوں۔"

پیٹر:" اور تم نے بڑی ہی عقلمندی کی ہے یہ 'میں اس حوروش کو آج تک بھی نہ بھول سکا۔ اس کی پیاری صورت میرے دل میں نقش ہو گئی تھی۔ میں دعا کیا کرتا تھا کہ یہ بے نظیر حسینہ عیسائی ہو جائے اور میں اسے یورپ لے جا کر تمام عیسائیوں کو دکھاؤں۔"

نقولہ:" خدا نے آپ کی دعا قبول کر لی۔"

پیٹر:" کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے دعا مانگی ہو اور قبول نہ ہوئی ہو؟"

نقولہ:" آپ دیندار بزرگ ہیں کیسے ممکن ہے کہ آپ کی دعا قبول نہ ہو۔"

پیٹر نے والٹر سے کہا۔" یہی وہ یہودی لڑکی ہے جو عیسائی ہونا چاہتی تھی اور مسلمانوں نے نہ ہونے دیا۔"

والٹر:" میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ کس قدر حسین ہے۔"

پیٹر:" فلورا اسے تم اپنے پاس رکھو۔"

فلورا نے خوش ہو کر کہا۔" بڑی خوشی سے میں اپنی بہن کی خدمت خوب کروں گی۔"

نقولہ:" مگر مناسب ہوتا کہ ابھی اسے میرے ساتھ ہی رہنے دیا جاتا۔"

پیٹر:" تم میرے پاس رہنا۔"

نقولہ کو برا تو بہت معلوم ہوا مگر وہ کچھ کہہ نہ سکا اور خاموش رہ گیا۔

فلورا نے حنا سے خطاب کر کے کہا۔" آؤ بہن حنا! حنا کچھ افسردہ خاطر اور حواس باختہ سی ہو رہی تھی۔" اس نے فلورا کو دیکھا۔ اس کی طرف بڑھی اور اس کے پاس پہنچ کر بولی تم میری ہم

جنس ہو کیا تم میری مدد کرو گی۔''

فلورا:''ہاں میں تمہاری مدد کروں گی۔''

حنا:''قول دیتی ہو؟''

فلورا:''ہاں قول دیتی ہوں۔''

حنا کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔ اس نے ہیبت ناک نعرہ کو سن کر سب چونک پڑے اور انہوں نے نظریں اُٹھا اُٹھا کر دیکھا۔ اب اسلامی لشکر بہت قریب آ گیا تھا۔ حد نگاہ تک مسلمان آتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہی حنا کے بشرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا۔ آہا! مسلمان آ گئے۔ خدا کا شکر ہے۔ غالبًا سلطان اور اس کا سپہ سالار بھی ہو گا۔

سوائے نقولہ کے اور تمام عیسائیوں کو اس کی یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی مگر کسی نے بھی اس سے کچھ نہ کہا۔ سب پھر مسلمانوں کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت مسلمان کسی قدر فاصلے پر آ کر رک گئے تھے اور انہوں نے خیمے نصب کرنا شروع کر دیئے تھے۔ پیٹر نے کہا۔''آج انہیں فروکش ہونے دو۔ کل ان بھیڑیوں پر حملہ کر کے انہیں چیر پھاڑ دیں گے۔'' یہ کہتے ہی وہ واپس لوٹا اور اس کے ساتھ ہی اور سب بھی واپس لوٹ آئے۔''

☆☆☆☆

پچاسواں باب

تیاری

پیٹر دی ہرمٹ جب اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ لوٹ کر لشکر گاہ میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لشکر کے ہر سپاہی کو اسلامی فوج کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے اور ہزاروں سپاہی لشکر کے کنارے پر کھڑے مسلمانوں کو دیکھ رہے دیکھ رہے تھے پیٹر اُن کے پاس سے گزار چلا گیا وہ اپنے خیمہ میں ٹھہرا نقولہ کو بھی اپنے پاس ہی ٹھہرا لیا فلورا اور حنا کو ہمراہ لے کر اپنے خیمہ پر پہنچی اس وقت آفتاب غروب ہو گیا تھا اُجالا سمٹنے لگا تھا اور اندھیرا لگا تھا فلورا کے خیمہ میں کافوری بتیاں روشن ہو رہی تھیں جن سے کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی خیمہ پر پہنچتے ہی فلورا نے حنا سے کہا تم سفر کر کے آئی ہو تمہارے لباس اور چہرے پر غبار کی تہ جمی ہوئی ہے مُنہ ہاتھ دھو ڈالو اور میں اپنا جوڑا لاتی ہوں یہ کپڑے اتار کر اُسے پہن لو حنا نے مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا لباس تو میرا بھی اچھا ہے البتہ پانی دے دو میں منہ ہاتھ دھولوں۔

فلورا نے پانی دیا حنا نے اپنے کپڑے جھٹک کر غبار صاف کیا اور بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگی فلورا اس کے لئے اور اپنے لئے کھانا لینے چلی گئی جب وہ واپس آئی تو حنا منہ ہاتھ دھو کر خیمہ کے اندر بیٹھی ملی۔ اب جو فلورا نے اُسے دیکھا تو حیران رہ گئی اس کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن ہو رہا تھا فلورا نے اس کے پاس کھانا رکھ دیا اور دونوں نے ایک ہی جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا کھانے سے فارغ ہو کر دونوں پاس پاس بیٹھ گئیں۔

فلورا حنا کی صورت تکے جا رہی تھی کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا حنا تم کچھ افسردہ خاطر ہو کیا بات ہے؟ حنا واقعی متفکر تھی اُس نے فلورا کی طرف دیکھ کر کہا بہن فلورا میرا گھر چھوٹ گیا ہے عزیز چھٹ گئے ہیں پھر میں افسردہ خاطر کیوں نہ ہوں۔

فلورا: ''کیا تم اپنی خوشی سے یہاں نہیں آئی ہو۔''

حنا: ''نہیں۔''

فلورا: ''اور؟''

حنا: ''نقولہ مجھے زبردستی لایا ہے۔''

فلورا: ''مگر مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تم اپنی خوشی سے عیسائی ہونا چاہتی ہو اور اسی لئے نقولہ تمہیں لائے ہیں۔''

حنا: ''یہ غلط ہے میں نے کبھی دل سے عیسائی ہونا نہیں چاہا۔''

فلورا: ''لیکن پھر تمہارے عیسائی ہونے کی شہرت کیوں ہوئی۔''

حنا: ''نقولہ نے کر دی۔''

فلورا: ''مگر تم تو بیت المقدس میں عیسائی ہونے کے لئے گئی تھیں۔''

حنا: ''مجھ پر نقولہ نے کوئی اثر ڈال دیا تھا۔''

فلورا: ''خیر جب تمہارا جی چاہے تب عیسائی ہو جانا۔''

حنا: ''اگر میں عیسائی نہ ہوئی۔''

فلورا: ''تم کو مجبور نہ کیا جائے گا۔''

حنا: ''کیا تم پھر بھی میری مدد کرو گی؟''

فلورا: ''ہاں۔''

حنا: ''جب تو تم نہایت نیک ہو۔''

فلورا: ''نقولہ تم کو کہاں سے لائے ہیں۔''

حنا: ''قونیہ سے۔''

فلورا نے حیرت بھری نظروں سے حنا کو دیکھتے ہوئے کہا قونیہ سے؟...... ''کیا تم قونیہ میں تھیں؟''

حنا: ''جی ہاں اسلامی سپہ سالار کے یہاں ٹھہری ہوئی تھی۔''

فلورا: ''تعجب ہے تم یہودی اور وہ مسلمان؟''

حنا: ''پھر کیا ہوا؟''

فلورا: ''میں نے سنا ہے کہ مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں دونوں ہی سے نفرت کرتے ہیں۔''

حنا: ''یہ بالکل غلط ہے کوئی مسلمان کسی انسان سے بھی خواہ وہ کسی مذہب کا کیوں نہ ہو نفرت نہیں کرتا۔''

فلورا: ''مگر تمام یورپ میں یہ بات مشہور ہے۔''

حنا: ''یہ بالکل جھوٹ ہے۔''

فلورا: ''اسلامی سپہ سالار کوئی بوڑھا آدمی ہے۔''

حنا: ''نہیں نوجوان ہے بالکل نوعمر۔''

فلورا: ''تعجب ہے۔ سپہ سالار ایک تجربہ کار شخص کو ہونا چاہئے۔ نہ کہ نوآموز کو۔''

حنا: ''وہ نہایت تجربہ کار اور بہادر ہے۔ خلیق اور ہنس مکھ ہے۔''

فلورا نے حنا کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور شکیل بھی ہے؟'' حنا نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ ''ہاں! شکیل بھی ہے۔''

فلورا: ''اور تم اسی لئے اس کے پاس ٹھہری تھیں۔''

حنا: ''نہیں مجھے نقولہ زبردستی عیسائی کرنا چاہتے تھے۔ میرے والد مجھے لے کر ان کے پاس چلے گئے تھے۔''

فلورا: ''کیا سپہ سالار قونیہ ہی میں ہے۔''

حنا: ''وہ اگزروگورو گئے تھے اور شاید وہاں سے یہاں آ گئے ہیں۔''

فلورا: ''کیا ایک بات بتاؤ گی حنا''

حنا: ''کیا؟''

فلورا: ''کہیں تمہیں اس سپہ سالار سے محبت تو نہیں ہو گئی ہے۔''

حنا: ''کسی غیر مسلم عورت کا کسی مسلمان مرد سے محبت کرنا بے کار ہے۔''

فلورا: ''کیوں؟''

حنا: ''اسلئے کہ مسلمان اپنے ہی مذہب کی عورتوں سے محبت کر سکتے ہیں۔''

فلورا: ''تو شاید وہ بد خلق ہوتے ہیں۔''

حنا: ''نہیں! اس کے برعکس وہ نہایت خوش خلق بڑے رحمدل اور متواضع ہوتے ہیں۔''

فلورا: ''اور ان کی عورتیں!''

حنا: ''مردوں سے زیادہ خلیق ہوتی ہیں لیکن۔''

فلورا: ''لیکن کیا؟''

حنا: ''ان میں مذہبی جوش بھی مردوں سے زیادہ ہے۔''

فلورا: ''کیسے اندازہ کر لیا تم نے۔''

حنا: ''جب اگز روگورو کی تباہی کی خبر قونیہ پہنچی تو سب سے زیادہ جوش عورتوں اور بچوں کو آیا اور وہ سلطان سے اجازت لے کر لڑنے چلی گئیں۔ سالار کا نام ''غالب'' ہے لیکن اس کی بہن ہے الزہرہ اس کا نام ہے۔ بہت کم عمر اور نہات حسین ہے۔ وہ بھی لشکر میں بھرتی ہو کر چلی گئی!!''

فلورا: ''تم شاید اس کے پاس ہی رہتی تھیں۔''

حنا: ''جی ہاں! بڑی ہی نیک اور ہنس مکھ لڑکی ہے اگر کوئی مغموم ہو تو اس سے باتیں کرے تو خوش ہو جائے!!''

فلورا: ''شاید وہ لڑکی بھی اس لشکر کے ہمراہ آئی ہو گی۔''

حنا: ''ضرور آئی ہو گی اگر تم ایک دفعہ بھی اس سے باتیں کر لو تو زندگی بھر اس سے الگ نہ ہو۔''

فلورا: ''دیکھو! شاید اس سے ملاقات ہو جائے۔ اب رات زیادہ ہو گئی ہے آؤ سو رہیں۔ صبح شاید جنگ شروع ہو جائے۔''

حنا: ''ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے میں تھکی ہوئی بھی ہوں۔''

اب دونوں سو رہیں اور صبح جب اٹھیں تو نور سحر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ وہ ضروریات سے فراغت کرنے چلی گئیں اور جب فارغ ہو کر آئیں تو انہوں نے عیسائیوں کو مسلح ہو ہو کر میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ تمام عیسائی لشکر میں نقل و حرکت شروع ہو گئی تھی۔ سپاہی جلد جلد مسلح ہو ہو کر جا رہے تھے اور حد نگاہ تک سوار بکھرے پڑے تھے اور صلیبی جھنڈے لہرا رہے تھے۔

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ صبح کا دلفریب سماں تھا۔ ہوا کے خفیف اور خوشگوار جھونکے چل

رہے تھے۔ تمام لشکر گاہ اور سارے میدان میں نور سحر پھیلا ہوا تھا۔ پرند درختوں کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے چہچہا رہے تھے۔ پادریوں کی کثیر جماعت ٹخنوں تک لمبے لمبے جبے مقدس انجیلیں ہاتھوں میں لئے لشکر گاہ سے گزر رہی تھی۔ اب آفتاب افق مشرق سے نکل کر جھانکنے لگا تھا اور اس کی سنہری کرنیں سبزہ زار میدان میں لوٹنے لگی تھیں۔ اس وقت مسیحی لشکر میں طبل جنگ بجنے لگا۔ نرسنگھے پھونکے جانے لگے۔ ان پرشور آوازوں نے فضا کو متلاطم کر دیا۔

فلورا اور حنا اپنے خیمہ کے سامنے کھڑی سواروں کو آتے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ان دونوں کے چہروں پر سنہری کرنیں تڑپ تڑپ کران کی صورتوں کو جگمگا رہی تھیں۔ اس وقت ان کے قریب سے ایک اور پادریوں کی جماعت گزری۔ اس میں پیٹر اور نقولہ بھی تھے۔ نقولا کو دیکھتے ہی حنا کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ کچھ گھبرا گئی۔ نقولہ نے حنا کی طرف دیکھا۔ حنا نے نگاہیں جھکا لیں۔ فلورا حنا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا'' حنا! تم نقولہ کو دیکھ کر گر گئیں!''

حنا:'' ہاں! میں اس شخص سے بہت ڈرتی ہوں۔''

فلورا:'' مگر یہ تو پادری ہیں تارک الدنیا۔ انہوں نے اپنے اوپر دنیا بھر کی تمام لذتیں حرام کر لی ہیں۔''

حنا:'' مگر میں ان کو ایسا نہیں سمجھتی۔''

اس وقت پیٹر ان دونوں کے پاس آیا۔ اس نے فلورا سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا۔'' فلورا! تم نے حنا کو رات کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔''

فلورا:'' نہیں مقدس باپ! یہ میرے پاس بہت خوش رہی۔ یہ نہایت نیک اور اچھی لڑکی ہے۔''

پیٹر:'' ہاں! ایسی حسین لڑکیاں یورپ میں بھی بہت کم دیکھی گئی ہیں۔''

فلورا:'' مجھے تو اس سے بہت ہی محبت ہو گئی ہے۔''

پیٹر:'' اس میں یہی خوبی ہے کہ جو اسے ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔''

فلورا:'' یہی بات ہے۔''

پیٹر:'' عیسائیوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ آج ہی مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالا جائے۔''

فلورا:'' خدا ایسا ہی کرے۔''

پیٹر:'' بیٹی! تم اسے اسلام کی خوبیاں سمجھاتی رہنا۔''

فلورا:'' مگر یہ تو اسلام اور مسلمانوں کو اچھا سمجھتی ہے۔''

پیٹر:'' مجھے نقولہ نے بتایا ہے کہ یہ کچھ روز مسلمانوں کے پاس رہی ہے۔ مسلمان جادوگر

ہوتے ہیں انہوں نے اس پر جادو گر دیا ہے۔ جب میں لڑائی سے فراغت کروں گا تب اس کی طرف توجہ کروں گا۔''

فلورا:''بہتر ہے۔''

اب پیٹر اور اس کی مذہبی جماعت چلی گئی۔ ابھی تک لشکر گاہ میں سے عیسائیوں کے رسالے گزر رہے تھے چونکہ اڑھائی لاکھ لشکر تھا اس لئے بہت کچھ جلدی کرنے پر بھی کافی دیر تک وہ جاتے رہے اور حنا اور فلورا انہیں دیکھتی رہیں۔

☆☆☆☆

اکیاونواں باب

نیک شگون

اسلامی لشکر جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو سلطان نے کہا۔''مسلمانو! عیسائیوں کا لشکر میدان جنگ میں آنے لگا ہے۔ انہیں اپنی کثرت پر ناز ہے لیکن شاید وہ بھول گئے ہیں کہ ہم ان اسلامی شیروں کی اولاد ہیں جنہوں نے روم اور ایران جیسی مضبوط اور مستحکم سلطنتوں کو اُلٹ دیا تھا۔ آرمینیا اور مصر کو فتح کر لیا تھا۔ شیروں کی اولاد بھی شیر ہی ہوتی ہے۔ ہم بھی شیر ہیں ہم ان کی کثرت سے کب ڈرنے والے ہیں۔ ہم خدا کو یاد کرتے ہیں۔ خدا ہمیں یاد کرتا ہے۔ جو خدا کو یاد کرے یا جسے خدا یاد رکھے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ مسلمانوں پر ہمیشہ مصائب آتے رہے۔ دشمنوں نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے کوئی کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ہے۔ لیکن اسلام ہر مرتبہ نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور مسلمان ہمیشہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے رہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے۔
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے۔

یہ وہ بے رحم وحشی اور غیر مہذب لوگ ہیں جو انسانی خون کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں جانتے۔ عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے۔ ایسے خونخوار بھیڑیوں میں جو ہر شجاعت نہیں ہوا کرتا۔ تم خدا کا نام لے کر میدان کارزار میں نکلو اور ان درندوں سے منسیا کے مظلوموں بے کس مسلمانوں کا قصاص خون لو۔''

مسلمان اٹھے، چلے اور اپنے اپنے خیموں میں پہنچ کر مسلح ہو ہو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میدان کارزار میں جا کر صف بستہ ہونے لگے۔ خود سلطان قزل ارسلان بھی مسلح ہو کر لشکر میں آ گیا۔ اس نے آتے ہی لشکر اس طرح سے ترتیب دیا کہ میمنہ میں غالب کو اور میسرہ میں منصور کو

مقرر کر کے خود قلب میں رہا اور غیاث الدین کو اپنے پیچھے رکھا۔ ہاشم کو ایک ہزار آزمودہ کار سپاہی دے کر ہدایت کر دی کہ وہ گشت کرتا رہے اور جس طرف لڑائی کا زور اور مسلمانوں کو کمزور دیکھے اسی طرف سے مدد کے لئے پہنچ جائے۔ مسلمانوں کے پیچھے ایک طرف بچوں کے دستے کھڑے کر دیئے اور دوسری طرف عورتوں کے اور انہیں ہدایت کر دی کہ اگر مسلمان پیچھے ہٹنے لگیں تو وہ ان کو شرم و غیرت دلا کر پھر لوٹا دیں اگر وہ نہ لوٹیں تو وہ خود بھی بڑھ کر جنگ کرنے لگیں۔ جب اسلامی لشکر کی ترتیب و صف بندی ہو چکی تب سلطان نے عیسائی لشکر کی طرف دیکھا۔

عیسائیوں نے بھی میمنہ، میسرہ اور قلب و ساقہ وغیرہ سب قائم کر لئے تھے چونکہ ان کا لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس لئے ان کی صفیں بہت لمبی ہو گئی تھیں۔ اتنی لمبی کہ میمنہ والوں کو میسرہ والے نظر نہ آتے تھے۔ ان ہر دو لشکروں میں دو میل سے زیادہ فاصلہ تھا۔ اس وقت آفتاب نکل کر کسی قدر اونچا ہو گیا تھا اور اس کی شعاعیں سرفروشوں کے لباس ہتھیاروں، زرہ بکتروں اور گھوڑوں کی کلغیوں پر پڑ پڑ کر چمکنے لگی تھیں۔ صلیبی جھنڈے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ عیسائیوں کی صفوں سے آگے سینکڑوں پادری اپنا مخصوص لباس پہنے اونچی اونچی ٹوپیاں اوڑھے سینوں پر سرخ رنگ کی صلیبیں لٹکائے ہاتھوں میں مقدس انجیلیں لئے کھڑے تھے۔ وہ صف بستہ ہو گئے اور انہوں نے آہستہ آہستہ آیات پڑھیں اور سب نے مل کر فتح کی دعا مانگی۔

ان پادریوں میں پیٹر دی ہرمٹ بھی تھا۔ اس نے کہا۔ ”دلیر عیسائیو! فتح قریب ہے۔ خدا اور خداوند تم کو دیکھ رہے ہیں۔ فرشتے تماری امداد کے لئے تیار ہین۔ ان بھیڑیوں کو خدا اس لئے ہمارے سامنے للیا ہے تاکہ ہم ان کا خاتمہ کر ڈالیں۔ تمہاری ذرا سی ہمت تم کو مصر و فلسطین ایشائے کوچک اور روم و شام پر غالب کر دے گی اور پھر یورپ سے ایشیا تک تمہاری ہی حکومت ہو جائیگی۔ اور جس طرح آج مسلمانوں سے دنیا ڈرتی ہے اسی طرح تم سے ڈرنے لگے گی۔ تمہاری دھاک بندھ جائے گی اور تم مسلمانوں سے زیادہ مشہور ہو جاؤ گے۔“

پیٹر دی ہرمٹ پادریوں کی فوج لے کر ہٹ گیا اور اب مسیحی لشکر میں طبل جنگ نہایت زور و شور سے بجنے اور نرسنگھے پھونکے جانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک قد آور اور عظیم الجثہ عیسائی ایک اونچے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کارزار میں نکلا۔ وہ نہایت بہادر تھا اور اسے بہادری پر ناز تھا۔ اس نے لڑنے والے کو طلب کیا۔ غالب اس کے مقابلہ کیلئے نکلا لیکن وہ دبلا پتلا تھا۔ عیسائی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ جچتا تھا۔ چنانچہ عیسائی نے انہیں بڑی حقارت سے دیکھ کر کہا۔ ”تم آئے ہو مجھ سے لڑنے کے لئے؟“

غالب: ''جی ہاں!''
عیسائی: ''نوجوان واپس چلے جاؤ۔ کیوں اپنی جان گنواتے ہو کسی مجھ جیسے ہی آدمی کو لڑنے کے لئے بھیجو۔''
غالب: ''اطمینان رکھو۔ تمہارے لئے میں ہی کافی ہوں۔''
عیسائی نے غصہ بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''تم کافی ہو تمہیں خبر نہیں ہے کہ میں یورپ بھر میں بہادر شمار ہوتا ہوں۔ یہی میری توہین ہے کہ تم جیسے انسان سے لڑوں لیکن اب تم نے مجھے غصہ دلا دیا ہے اور اس لئے اب میں بغیر تم کو قتل کئے نہ مانوں گا۔''
یہ کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکالی۔ فلورا، حنا اور کئی اور عورتیں ایک اونچے ٹیلے پر کھڑی میدان کارزار کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ایک گرانڈیل مسیحی کے مقابلہ میں ایک معمولی جثہ کے مسلمان کو نکلتے دیکھ لیا تھا۔ حنا اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ فلورا نے دریافت کیا۔ ''کیا دیکھ رہی ہو تم حنا!''
حنا نے جواب دیا۔ ''میں اس نوجوان مسلمان کو دیکھ رہی ہوں۔''
فلورا: ''یہ شخص فضول اپنی جان دینے کے لئے نکلا ہے کیا تم اسے جانتی ہو۔''
حنا: ''جی ہاں!''
فلورا: ''کون ہے یہ؟''
حنا: ''یہی اسلامی لشکر کا سپہ سالار ہے۔ غالب اسی کا نام ہے۔''
فلورا: ''اچھا وہی جس کے مکان پر تم رہی تھیں!''
حنا: ''جی ہاں!''
فلورا نے مسکرا کر کہا۔ ''شاید تم اس کی فتحیابی کے لئے دعا مانگ رہی ہو گی۔''
حنا: ''ہاں اور خدا کی ذات سے امید ہے کہ فتح یاب غالب ہی ہوں گے۔''
فلورا: ''ہو چکے تھوڑی ہی دیر میں تم اس کا انجام دیکھ لو گی۔''
حنا چپ ہو گئی اور دل ہی دل میں غالب کی فتح یابی کی دعا مانگنے لگی۔ مسلم عورتوں کا دستہ بھی قدرے بلندی پر کھڑا تھا اور تمام عورتوں اور لڑکیوں نے غالب کو میدان میں نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ہر عورت نے اس کی فتح یابی کی دعا مانگی تھی حتیٰ کہ بادشاہ بیگم نے بھی۔ لیکن سب سے زیادہ عاجزی سے الزہرہ نے دعا مانگی۔ اس نے کہا۔ ''پروردگار! میرا بھائی میدان جنگ میں نکلا ہے۔ مجھے وہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اسے دشمن پر فتح دینا۔''
ادھر عیسائی کے تلوار نکالتے ہی غالب نے بھی اپنی شمشیر آبدار کھینچ لی اور ایک ہاتھ میں

ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ عیسائی نے جوش میں آ کر حملہ کر دیا۔ غالب نے نہایت ہوشیاری سے اس کا حملہ روکا۔ عیسائی نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ غالب نے کہا۔'' تمہارے دل میں لڑائی کا ارمان نہ رہ جائے اس لئے ایک حملہ اور کر لو۔''

عیسائی:'' خوب! گویا پھر میں حملہ کرنے کے قابل نہ رہوں گا۔''

غالب:'' میرا خیال تو ایسا ہی ہے۔''

عیسائی نے غصہ میں آ کر کہا۔'' اب معلوم ہو جائے گا کہ کون حملہ کرنے کے قابل رہتا ہے اور کون نہیں۔'' یہ کہتے ہی اس نے نہایت چابکدستی سے حملہ کیا۔ غالب نے اس کا یہ حملہ بھی روک لیا۔ عیسائی کو بڑا تعجب ہوا۔ غالب نے کہا'' لو اب تم بھی میرا حملہ روکنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

عیسائی:'' تیار ہوں۔''

اب غالب تلوار کھینچ کر بڑھا۔ عیسائی نے ڈھال اٹھائی۔ غالب نے حملہ کیا۔ عیسائی نے ڈھال پر روکا۔ تلوار ڈھال پر پڑ کر اچٹ گئی۔ عیسائی ہنس پڑا۔ غالب کو غصہ آ گیا۔ اس نے جوش میں آ کر ایک اور حملہ کیا اور کچھ ایسا ہاتھ مارا کہ عیسائی کے جس ہاتھ میں ڈھال تھی اس کی ایک انگلی کٹ گئی۔ عیسائی کے تمام بدن میں آگ سی لگ گئی۔ بے اختیار اس کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی۔ غالب نے جلدی سے تلوار اٹھائی۔

عیسائی گھبرا گیا اور اس نے تلوار سامنے کر دی۔ دونوں تلواریں ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ چونکہ عیسائی موٹا تازہ تھا اور غالب دبلا پتلا تھا اس لئے عیسائی کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ غالب کو اس کے گھوڑے سے کھینچ کر اپنے قابو میں کر لے گا چنانچہ وہ جلدی سے تلوار پھینک کر غالب سے لپٹ گیا اور اسے کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔ غالب نے بھی تلوار پھینک دی اور وہ بھی زور آزمائی کرنے لگا۔ پیٹر نے عیسائیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔'' عیسائی مجاہد کی تلوار ٹوٹ گئی ہے کون ایسا بہادر ہے جو اس شیر دل کو تلوار دے آئے گا۔'' ایک افسر نے بڑھ کر کہا۔'' میں اس کام کو کروں گا۔''

پیٹر:'' اچھا تم تیزی سے جاؤ۔''

افسر نے صفوں سے نکل کر گھوڑا سرپٹ دوڑا دیا۔ قزل ارسلان نے اسے آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا۔'' مسلمانو! ایک اور عیسائی اپنے ساتھی کی حمایت کے لئے نکلا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی کی مدد کے لئے بڑھے۔ ہاشم نے سلطان کے

سامنے آ کر کہا۔ ''مجھے اجازت دیجئے حضور!۔''

سلطان: ''تم ہاں! تم ہی جاؤ لیکن جلدی کرو۔''

ہاشم نے بھی لشکر سے نکل کر گھوڑا تیز کر دیا۔ غالب اپنے دشمن سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ عیسائی اسے قبضہ میں کرنے کے لئے اس قدر زور لگا چکا تھا کہ اسے پسینہ آ گیا تھا۔ لیکن غالب نے جنبش بھی نہ کی تھی۔ غالب بھی بہت کچھ زور لگا چکا تھا مگر وہ بھی عیسائی کو نہ ہلا سکا تھا۔

ابھی دونوں زور لگا ہی رہے تھے کہ غالب نے عیسائی افسر کو گھوڑا دوڑاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے دشمن کے لئے مدد آ گئی ہے۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ اس کے آنے سے پہلے اگر ممکن ہو تو اپنے ساتھ لڑنے والے کا خاتمہ کر دے۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پوری طاقت صرف کر کے عیسائی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا۔ عیسائی کچھ گھبرا کر زمین سے اٹھ گیا۔ آنے والے افسر نے یہ دیکھ کر شور مچا دیا لیکن ہاشم بھی قریب ہی پہنچ گیا تھا۔ اس نے افسر کو ڈانٹا۔ غالب نے کسی کی آواز کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اس نے اسے اپنے سینہ سے اونچا اٹھا کر چرخ دیا اور زمین پر دے مارا۔ جونہی عیسائی زمین پر گرا افسر غالب کے پاس پہنچ گیا اور اس نے جاتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ مگر ابھی وہ حملہ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ ہاشم پہنچ گیا اور اس نے جاتے ہی افسر پر وار کیا۔

وہ غالب کی طرف متوجہ تھا اور اس پر حملہ کرنے کے لئے تلوار بلند کر چکا تھا۔ ہاشم کی تلوار اس کے سر پر پڑی اور اس کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ غالب نے دیکھ لیا۔ وہ جلدی سے گھوڑے سے کودا اور عیسائی کی طرف بڑھا۔ اس عرصے میں عیسائی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ غالب نے جاتے ہی خنجر نکال کر اس کے سینہ پر چڑھ گیا۔ عیسائی نے حسرت بھری نظروں سے غالب کو دیکھا۔ غالب نے جلدی سے خنجر اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ اس نے ایک دلخراش چیخ ماری اور تڑپنے لگا۔ سلطان نے کہا۔ خدا کے فضل سے شگون تو نیک ہی ہوا ہے۔ عیسائی لشکر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا دو عیسائی بہادر مارے گئے تھے۔ ہر سپاہی کو جوش آ گیا۔ تمام لشکر نے ایک دم دھاوا بول دیا۔ عیسائیوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں نے بھی آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ ہاشم نے غالب سے کہا۔'' سالار اعظم! عیسائیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ جلدی گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔''

غالب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''افسوس میری تلوار ٹوٹ گئی۔''

ہاشم: ''فکر نہ کیجئے۔ جس مسیحی افسر کو میں نے قتل کیا ہے اس کی تلوار موجود ہے۔''

غالب: ''ٹھیک کہا تم نے۔''

یہ کہتے ہی اس نے بڑھ کر افسر کی تلوار اٹھا لی اور جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابھی وہ سنبھل کر بیٹھا بھی نہ تھا کہ عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر قریب آ گیا۔ یہ دونوں بہادر گھوڑوں کی کنوتیاں ملا کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

☆☆☆☆

باونواں باب

ہولناک جنگ

غالب اور ہاشم دیکھ رہے تھے کہ عیسائیوں کا لشکر بحر بے کراں کی طرح شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا اور اب اس میں سیلاب آ گیا تھا اور اس کی طوفان خیز موجیں ان کی طرف بڑھنے لگی تھیں اور انہیں اپنی رو میں بہا لیجانے کے لئے دم بدم ان کے قریب ہوتی جا رہی تھیں لیکن ان دونوں کو اس سیلاب کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ جوانمردوں اور دلیروں کی طرح تلواریں تولے کھڑے تھے۔ آخر بڑھتے بڑھتے عیسائی قریب آ گئے اور انہوں نے تلواریں سونت سونت کر حملہ کر دیا۔ یہ دونوں بھی تیار ہی تھے۔ انہوں نے اس پھرتی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے کئی عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائیوں کو یہ دیکھ کر غصہ آ گیا اور وہ بڑے جوش سے حملہ آور ہوئے۔ لیکن ان کے حملہ کرنے سے پہلے ہی اسلامی لشکر آ گیا اور سرفروش مسلمانوں نے آتے ہی اس زور سے حملہ کیا کہ عیسائی رک گئے اور گھبرا گھبرا کر مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔

مجاہدین اسلام نے تلواریں بلند کیں اور سہمے ہوئے حیرت زدہ عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور کچھ اس پھرتی اور تیزی سے حملے کئے کہ پہلی صف کے آدھے سے زیادہ مسیحی مقتول و مجروح ہو گئے۔ اب عیسائی بھی سنبھل گئے اور انہوں نے جوش میں آ کر مسلمانوں پر جوابی حملہ کیا اور ان کا یہ حملہ نہایت سخت ہوا اور بہت سے مسلمان شہید ہو کر گرے۔

یہ دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں جوش وغضب کا طوفان اُمڈ آیا اور انہوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ عیسائیوں کی کافی تعداد قتل کر ڈالی چونکہ عیسائیوں کی صفیں حد نگاہ تک لمبی تھیں۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی ان کے برابر ہی صفیں پھیلانا پڑی تھیں۔ اور اسی وجہ سے میمنہ کو میسرہ سے اس قدر فاصلہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو نظر نہ آتے تھے اور چونکہ جنگ ہر طرف سے شروع ہو گئی تھی اس لئے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی تلواریں اُٹھتیں اور جھکتی نظر آتی تھیں۔

اس وقت آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا اور اس کی شعاعیں سیدھی ہو کر لڑنے والوں پر پڑنے لگی تھیں۔ جنگ کی آگ بڑھتی اور پھیلتی جاتی تھی۔ لڑنے والے جوش میں آ کر اس آگ میں کودتے جاتے تھے۔ تلواریں جلد جلد اٹھ رہی تھیں اور جلد جلد ہی سر وتن کے فیصلے ہو رہے

تھے۔ مار دھاڑ ہو رہی تھی اور انسان انسانوں کو مٹا رہے تھے۔ عیسائیوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ اس لئے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے کہ مسلمانوں کا جلد سے جلد خاتمہ کر ڈالیں۔ مسلمان کم تھے۔ بہت ہی کم یعنی عیسائیوں کا پانچواں حصہ لیکن وہ خدا کے بھروسہ اور اپنی فطری شجاعت پر نازاں تھے اور نہایت استقلال و جرات سے لڑ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے تہیہ کر لیا ہو کہ وہ تمام عیسائیوں کو قتل کر کے ہی دم لیں گے۔

چونکہ دونوں فریق جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے جنگ بھی نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ ہر طرف خون آلودہ تلواریں اٹھ رہی تھیں اور اٹھ اٹھ کر خون برسا رہی تھیں۔ تلواروں کی جھنکار زخمیوں کی چیخ و پکار اور قومی نعروں کی آواز سے سارا میدان' میدان کے قرب و جوار کا علاقہ گونج رہا تھا۔ فضا تھرا رہی تھی۔ اس وقت لڑنے والوں کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ ان میں سے ہر آدمی جنگ کا دیوانہ بن گیا تھا اور موت کو بھول کر بڑے جوش سے لڑ رہا تھا۔ تلواریں زندگیوں کا فیصلہ کر رہی تھیں اور لوگ قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ سر اور دھڑ گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو رہے تھے۔ خون نہایت بے قدری کے ساتھ بہا بہا پھر رہا تھا۔ والٹر پچھلی صفوں میں کھڑا ہوا عیسائیوں کو جوش دلا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد عیسائی مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالیں لیکن مسلمان گویا لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ اب نہ وہ مرتے تھے اور نہ پیچھے ہٹتے تھے بلکہ جو مسیحی ان کو قتل کرنے کے لئے ان کے قریب پہنچ جاتے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے انہیں ختم کر ڈالتے تھے۔ پیٹر دیکھ رہا تھا کہ عیسائی قتل ہو رہے ہیں اگرچہ وہ بوڑھا تھا اور پھر پادری نہ جنگ کرنا جانتا تھا نہ کبھی کسی لڑائی میں شریک ہوا تھا مگر اس وقت اسے جوش آ گیا اور اس نے تلوار کھینچ کر ہاتھ میں لی اور بلند آواز سے کہا۔

''عیسائیو! بہشت کے دروازے کھل گئے ہیں اور خدا کا محبوب بیٹا دروازہ پر کھڑا ہوا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ خدا نے ہر اس عیسائی کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں جو اس جنگ میں شریک ہے۔ میں اس کا ضامن ہوں۔ فرشتوں کی فوج ہماری مدد کے لئے آ گئی ہے۔ بڑھو اور دشمنوں کو قتل کرو اور پاک مقام یروشلم کو ان سے چھین لو۔''

یہ کہتے ہوئے بڑھا اس کے بڑھتے ہی عیسائیوں کا جوش ہیجان میں آ گیا اور انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا اگرچہ مسلمانوں نے ان کا حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ پرجوش عیسائی یلغار کو نہ روک سکے۔ پیچھے ہٹے اس قدر پیچھے ہٹے کے عورتوں اور بچوں کے دستوں سے جا ملے۔ جونہی عورتوں نے ان کو پسپا ہوتے دیکھا تو انہوں نے تلواریں سونت لیں اور ملکہ نے کہا۔'' عرب خواتین! اب تمہاری بہادری کے جوہر دکھانے کا وقت آ گیا ہے۔ مرد

پیچھے ہٹ رہے ہیں انہیں ہٹنے دو۔ اب تم آگے بڑھو اور عیسائیوں کو بتا دو کہ مسلم عورتیں کس قدر بہادر ہیں۔''

اس وقت بھی تمام عوتیں سفید چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ انکے تمام جسم اور سارے چہرے چادروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان کے بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ملکہ عالیہ کی مختصر تقریر سنتے ہی سب مرنے مارنے پر تیار ہوگئیں۔ الزہرہ نے کہا۔''شیر دل عورتو! حرمت اسلام پر کٹ مرنے کا وقت آ گیا ہے۔ خدا تمہیں اور تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ ہم اپنے ان مظلوم بھائیوں، بہنوں کا انتقام لینے کے لئے آئے ہیں جنہیں وحشی بے رحم اور درندہ خصلت عیسائیوں نے بڑی سنگدلی سے شہید کر ڈالا ہے۔ جنت تلوار کے سائے میں ہے۔ چلو حملہ کرو اور جنت کی حقدار بن جاؤ۔

اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ اسے جوش آ گیا ہے اس نے تلوار کو بلند کر کے ہلایا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام عورتوں نے جوش میں آ کر اس مبارک نعرہ کی تکرار کی اور غصہ سے بھر کر آگے بڑھیں۔ ساری عورتیں گھوڑوں پر سوار تھیں۔ انہوں نے گھوڑوں کو تیزی سے دوڑایا اور جب وہ مسلمانوں کے بیچ میں سے ہو کر گزرنے لگیں اور مسلم شیروں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی اور وہ سنبھلتے سنبھلتے ہی پلٹے اور نہایت سختی سے عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے جھپٹ کر اور جوش میں آ کر عیسائیوں پر نہایت شدت سے حملہ کیا اور بڑی دلیری سے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ عیسائی جو مسلمانوں کو دباتے بڑھے چلے آ رہے تھے اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ عنقریب مسلمان شکست کھا کر بھاگنے والے ہیں انہیں پلٹتے اور جنگ کرتے دیکھ کر گھبرا گئے۔

ان کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کس بات نے مسلمانوں کو لوٹا دیا اور ان میں کس چیز نے جوش و جرات کی روح پھونک دی جبکہ مسلمان عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ عورتیں بھی ان کے برابر پہنچ گئی تھیں اور انہوں نے بھی شمشیر زنی شروع کر دی تھی۔ جب کوئی مسلمان کسی عیسائی کو مسلمان پر حملہ کرتے دیکھتا تھا تو جلدی سے جھپٹ کر خود اس مسیحی پر حملہ کر کے اسے مار ڈالتا تھا اور پھر فوراً ہی لپک کر دوسرے عیسائی پر حملہ کر دیتا تھا۔

چونکہ عورتیں مردوں میں گھس آئی تھیں اس سے مردوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا اور ان میں سے ہر شخص بڑی سختی سے اور جلد جلد حملے کرنے لگا تھا۔ ہر مسلمان نے یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ کوئی عورت اس سے آگے بڑھ کر عیسائی پر حملہ نہ کرنے پائے۔ مسلمانوں کی اس کوشش نے بساط جنگ ہی بدل دی تھی۔ یا تو عیسائی فتیاب ہوتے اور مسلمانوں کو شہید کرتے ہوئے

بڑھے چلے آ رہے تھے یا اب مسلمانوں نے انہیں قتل کرنا اور پیچھے ہٹانا شروع کر دیا تھا۔ اتفاق سے سلطان قزل ارسلان کی نظر عورتوں پر پڑ گئی۔ اسے بھی ان کے جنگ میں شریک ہونے کی وجہ سے بڑا جوش آیا۔ اس نے کہا۔ ''شیر دل عورتو! تم میں جوش ہے جرات ہے تم لڑ سکتی ہو لیکن ابھی ہم زندہ ہیں۔ ہمارے لئے یہ بات بڑی شرم کی ہوگی کہ ہمارے جیتے جی تم جنگ کرو۔ خدا کے لئے واپس لوٹ جاؤ اور ہمیں ذلت و ندامت سے بچا لو۔ جن عورتوں نے اس کی آواز سنی۔ انہوں نے دوسری عورتوں کو سلطان کی تقریر سے مطلع کر دیا اور اس طرح تمام عورتیں پیچھے ہٹ کر پھر اس جگہ جا کر کھڑی ہوئیں جس جگہ پہلے کھڑی تھیں ادھر مسلمان پلٹ کر نہایت تیزی سے حملہ آور ہوئے۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا اور ہر شخص جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے عیسائیوں کو قتل کرنے لگا۔ ان کی بے پناہ تلواروں نے عام خونریز شروع کر دی۔ ہر طرف سے مردوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

مسلمان کچھ ایسے جوش و خروش سے بھر گئے تھے کہ وہ عیسائیوں کی صفیں الٹتے ان کے لشکر میں بڑھے چلے گئے ادھر عیسائی بھی مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ نہایت خونریزی جنگ شروع ہو گئی تھی اس لئے تمام عیسائی اور سارے مسلمان لڑائی میں مصروف ہو گئے تھے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ تلواروں کے کھیت کے کھیت اُگے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

اب آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ دھوپ میں تیزی آ گئی تھی۔ اگرچہ ہوا کے جھونکے بھی چل رہے تھے لیکن لڑنے والوں کو گرمی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پسینہ میں ڈوب رہے تھے مگر وہ کچھ ایسے جنگ میں مصروف تھے کہ نہ انہیں گرمی کی پرواہ تھی اور نہ پسینہ کا خیال۔

ہر شخص خونخوار شیر بن گیا تھا اور ایک دوسرے کو پھاڑ رہا تھا۔ تلواریں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چل رہی تھیں اور سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ جہاں تہاں لاشوں پر لاشیں گرتی چلی جا رہی تھیں اور گھوڑے ان کو پامال کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

نہ انسانوں کی زندگی کی کوئی قدر و منزل رہی تھی اور نہ ان کے جسموں کی۔ بڑی ہولناک جنگ ہو رہی تھی۔ ہر شخص مار دھاڑ میں مصروف تھا۔ چونکہ لوگ جلد جلد قتل ہو رہے تھے۔ اس لئے موت کا فرشتہ بڑی سرعت سے روحیں قبض کرتا پھر رہا تھا۔ جنگ کی چکی نہایت تیزی سے گھوم رہی تھی اور سرفروش اس میں پس رہے تھے۔ کسی کو بھی اپنی زندگی کی آس نہ تھی۔ کوئی بھی اپنے آپ کو محفوظ و سلامت نہ سمجھتا تھا۔ چاروں طرف تلواریں کوند رہی تھیں اور لڑنے والے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

عیسائی مسلمانوں کو اور مسلمان عیسائیوں کو ختم کر ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں

فریق بڑے جوش سے لڑ رہے تھے اور دونوں ہی کے سرفروش قتل ہو کر گر رہے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ مبادا عورتیں پھر آ کر جنگ شروع کر دیں اس لئے وہ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے اور عیسائیوں کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

سلطان نے اپنی پنڈلی سے جھنڈا باندھ لیا تھا اور بائیں ہاتھ میں ڈھال اور دائیں ہاتھ میں تلوار لئے بڑے جوش وخروش سے لڑ رہا تھا۔ وہ جس طرف اور جس شخص پر حملہ کرتا تھا اسے قتل کر کے اسی طرف آگے بڑھ جاتا تھا۔

اسکا خاص رسالہ اس کے عقب میں تھا اور وہ سلطان کے نقش قدم پر عیسائیوں کو مارتا کاٹتا پیچھے ہٹاتا بڑھتا چلا آ رہا تھا اگرچہ سلطان بوڑھا تھا لیکن اس وقت وہ نوجوانوں سے زیادہ جوش وخروش سے لڑ رہا تھا۔ غیاث الدین بھی بوڑھا تھا مگر وہ بھی کمال دلیری سے جنگ کر رہا تھا۔ جس گروہ پر حملہ کرتا اسے زیروزبر کر ڈالتا تھا جس عیسائی پر وار کرتا تھا اسے قتل کئے بغیر دم نہ لیتا تھا۔ سو آدمیوں کا دستہ اس کے بھی پیچھے تھا اور وہ بھی عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ غالب لڑ رہا تھا وہ نوعمر تھا۔ اس کے دل میں امنگ اور سینہ میں جوش تھا۔ بڑی دلیری اور نہایت سختی سے حملے کر رہا تھا اور ہر حملے میں تین یا چار عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ وہ جس طرف بھی حملہ کرتا کشتوں کے پشتے لگا دیتا۔ جس صف پر حملہ آور ہوتا اسے الٹ دیتا۔ جس گروہ پر ٹوٹتا اسے تہہ و بالا کر ڈالتا۔ اس نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا تھا اور جوں جوں وہ قتل کرتا جاتا تھا اسکا جوش اور بڑھتا جاتا تھا۔ وہ لڑتا لڑتا والٹر کے قریب جا پہنچا۔ اس کے لباس اور اس کی شان سے اس نے پہچان لیا کہ وہ کوئی معزز افسر ہے۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ ''او لڑنے والے! اجل رسیدہ مرنے کے لئے تیار ہو جا۔'' والٹر نہایت جوش سے لڑ رہا تھا۔

وہ غالب کی آواز سن کر چونکا اور اس کی طرف پلٹا۔ اس نے پلٹتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ غالب اس کے قریب جا ہی پہنچا تھا اس نے ڈھال پر اس کا وار روک کر خود بھی حملہ کر دیا۔ اس کی خارا شگاف تلوار والٹر کی ڈھال پھاڑ کر اس کے شانہ پر پڑی اور شانہ کی نقرئی زنجیروں کو کاٹتے ہوئے بجلی کی طرح نکل گئی۔ والٹر نے چیخ ماری اور گرا۔ اس کے گرتے ہی عیسائیوں میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی اور وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹے۔

اس کے پیچھے ہٹتے ہی مسلمانوں نے نہایت جوش سے حملہ کیا۔ ہزاروں عیسائی اس حملہ میں مارے گئے۔ اب ان پر اور بھی ہراس طاری ہو گیا اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اس ایک محاذ پر انہیں شکست ہوتے ہی ہر طرف ہزیمت ہو گئی اور وہ ہر محاذ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان کے بھاگتے ہی مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے ہر طرف سنبھل کر بڑے شدومد سے حملے کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت عیسائیوں میں عام بھگدڑ پڑ گئی۔ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے ہر طرف ان کا تعاقب کر کے انہیں تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔

☆☆☆☆

ترپنواں باب

انتقام

عیسائی نہایت بے ترتیبی اور بدانتظامی سے بھاگے اور کچھ ایسے خائف ہو کر ادھر ادھر کہ پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے۔ بے تحاشہ بھاگے چلے جا رہے تھے۔ مسلمان ان کے عقب میں لگ گئے اور انہیں مارتے کاٹتے ہوئے ان کے پیچھے لگے چلے جا رہے تھے۔ وہ مسیحی بھیڑیئے جو بڑے غرور اور عزم صمیم کے ساتھ یورپ سے چل کر ایشیائے کوچک میں آئے تھے اور جنہوں نے انتہائی سنگدلی، بے رحمی اور بربریت سے منسیا کے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا تھا اور جن کا خیال تھا کہ مسلمانوں میں ان کا مقابلہ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ جو مسلمانوں کو اپنے سے پانچواں حصہ سمجھ کر انہیں فنا کر دینے کا عزم صمیم کر چکے تھے۔ اس وقت شکست فاش کھا کر اپنی جانیں بچانے کے لئے بری طرح سے بھاگ رہے تھے۔ وہ اس ملک سے بالکل ہی واقف نہ تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ کس طرف بھاگیں اور کہاں جا کر پناہ لیں۔ اس لئے جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا چونکہ ان میں سے ہر ایک صرف اپنی ہی جان بچانا چاہتا تھا اس لئے ہر شخص اسی کوشش میں تھا کہ بھاگ کر سب سے آگے نکل جائے۔ انکے اس طرح بھاگنے سے مسلمانوں کو ان کے قتل کر ڈالنے کا موقع مل رہا تھا اور وہ قدم قدم پر ان کی لاشیں بچھاتے انکے پیچھے دوڑے چلے جا رہے تھے۔

جس وقت عیسائی شکست کھا کر بھاگے۔ اس وقت تک صرف ان کے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے تھے۔ ڈیڑھ لاکھ آدمی باقی تھے اور یہ تعداد مسلمانوں سے تین گنا تھی۔ اگر وہ اب بھی جم کر لڑتے اور بدحواس ہو کر بھاگ نہ کھڑے ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ وہ کامیاب ہو جاتے لیکن ظالم لوگ صرف کمزوروں پر ہی ظلم وستم کرنا جانتے ہیں۔ زور آوروں پر ان کا کچھ بس نہیں چلتا۔ اس لئے جب زور آوروں سے مقابلہ ہوتا ہے تو بزدلی کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ یورپ سے یہ آنیوالے مسیحی بھی بے حد ظالم اور بے درد تھے۔ اس لئے مسلمانوں سے مقابلہ ہوتے ہی ان کی بزدلی نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا چنانچہ وہ بھاگے اور بری طرح سے

بھاگے۔

ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی جانیں بچا کر لیجائیں گے لیکن جب مسلمان ان کے پیچھے دوڑے اور دور تک بھاگ دوڑ ہونے کے بعد بھی انہوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو وہ سمجھ گئے کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ مسلمان جوان کے پیچھے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک ایک شخص کو چن چن کر قتل کر کے رہیں گے۔

اس خیال نے انہیں اور بھی پست ہمت کر دیا اور موت کے خوف سے ان کے جسموں میں تھرتھری پڑ گئی۔ ہاتھ پیر قابو میں نہ رہے۔ چنانچہ سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی گھوڑوں سے از خود گر گئے اور گرتے ہی گھوڑوں کے سموں سے روندے گئے۔

اب انہوں نے رونا اور آہ وفریاد کرنا، چیخنا، چلانا اور رحم وکرم کے لئے گڑگڑانا شروع کر دیا لیکن کس طرح؟ بھاگ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ دوڑے چلے جا رہے تھے اور چلاتے جاتے تھے۔ پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے مگر گڑگڑا رہے تھے۔ مسلمانوں کو ان کی وحشیانہ بربریت پر غصہ آ رہا تھا۔ جوش انتقام نے ان میں غیظ وغضب کی روح پھونک دی تھی۔ وہ انہیں بتانا چاہتے تھے کہ ننھے ننھے بچوں اور معصوم عورتوں کو شہید کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان کی فریاد ان کی گریہ زاری ان کے چلانے اور ان کے شور کرنے اور گڑگڑانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے۔

گویا ہر مسلمان نے قسم کھائی تھی کہ وہ ہر عیسائی کو جو اس کے سامنے آ جائے گا قتل کئے بغیر دم نہ لے گا۔ بیچارے عیسائیوں پر خدا کی وسیع زمین تنگ ہو گئی تھی۔ وہ جانیں بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے مگر انہیں کوئی بھی جائے پناہ نہ ملتی تھی نہ مسلمان ان کا پیچھا چھوڑتے تھے۔ برابر انہیں قتل کرتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑے چلے آ رہے تھے۔

مچاڈ اپنی تاریخ کروسیڈ میں لکھتا ہے جس وقت عیسائی ہزیمت اٹھا کر بھاگے ہیں اس وقت بھی ان کی تعداد کافروں (مسلمانوں) سے بہت زیادہ تھی مگر ان پر ان کا رعب غالب ہو گیا تھا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں نہایت بے رحمی سے قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

تمام راستے بے گناہ عیسائی مجاہدوں کی لاشوں سے پٹ گئے تھے۔ خدا اور خداوند دیکھ رہے تھے کہ ان کے پرستار موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے۔ بے چارہ مچاڈ عیسائیوں کی حالت پر افسوس کرتا ہے مگر وہ اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ان درندوں نے مسلمانوں پر کس قدر وحشیانہ مظالم کئے تھے۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ وہ ہر مظلوم کا ہر ظالم سے انتقام لیتا ہے۔ مسلمان

مظلوم تھے اور عیسائی ظالم۔ اس لئے آج انہیں انکے مظالم کی سزا مل رہی تھی۔ جبکہ مسلمان عیسائیوں کا تعاقب کر کے انہیں بھاگتے ہوئے بے دریغ قتل کر رہے تھے۔ اسوقت کچھ مسلمان ان عیسائیوں پر حملہ کر رہے تھے جو کہ میدان کارزار میں ہی بھاگے پھر رہے تھے۔ ان بھاگنے والے عیسائیوں میں عورتیں بھی تھیں اور پادری بھی۔

بے چارے پادریوں نے معرکہ کارزار کب دیکھا تھا اور پھر ایسا خون آشام معرکہ؟ وہ تو عیسائی مجاہدوں کے ساتھ اس لئے آئے تھے کہ وہ لڑ کر مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں گے اور یہ مقدس جماعت مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لے گی انہیں کیا خبر تھی کہ مقابلہ ایسی قوم سے ہو گا جس کی بہادری کی دھاک تمام دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ جو مسلمان کہلاتی ہے اس کا ہر فرد اس قدر شجاع ہے کہ ایک ہزار دشمن سے لڑتا ہے جو مرنا یا مارنا ہی جانتے ہیں پیچھے ہٹنا یا بھاگنا نہیں جانتے۔

اس وقت وہ اپنے ٹخنوں تک لمبے لمبے جبوں کو اٹھائے پیدل ہی میدانوں میں بھاگے پھر رہے تھے۔ اگرچہ مسلمان کسی عورت اور کسی پادری کو بھی قتل نہ کر رہے تھے۔ انہیں سلطان نے پہلے ہی انہیں قتل نہ کرنے کی ہدایت کر دی تھی۔

مگر وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ مسلمان انہیں بھی ضرور قتل کر ڈالیں گے اور اس لئے جب انہیں مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنی طرف آتا نظر آتا۔ تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے اور جب مسلمان دور نکل جاتے تو ٹھہر کر دم لینے لگتے۔

ابھی اچھی طرح سے دم درست نہ کر پاتے کہ پھر کوئی نہ کوئی گروہ نظر آتا اور وہ پھر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیتے۔ غرضیکہ اس طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ چونکہ اس بھاگ دوڑ میں انہیں کافی مشقت کرنی پڑتی تھی اس لئے وہ تھک کر چور ہو گئے تھے اور ان کے بدن پسینہ میں ڈوب گئے تھے۔ کوئی مسلمان بھی ان کی طرف توجہ نہ کرتا تھا۔ وہ فضول ہی ڈر ڈر کر مرے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ پیٹر بھی تھا اور وہ بھی بھاگ رہا تھا چونکہ وہ زیادہ بوڑھا تھا اس لئے سب سے زیادہ تکلیف اسے ہی ہو رہی تھی۔ آج اسے معلوم ہو رہا تھا کہ لیڈری بھی کس قدر خطرناک چیز ہے۔

جب اس نے یورپ میں تقریریں کر کے لوگوں کو لڑنے مرنے پر برانگیختہ کیا تھا تو اسے سارے یورپ نے اپنا لیڈر منتخب کر لیا تھا۔ اس کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ ایسی عزت کہ اس کی داڑھی اور اس کے گدھے کے تمام بال قوم نے تبرک سمجھ کر نوچ لئے تھے۔ اپنی اس عزت افزائی سے وہ بہت خوش ہوا اور یہ سمجھنے لگا تھا کہ یورپ میں پوپ سے زیادہ اس کی قدر و منزلت ہے۔ وہ اپنی قسمت پر ناز کیا کرتا تھا لیکن آج جب اسے بھاگنے کی قواعد کرنا پڑی تھی تو وہ سخت

تکلیف میں تھا۔ جو مسلمانوں سے پانچ گنا ہو کر شکست کھا کر بھاگے تھے۔ حنا اور فلورا دونوں ایک جگہ سہمی ہوئی کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ مسلمانوں کے غول تمام میدان میں بکھرے کھڑے تھے اور عیسائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔ فلورا کا چہرہ اتر گیا تھا اور خوف و ہراس سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔

ہونٹوں پر خشکی آ گئی تھی اس نے حنا سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ ''حنا! اب کیا ہوگا؟''

حنا: ''میں خود نہیں سمجھتی کہ اس وقت مسلمان سخت جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔ غیظ و غضب میں آ آ کر عیسائیوں کو بہت بری طرح سے قتل کر رہے ہیں۔''

فلورا: ''کیا ہم دونوں بھی قتل ہو جائیں گی۔''

حنا: ''معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔''

فلورا: ''مگر تم کو تو مسلمان جانتے ہیں۔''

حنا: ''سب نہیں جانتے۔''

فلورا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ چند ایک سوار عیسائیوں کو رگیدتے ہوئے اس طرف آ نکلے۔ عیسائی چلا رہے تھے۔ رو رہے تھے اور بھاگے چلے آ رہے تھے۔ مسلمان ان کے پیچھے لگے آ رہے تھے۔ کہیں کہیں وہ ایک ایک دو دو مسیحیوں کو بھی مار ڈالتے تھے۔ آخر انہوں نے اس جگہ کے قریب جہاں فلورا اور حنا کھڑی تھیں مسیحیوں کو گھیر لیا اور ان کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ حنا اور فلورا دونوں فرط خوف سے کانپ رہی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ عیسائی گریہ زاری کر رہے ہیں۔ گڑگڑا رہے ہیں مگر مسلمان ان کی کوئی بات نہ سنتے تھے۔ وہ انہیں قتل کر رہے تھے اور نہایت پھرتی سے قتل کر رہے تھے۔ جیسے انہیں کوئی ضروری کام ہو اور وہ انہیں قتل کر کے اس کام پر روانہ ہونے والے ہیں۔ انکے دیکھتے ہی دیکھتے اس گروہ کے تمام عیسائی مار ڈالے گئے۔ صرف ایک مسیحی جان بچا کر بھاگا اور وہ گھوڑے سے کود کر فلورا کے پیچھے آ چھپا۔ ہاشم اس کے پیچھے دوڑا اور اس نے تلوار بلند کر کے حملہ کرنا چاہا۔ فلورا سمجھ گئی کہ ہاشم کی تلوار اس کا سر اڑا دے گی لہٰذا اس نے خوف و دہشت کے چیخ ماری۔ ہاشم چونک پڑا اس نے تلوار روک لی اور نظر اٹھا کر فلورا کو دیکھا اس کی آنکھوں سے حیرت کا اظہار ہوا۔ ہائیں تم ایک عورت؟ اور..... وہ عیسائی کہاں گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہاشم پر کچھ ایسا جوش اور غضب طاری ہو گیا تھا کہ اسے بالکل ہی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے اور کسے قتل کر رہا ہے۔ فلورا نے جلدی سے اپنے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''عیسائی یہ ہے، میرے پیچھے۔''

ہاشم نے آگے بڑھ کر اس کے تلوار ماری اس کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ اب حنا اور فلورا بھی

ڈر گئیں۔ انہیں وہم ہو گیا کہ عیسائی کو قتل کر دینے کے بعد ہاشم ان دونوں کو بھی قتل کر ڈالے گا۔ فلورا نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔؟؟ بہادر مسلمان! ہم پر رحم کرو۔"

ہاشم نے بغیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" تم مت ڈرو! ہم مسلمان عیسائیوں کی طرح وحشی نہیں ہیں جو عورتوں کو بھی قتل کر ڈالیں۔" فلورا نے اطمینان کا دم لیا اور اب اس نے ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم نوجوان تھا۔ وہ اسے دیکھ کر دیکھتی رہ گئی۔ اتفاق سے ہاشم کی نگاہ بھی اس پر پڑ گئی۔ وہ بھی اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔ کچھ وقفہ کے بعد وہ سنبھلا اور اس نے کہا۔" معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں ڈر رہی ہو۔"

فلورا:" ہاں! میں ڈر رہی ہوں۔"

ہاشم:" اچھا تم میرے ہمراہ آؤ۔"

دونوں بغیر کچھ کہے سنے اس کے ہمراہ چل پڑیں۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے غالب آ گیا۔ حنا نے غالب کو دیکھا اور اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ آنکھیں چمکنے لگیں اس نے بے ساختگی سے کہا۔" غالب!" غالب چونک پڑا۔ اس نے حنا کو دیکھا۔ دیکھتے ہی اس پر حیرت چھا گئی اور وہ حنا کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆☆

چونواں باب

حیرت

غالب نے کومنسیا کے سامنے میدان میں دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ وہ اپنے قونیہ میں اپنے مکان میں چھوڑ آیا تھا اور وہ اس سے پہلے وہاں آ گئی تھی۔ اس بات نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ وہ کیسے وہاں آ گئی۔ حنا بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی حیرت کی وجہ سمجھ گئی تھی اس نے چاہا کے وہ سب کچھ بتا دے مگر فخر و غرور نے اسے کچھ نہ کہنے دیا۔ اب اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ غالب خود پوچھے تو وہ بتا دے۔ فلورا ان دونوں کو حیران دیکھ کر متعجب ہو رہی تھی۔ وہ حنا سے سن چکی تھی کہ قونیہ میں غالب کے مکان میں ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ حنا کے آواز دینے سے سمجھ گئی تھی کہ غالب یہی ہے۔ اس نے آہستہ سے حنا سے پوچھا" کیا غالب یہی ہیں؟"

حنا نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔" ہاں!"

فلورا:" مگر یہ تم سے بولتے کیوں نہیں؟"

حنا:" شاید مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں۔"

فلورا: ''یا کچھ خفا ہو گئے ہیں۔''
حنا: ''ممکن ہے۔''
فلورا: ''تم ہی گفتگو شروع کر دو۔''
حنا: ''کیوں! میں نے کوئی قصور کیا ہے۔''
فلورا: ''اس وقت مصلحت یہی ہے۔''
حنا: ''گویا میں ان کی خوشامد کروں۔''
فلورا: ''کچھ حرج نہیں ہے۔''
حنا: ''معاف کیجئے میں خوشامد نہیں کر سکتی۔''
فلورا: ''تم کو اپنے حسن پر ناز ہے۔''
حنا شرما گئی۔ فلورا نے کہا۔ ''مجھے خوف ہے کہ کہیں غالب ناراض نہ ہو جائے۔''
حنا: ''ہو جانے دو۔''
فلورا: ''مگر یہ میدان جنگ ہے؟''
حنا: ''میں بھی جانتی ہوں۔''
فلورا: ''مسلمانوں کا یہ جنگی قانون ہے کہ لڑائی میں جو مرد اور عورتیں گرفتار ہوتے ہیں وہ کنیزیں اور غلام بنا لئے جاتے ہیں۔''
حنا: ''مجھے یہ بات معلوم ہے۔''
فلورا: ''اندیشہ ہے کہ کہیں تم بھی کنیز نہ بنا لی جاؤ۔''
حنا: ''غالب کی موجودگی میں یہ ناممکن ہے۔''
فلورا: ''مگر اس وقت جب تم انہیں ساری باتیں بتا دو گی۔''
حنا ''جب یہ پوچھیں گے تب بتا دوں گی۔''
فلورا: ''اور اگر انہوں نے نہ پوچھا۔''
حنا: ''تب کچھ نہ کہوں گی۔''
فلورا: ''نہیں حنا! تم ہی انہیں سب حال بتا دو۔''
حنا: ''مگر یہ کیوں نہیں بولتے۔''
فلورا: ''یہی پوچھو تم ان سے۔''
جس وقت ان میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت ہاشم اور غالب باتیں کر رہے تھے۔
ہاشم: ''سالار اعظم! کیا آپ ان لڑکیوں کو جانتے ہیں۔''

غالب: ''ان میں سے ایک کو جانتا ہوں۔''

ہاشم: ''کسے؟''

غالب: ''اس یہودی لڑکی کو۔''

ہاشم: ''کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں جو قونیہ میں آپ کے مکان میں رہتی تھی۔''

غالب: ''وہی ہے۔''

ہاشم: ''مگر یہ کیسے یہاں آ گئی۔''

غالب: ''اسی بات سے میں حیران ہوں۔''

ہاشم: ''ان سے دریافت کیجئے۔''

غالب: ''ہاں دریافت کروں گا۔ تم نے ان دونوں کو کہاں پایا؟''

ہاشم: ''(اشارہ کر کے) اس سامنے والے ٹیلہ پر۔''

اب غالب حنا سے مخاطب ہوا۔ اس نے کہا۔

''حنا!'' حنا نے حیا پرور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جی!''

غالب: ''تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

حنا: ''قسمت کھینچ لائی۔''

غالب: ''مگر اسباب کیا ہو گئے؟''

حنا: ''میں دھوکہ میں آ گئی۔''

غالب: ''کس نے دھوکہ دیا تم کو!''

حنا: ''نقولہ نے۔''

غالب نقولہ کا نام سنکر چونک پڑا۔ اس نے تحیر خیز لہجہ میں کہا۔ ''نقولہ نے!''

حنا: ''جی ہاں!''

غالب: ''کیسے دھوکہ دیا اس نے۔''

اب حنا نے تمام واقعہ کہ کس طرح ایک بوڑھا اسے اور اس کے باپ کو کھنڈرات میں ملا اور ان کے پاس رہنے لگا اور کس طرح وہ اسے تنہا اپنے ساتھ لے گیا اور کیسے یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ نقولہ ہے اور کیسے وہ اسے وہاں سے یہاں تک کھینچ لایا۔ سب سنا دیا۔ غالب سنتا جاتا تھا اور اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوتا جاتا۔ جب وہ سب کچھ سنا چکی تو غالب نے طیش میں آ کر کہا۔ ''بدمعاش!'' وہ چونک کر حنا کو غور سے دیکھنے لگا۔ حنا بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے دریافت کیا۔ ''لیکن کیا؟''

غالب:'' یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ نقولہ تمہارے پاس رہا اور تم نے اسے نہ پہچانا۔''

حنا کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا۔'' گویا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔''

غالب:'' یہ تو نہیں کہا میں نے۔''

حنا:'' اور آپ کا منشا کیا تھا اس کہنے سے۔''

غالب:'' میرا مطلب یہ تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس شخص کو کئی مرتبہ دیکھا ہو اور اسے نہ پہچانا جائے۔''

حنا:'' اور اسی لئے تو میں کہہ رہی ہوں کہ آپ مجھ کو جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔''

غالب:'' اب تم تو خفا ہو گئیں۔''

حنا:'' نہیں! مجھے تو خوش ہونا چاہئے کہ میں جھوٹی سمجھی جا رہی ہوں۔ اور نہ صرف جھوٹی بلکہ مکار، دغا باز اور فریبی بھی!''

حنا کو غصہ آ گیا تھا اور اس لئے اس کا چہرہ تیز گلابی ہو گیا تھا۔ جس سے اس کی صورت اور بھی دلکش ہو گئی تھی اور غالب اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ غالب نے کہا۔'' مشکل تو یہ ہے کہ تم سیدھی طرح سے بات ہی نہیں کرتی ہو۔''

حنا:'' گویا مجھ کو باتیں کرنا ہی نہیں آتیں۔ اچھا آپ پھر مجھ سے باتیں کرتے ہی کیوں ہیں۔''

غالب'' اب کیا کہہ دوں۔''

حنا:'' اب جس قدر دل چاہے برا کہہ لیجئے۔''

غالب:'' گویا میں برا کہہ رہا ہوں۔''

حنا:'' نہیں تعریف کر رہے ہیں آپ تو کسی کو جھوٹا کہنا، مکار سمجھنا، دغا باز بتانا اور اس کی تعریف کرنا ہی تو ہے۔''

غالب:'' حنا خدا جانے تم کو غصہ کیوں آ جاتا ہے۔''

حنا:'' بس اب ہم سے......''

غالب:'' کہہ دو ہی کہ بات نہ کرے کوئی۔''

حنا:'' جی ہاں!''

اس نے غالب کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فلورا کو دیکھنے لگی۔ فلورا نے آہستہ سے کہا۔'' یہ کیا غضب کر رہی ہو حنا! اگر تم نے غالب کو ناخوش کر دیا تو؟'' حنا نے قطع کلام کرتے ہوئے

کہا۔'' تو یہ مجھے گرفتار کر لیں گے اور کنیز بنالیں گے۔'' غالب نے جلدی سے کہا'' نہیں ! نہیں ! ایسا نہیں ہو سکتا۔'' خفا نہ ہو حنا ! مجھے یقین آ گیا ہے۔ حنا نے غالب کی طرف دیکھ کر حوروں جیسی شان سے مسکراتے ہوئے کہا۔'' جب تو مجھے آپ کا مشکور ہونا چاہئے۔''

غالب :'' تم شوخ اور شریر بھی ہو۔''

حنا:'' کیا شرارت کی ہے میں نے۔''

غالب :'' دیکھو یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے حنا۔''

حنا:'' مگر ایسی باتیں تو آپ نے ہی شروع کی ہیں۔''

غالب :'' اچھا مجھ سے ہی غلطی ہوئی۔''

حنا نے افسردہ خاطر ہو کر کہا۔'' نہیں غلطی مجھ سے ہوئی ؟ غالب نے اس حور جمال کو دیکھتے ہوئے کہا'' کیا غلطی ہوئی ہے تم سے !!''

حنا:'' میں نے آپ پر بھروسہ کیا۔''

غالب :'' اوہ ! حنا اپنے دل کو تھوڑا نہ کرو۔ میں نادم ہوں۔ تم تو بڑی نیک ہو۔''

حنا نے غالب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا'' اچھا...... اب میں نیک ہو گئی ہوں۔''

غالب :'' نہیں تم پہلے ہی سے نیک ہو۔''

حنا:'' جھوٹی اور دغا باز تو نہیں۔''

غالب :'' بالکل نہیں۔''

حنا نے مسکرا کر کہا۔'' خدا کا شکر ہے تم کو اس بات کا یقین تو آ گیا۔''

غالب :'' حنا کیا ایک بات تم کو معلوم ہے۔''

حنا:'' کیا ؟''

غالب :'' اگر خفا نہ ہو تو دریافت کروں۔''

حنا:'' خفا کیوں ہونے لگی میں۔''

غالب :'' نقولہ ہے یا بھاگ گیا۔''

حنا:'' میرے خیال میں ابھی ہے۔''

غالب :'' کہاں ہے ؟''

حنا'' شاید پادریوں کی جماعت میں ہے۔''

غالب :'' اب میں اس بدکار کو اس کی بدمعاشی کی سزا دوں گا۔''

حنا:'' مگر وہ پادری ہے۔''

غلب: ''ہاں! پادریوں کے لباس میں شیطان ہے۔''
حنا: ''یہ ٹھیک کہا ہے آپ نے۔''
اب غالب نے ہاشم سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔'' تم ان دونوں لڑکیوں کو ملکہ عالیہ کے حضور میں لے جاؤ!!......''
حنا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔'' کیا الزہرہ لشکر کے ساتھ نہیں ہے۔''
غالب: ''ہے۔''
حنا: ''میں ان کے پاس ہی جانا چاہتی ہوں۔''
غالب: ''وہ بھی ملکہ ہی کے پاس ہے۔''
حنا: ''بہتر ہے۔''
اب ہاشم حنا اور فلورا کو لے کر اسلامی کیمپ کی طرف چل پڑا اور غالب پادریوں کے گروہ کی طرف روانہ ہوا۔

☆☆☆☆

پچپنواں باب

مسلمانوں کا خلق عظیم اور اس کا اثر

عیسائی بے اوسان بھاگے پھر رہے تھے۔ مسلمان انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔ سارا میدان عیسائیوں کی لاشوں سے پٹ گیا تھا۔ قدم قدم پر مردے پڑے ہوئے تھے۔ مرنیوالوں کی صورتیں بھیانک ہوگئی تھیں اور زخمی پڑے سسک رہے تھے۔ جو عیسائی مر گئے تھے وہ غم اور فکر سے آزاد ہو گئے تھے جو زندہ تھے وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے درختوں کے پیچھے، ٹیلوں کی آڑ میں اور گڑھوں میں جا چھپے تھے۔ مسلمان تھے کہ ان کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور عیسائی جہاں بھی مل جاتا تھا اسی جگہ قتل کر دیا جاتا تھا البتہ پادری ابھی تک محفوظ تھے۔ انہیں کسی مسلمان نے ہاتھ تک نہ لگایا تھا مگر وہ بھی سہم رہے تھے۔ اور ڈر کر کبھی مشرق سے مغرب کی طرف اور کبھی شمال سے جنوب کی طرف دوڑے پھر رہے تھے۔ انہیں جب کبھی مسلمانوں کا کوئی گروہ نظر آ جاتا تھا وہ بے تحاشہ بھاگ پڑتے تھے اور عیسائیوں کی لاشوں سے ٹھوکریں کھاتے ہوئے دور تک بھاگے چلے جاتے تھے غالب تنہا پادریوں کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ پادری اس سے فاصلے پر تھے اور چونکہ وہ بھاگتے بھاگتے تھک گئے تھے اس لئے ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے ستا رہے تھے۔ غالب ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسے چند ایک سوار مل گئے۔
وہ انہیں ہمراہ لے کر پادریوں کی طرف بڑھا۔ پادریوں نے جب انہیں اپنی طرف آتے

ہوئے دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور اٹھ کر پھر بھاگنے لگے۔ غالب اور ہمراہیوں نے ان کی طرف گھوڑا دوڑا دیئے۔ جب پادریوں نے انہیں اپنے تعاقب میں آتے ہوئے دیکھا تو وہ خوف اور دہشت سے تھرا گئے اور اب ان سے بھاگنا مشکل ہو گیا۔

چنانچہ وہ تھوڑی دور تک بھاگ سکے تھے کہ غالب نے ان کو جا پکڑا اور ان کے ساتھیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ انہیں ہر مسلمان موت کا فرشتہ نظر آنے لگا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے وہ بے اختیار گریہ زاری کرنے لگے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہم بے گناہ ہیں۔ ہم نے کسی مسلمان کو بھی قتل نہیں کیا ہے۔"

غالب نے ذرا درشت لہجہ میں کہا۔ "وحشی درندو! اس جنگ کے تم ہی بانی ہو۔ تم نے عیسائیوں میں نفرت کے جذبات پیدا کئے ہیں۔ تمہاری ہی تقریروں سے متاثر ہو کر عیسائیوں نے بربریت کر کے بے گناہ۔" مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کیا۔"

"ہم سے غلطی ہو گئی۔" یہ کہتے ہوئے سب رونے لگے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے لڑھک کر رخساروں اور داڑھیوں پر بہنے لگے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس جماعت کے ساتھ پیٹر دی ہرمٹ بھی تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے پہلی صلیبی جنگ کی بنیاد ڈالی اور تین لاکھ عیسائیوں کو یورپ سے ایشیا میں دھکیل لایا تھا مگر اب جبکہ اس کی جان خطرہ میں نظر آئی اور پادریوں کے ساتھ وہ بھی جھوٹ بولنے ۔ گڑگڑانے اور رونے لگا۔ مسلمانوں کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اس لڑائی کا بانی کون ہے۔ کس نے دنیا کے امن و امان میں فساد کی چنگاری ڈالی ہے۔ کس کی تقریروں نے بغض و عناد اور نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کئے ۔ وہ پادریوں کو بے ضرر انسان اور مقدس مذہبی لوگ سمجھتے تھے۔

غالب کو صرف نقولہ کی تلاش تھی اور اس نے اسے اپنے قابو میں کرنے کے لئے اس جماعت کے گرد گھیرا ڈالا تھا۔ غالب نے پادریوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اچھا! یہ بتاؤ کہ نقولہ جو بیت المقدس کا رہنے والا ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

پیٹر نے جلدی سے ایک پادری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "نقولا وہ ہے۔ حنا کو وہی لایا ہے۔" غالب نے ایک سوار کو اشارہ کیا اور وہ اسے پکڑ لایا۔ نقولہ دیکھ اور سن رہا تھا کہ پیٹر نے غالب کو اس کا پتہ بتا کر یہ بھی کہہ دیا کہ حنا کو وہی لایا ہے اسے بڑا ناگوار گزرا۔

نقولہ نے لمبی داڑھی لگائی تھی اور اس لئے اس کا پہچاننا آسان نہ تھا۔ اگر پیٹر نہ بتاتا تو اس کی شناخت نہ ہو سکتی تھی۔ جب نقولہ غالب کے سامنے لایا گیا تو غالب گھوڑے سے نیچے اترا

اور اس نے بڑھ کر اس کی داڑھی نوچ لی۔ نقولہ سمجھ گیا کہ اب غالب اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے کہا۔'' معزز سردار! حنا کو میں خود نہیں لایا۔'' غالب کو یہ سنکر تکلیف ہوئی۔ اسے خیال ہوا کہ شاید حنا اس کے ساتھ خود اور اپنی خوشی سے آئی ہے۔ اس نے دریافت کیا'' اور کون لایا ہے۔''

نقولہ:'' لایا تو میں ہی ہوں مگر پیٹر کے کہنے سے۔''

پیٹر نے جلدی سے کہا۔'' یہ جھوٹ بول رہا ہے حضور! اسے حنا سے محبت ہے اور یہ اسے زبردستی لایا ہے۔''

نقولہ:'' لیکن سرکار! واقعہ یہ ہے کہ یہی مجھے بیت المقدس میں کہہ آئے تھے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو حنا کو ان کے پاس پہنچا دوں۔ یہ کہتے تھے کہ ایسی نازنین اور مہ جبیں لڑکی سارے یورپ میں بھی نہیں ہے۔ جب یہ چرچ یعنی گرجا میں داخل ہو جائے گی تو گرجا کا وقار بڑھ جائے گا۔''

پیٹر:'' یہ جھوٹا ہے حضور!''

نقولہ:'' شرم کرو تم پادری ہو کر جھوٹ بول رہے ہو۔ کیا اس جنگ کے تم بانی نہیں ہو؟''

پیٹر دی ہرمٹ خوف سے زرد پڑ گیا اور اس نے کہا۔'' میں؟ میں تو ایک معمولی پادری ہوں مجھ پر ایسا الزام نہ لگاؤ نقولہ!!''

نقولہ:'' کیا تم نے جھوٹی تقاریر کر کے لوگوں کو برانگیختہ نہیں کیا تھا؟ کیا منسیا کے مسلمان تمہارے سامنے اور تمہارے ایماء پر قتل نہیں کیے گئے۔''

پیٹر پر خوف اور غم کا غلبہ ہوا۔ اس کی آنکھیں حلقوں میں دھنس گئیں۔ مگر اس نے جرات سے کہا۔'' میں نے وحشی عیسائیوں کو بہت سمجھایا کہ وہ ظلم و ستم نہ کریں لیکن وہ نہ مانے آخر انہوں نے سزا پائی۔''

نقولہ:'' تم کسی پر الزام نہ لگاؤ۔ مناسب یہ ہے کہ تم اپنے قصور کا اعتراف کر کے معافی مانگ لو۔ یہ شریف سردار تم کو معاف کر دیں گے۔''

غالب ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ پیٹر کو معمولی پادری سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ غیر ممکن تھا کہ وہ یورپ میں تقریریں کر کے اتنا بڑا لشکر ایشیائے کوچک میں چڑھا لاتا۔

وہ یہ سمجھا کہ کہ نقولہ پیٹر پر اس لئے الزام لگا رہا ہے کہ اس نے اسے بتا دیا تھا۔ اس نے نقولہ سے کہا۔'' نقولہ شریر تم ہو۔''

نقولہ:'' آپ کی نگاہوں میں خطاوار میں ہی ہوں مگر مسلمانوں کی بربادی میں سب سے

زیادہ حصہ اس پیٹر کا ہی ہے۔ ان پادریوں میں سے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سچ بولتے ہیں اور یہ بتا دیں گے۔''

غالب نے پادریوں کی طرف دیکھا۔ ایک بوڑھے پادری نے کہا۔'' حضور! ہم جھوٹ بولنا بہت برا سمجھتے ہیں۔ نقولہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یورپ میں آگ پیٹر ہی نے لگائی ہے۔ انہوں نے تقریریں کر کے لوگوں کو بھڑکایا اور ان کے سامنے ہی عیسائیوں نے منسیا کے مسلمانوں پر انتہائی وحشیانہ مظالم کیے۔

غالب نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔'' اگر یہ چاہتے تو کیا عیسائی مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ کرتے۔''

بوڑھا پادری:'' ہرگز نہ کرتے۔''

پیٹر:'' حضور! یہ بالکل غلط ہے۔ میں ایک معمولی پادری ہوں......''

بوڑھے پادری کو غصہ آ گیا۔ اس نے طیش میں آ کر کہا۔'' کیوں جھوٹ بول کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ کیا تم نے ہمارے سامنے اہل لشکر کو لڑائی پر برانگیختہ نہیں کیا۔ کیا تم اس تمام لشکر کو اپنی قیادت میں لے کر نہیں آئے کیا تمام عیسائی تم کو ولی اللہ نہیں مانتے تھے اور کیا سارا لشکر تمہارے احکام کی تعمیل نہ کرتا تھا۔''

پیٹر:'' مگر تمہارے سامنے میں نے کس قدر عیسائیوں سے کہا'' کہ وہ مسلمانوں کو قتل نہ کریں لیکن وہ نہ مانے۔''

بوڑھا پادری:'' تم غلط کہہ رہے ہو۔ تم نے بالکل بھی منع نہیں کیا اگر تم انہیں روکتے تو وہ شرمناک مظالم نہ کرتے بلکہ تم نے انہیں اور شہہ دی۔''

پیٹر لرز گیا۔ اس نے افسوسناک لہجہ میں کہا۔'' آہ! جب برا وقت آتا ہے تو دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ تم بھی میرے دشمن ہو گئے ہو اور چاہتے کہ جس کام کو تم سب نے کیا ہے اسے میرے سر پر تھوپو۔''

بوڑھا پادری:'' ہم کو اعتراف ہے کہ ہم نے تمہارے کہنے میں آ کر اہل یورپ کو ورغلایا۔ بہکایا اور ان کی حمایت سے فائدہ اٹھا کر انہیں یہاں لائے۔ ہم تمہاری طرح جھوٹ بول کر اپنے اوپر سے الزام دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔''

پیٹر نے غالب کی طرف دیکھ کر جلدی سے کہا۔'' دیکھئے! دیکھئے سرکار! یہ اپنے قصور کا اعتراف کر رہا ہے۔'' غالب کو پیٹر پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے غضبناک ہو کر کہا۔'' اور تم شریر و شیطان جھوٹ بول کر بچنے کی سعی کر رہے ہو۔ اگر تم بھی سچ سچ کہہ دیتے تو میں تم کو آزاد کر

دیتا لیکن اب ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ (بوڑھے پادری سے) تم سچے اور نیک دل معلوم ہوتے ہو لہٰذا میں تم کو رہا کرتا ہوں۔'' بوڑھے پادری کی آنکھیں خوشی اور شکر گزاری سے چمکنے لگیں۔ اس نے کہا۔'' میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرے دل پر اس وقت تمہاری مہربانی کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم مسلمان ساری دنیا کے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہو۔ تمہیں منسیا کے مسلمانوں کے پامال ہونے کا رنج ہے۔ قدرتی طور پر تمہیں تمام عیسائیوں سے نفرت ہونی چاہئے اور تمہارے دل میں انہیں قتل کر ڈالنے کا جذبہ بھی، لیکن تم نے سیر چشمی اور نیک دلی سے مجھے معاف کر دیا ہے۔ میرا دل بھی مجھے اس بات پر ملامت کر رہا ہے کہ میں اس مذہب کا ایک فرد ہوں۔ جس نے بے گناہ عورتوں اور معصوم بچوں کو قتل کیا ہے۔ میں ایسے مذہب سے دستبردار ہوتا ہوں اور اسلام قبول کرتا ہوں'' غالب اور تمام مسلمانوں کو غصہ آ رہا تھا یا وہ پادری کی تقریر سن کر خوش ہو گئے۔

غالب نے کہا۔'' معزز پادری! مسلمان ہونے سے تم ہمارے بھائی ہو۔ جاؤ! اب کوئی مسلمان تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اسے مسلمان کر لیا۔ اب نقولہ نے کہا'' میں بھی اپنے قصور کا اعتراف کر کے مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے مسلمان کر کے جو سزا چاہیں دے دیں مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔''

غالب:'' مسلمان ہونے کے بعد کوئی سزا نہیں دی جا سکتی لیکن تم کو ایک اقرار کرنا پڑے گا۔''

نقولہ:'' کیا؟''

غالب:'' تم حنا کو نہ ستاؤ گے نہ کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی کرو گے اور تم آنکھوں سے جو اثر لوگوں پر ڈالتے ہو وہ نہ ڈالو گے؟''

نقولہ:'' میں ان تمام باتوں کا اقرار کرتا ہوں سنئے مجھے حنا سے محبت ہے لیکن پہلے یہ محبت ابوالہوسانہ تھی اور اب پاکبازانہ ہو گی! کیا مجھے ایسی محبت کرنے کا حق ہو گا؟''

غالب'' کچھ حرج نہیں ہے اس میں۔''

اب غالب نے نقولہ کو بھی مسلمان کر لیا۔ اس کے مسلمان ہونے پر پیٹر نے کہا۔'' خلیق اور شریف انسان! میرا ضمیر بھی مجھے ملامت کرنے لگا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اس خونریز اور ہولناک جنگ کا بانی میں ہی ہوں۔ میں نے ہی یورپ کو ہموار کیا۔ میں نے ہی یورپ میں جنگ کی آگ بھڑکائی ہے۔ میں ہی اس عظیم الشان لشکر کو اپنے ساتھ لایا لیکن میں سمجھ گیا ہوں

کہ خدا آپ کے ساتھ ہے لہٰذا مجھے بھی مسلمان کر لیجئے۔''

غالب نے اسے بھی مسلمان کر لیا اور اس کے بعد تمام پادری بھی مسلمان ہو گئے۔ مچاڈ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ افسوس ہے کہ عیسائی مذہبی رہنماؤں نے دین محمدیؐ قبول کر کے اپنی جانیں بچائیں۔ جس وقت یہ لوگ مسلمان ہو چکے اس وقت قزل ارسلان معہ ایک ہزار سواروں کے اس جگہ آ گیا۔ اس نے غالب سے دریافت کیا۔'' کیا معاملہ ہے تم ان پادریوں کو کیوں گھیرے کھڑے ہو؟''

غالب نے نقولہ اور پیٹر کے تمام واقعات اور اب ان کا مسلمان ہونا وغیرہ وغیرہ سب بیان کر دیا۔ سلطان نہایت خوش ہوا۔ اس نے کہا۔'' دیکھو! تمام عیسائی قتل کر ڈالے گئے لیکن معلوم ہوا ہے کہ تین ہزار وحشی عیسائیوں نے قریب کے قلعہ میں پناہ لے لی ہے۔ تم یہ لشکر جو ہمارے ساتھ ہے لیجاؤ اور ان سب کو قتل کر کے جلدی واپس آؤ!''

غالب:'' بہتر ہے۔''

وہ ایک ہزار سواروں کو لے کر روانہ ہو گیا اور سلطان پادریوں کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے کیمپ کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆☆
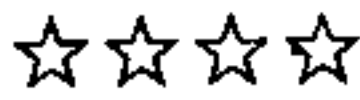
چھپنواں باب

عیسائیوں کا خاتمہ

تین ہزار عیسائی انطاکیہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے کچھ مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا اگرچہ تعاقب کرنے والے مسلمان سو سوا سو ہی تھے لیکن مسیحی ایسے ڈر گئے تھے اور ان پر ایسا رعب طاری ہو گیا تھا کہ وہ ہر چیز کو جو اُن کے سامنے آ جاتی مسلمان ہی سمجھتے تھے اور اس سے ڈر کر کانپ جاتے تھے۔

مسلمانوں کے حوصلے اس لئے بڑھے ہوئے تھے کہ انہوں نے بہت کم ہوتے ہوئے عیسائیوں کے کثیر التعداد لشکر کو شکست فاش دی تھی وہ ان تین ہزار عیسائیوں کو دباتے ہوئے قتل کرتے ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے تھے۔

منسیا سے کچھ فاصلے پر ایک قلعہ تھا یہ قلعہ رومی سلطنت کی حدود میں داخل تھا نہ اس میں عمارتیں تھیں اور نہ وہ آباد تھا۔ صرف چاروں طرف فصیل تھی اور ایک پھاٹک تھا عیسائی اس قلعہ میں گھس گئے اور جلدی سے دروازہ بند کر کے محصور ہو گئے۔

اگر عیسائی اس بات کو دیکھ لیتے کہ ان کا تعاقب کرنے والے صرف سو سوا سو مسلمان ہی

ہیں تو وہ یقیناً اُن سے نبرد آزما ہوتے اور یہ ممکن تھا کہ انہیں یعنی مسلمانوں کو قتل کر کے قسطنطنیہ بھاگ جاتے لیکن ان پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا تھا کہ اُنہیں مسلمانوں کی تعداد کچھ کی کچھ نظر آ رہی تھی اس کے علاوہ انہیں ہر مسلمان شجاعت کا شیر معلوم ہوتا تھا وہ ان کے سامنے جانا موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے اس لئے اُنہیں ان تھوڑے سے مسلمانوں کے مقابلہ کی بھی جرات نہ ہوئی ان شیر دل مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور دوسو سواروں کو قزل ارسلان کے حضور میں دوڑا دیا۔

دونوں قاصد سلطان کے پاس پہنچے اور اُسے صورت حالات سے آگاہ کیا سلطان نے اپنے سپہ سالار غالب کو ایک ہزار سوار دے کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا غالب اس جمعیت کو لے کر قلعہ کے قریب گیا اس نے چاروں طرف لشکر پھیلا دیا اور چند سواروں کو ساتھ لے کر قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا یہ قلعہ نہایت ہی مختصر تھا لیکن اس کی فصیل نہایت مضبوط اور بلند تھی نیز پھاٹک بھی ایسا مضبوط اور مستحکم تھا کہ اُسے توڑ ڈالنا آسان نہ تھا غالب نے اس کے گرد گھوم کر یہ دیکھ لیا تھا کہ کسی طرف سے بھی اس پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔

عیسائی فصیل پر کھڑے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے وہ ہنس رہے تھے اور اس بات سے خوش ہو رہے تھے کہ مسلمانوں کی رسائی قلعہ کے اندر کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ غالب چند ایک سواروں کو ہمراہ لے کر فصیل کے قریب آیا اُس نے بلند آواز سے کہا عیسائیو! اگر تم قلعہ سے باہر نکل آؤ اور ہتھیار ہمارے حوالے کر دو تو میں اقرار کرتا ہوں کہ تم سب کو انطا کیہ یا جہاں تم جانا چاہو گے چلے جانے کے لئے اجازت دے دوں گا۔

عیسائی اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے اور ایک شخص نے چلا کر کہا ہم ایسے احمق نہیں ہیں کہ تمہاری باتوں میں آ جائیں تم فصیل سے اپنا سر پھوڑے جاؤ ہم اطمینان سے اندر بیٹھے تم کو مرتے دیکھ لیں گے۔

غالب پیچھے لوٹ گیا اس نے اپنے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا دلیر و دشمن تمہاری قوت و طاقت کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں ہم تیار ہیں ہمیں حملہ کرنے کی اجازت دیجئے۔

غالب ''بجز حملہ کرنے کے چارہ کار نظر نہیں آتا عیسائی سمجھتے ہیں کہ قلعہ مضبوط ہے ہم اُسے فتح نہ کر سکیں گے بہادرو ڈھالوں کا قلعہ بناؤ اور جوش و خروش سے بڑھ کر قلعہ پر قبضہ کر لو۔

یہ کہتے ہوئے اُس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تمام مسلمانوں نے اس مبارک نعرہ کی تکرار کی اور ڈھالوں کی آڑ لے کر بڑھنا شروع کر دیا عیسائیوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھا وہ بھی

کمانیں ہاتھوں میں لے لے کر تیار ہوگئے اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ جب مسلمان زد پر آجائیں تو وہ تیروں کی بارش شروع کر دیں۔

مسلمان اس بات کو پہلے ہی سے سمجھ گئے تھے مگر وہ قلعہ فتح کرنا چاہتے تھے اور اس لئے انہوں نے اس کی مطلق بھی پرواہ نہ کی اور برابر بڑھتے رہے آخر جب فصیل کے قریب پہنچ گئے تب عیسائیوں نے ان پر تیروں کی باڑھ ماری تیر فضا کو چیرتے ہوئے مسلمانوں پر آکر گرے کچھ تو ڈھالوں پر رُک گئے کچھ گھوڑوں یا سواروں کے لگے اور اُن کو مجروح کر گئے۔

جس طرح سے شیر زخم کھا کر جوش اور غصہ میں بھر جاتا ہے اسی طرح سے مسلمان بھی غضبناک ہوگئے اور اُنہوں نے گھوڑوں کی رفتار اور تیز کر دی عیسائیوں نے جلدی جلدی اور تیر برسانے شروع کر دیئے اور ان تیروں سے مسلمان مجروح بھی ہونے لگے لیکن ان میں خوف وہراس کا نام تک بھی نہ تھا اور نہ ہی اُن کے قدم رُکے غالب دروازہ کی طرف بڑھ رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ دروازے پر پہنچ کر اُسے توڑ ڈالے اور قلعہ میں گھس جائے مگر عیسائیوں نے اس کثرت سے تیروں کی بارش کی کہ مسلمانوں کا یلغار رُک گیا اب غالب نے کچھ سواروں کو ذرا پیچھے ہٹا کر انہیں بھی تیر پھینکنے کا حکم دیا مسلمانوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔

اگرچہ ان کے تیر قلعہ کی اُونچی فصیل سے ٹکرا کر نیچے گر پڑتے تھے لیکن عیسائی ان تیروں سے بچنے کے لئے ذرا پیچھے ہٹ گئے اور اُن کے تیر اس قدر مہلک اور ضرر رساں نہ رہے جس قدر پہلے تھے۔

اب غالب نے سو بہادروں کو لے کر بڑھنا شروع کیا اور تیروں کو اپنی ڈھالوں پر روکتے ہوئے دروازہ تک جا پہنچے۔

دروازہ پر جو کواڑ تھے وہ نہایت اونچے اور بہت موٹے تختوں کے تھے ان تختوں پر لوہے کی موٹی موٹی پتیاں لگی ہوئی تھیں اور ان میں میخیں جڑی ہوئی تھیں۔

غالب نے پھاٹک کو دیکھ کر یہ اندازہ کرلیا کہ اس کا توڑ ڈالنا نہایت ہی دشوار ہے۔

چنانچہ اُس نے ڈھال اپنی کمر پر لٹکائی تلوار منہ میں لے کر دانتوں میں دبالی اور میخوں پر پاؤں رکھ کر چڑھنا شروع کر دیا بہت سے مسلمانوں نے بھی اس کی تقلید کی اور اب یہ لوگ اُوپر چڑھنے لگے عیسائیوں نے اس بات کو سمجھ لیا انہوں نے خشک گھاس اور لکڑیاں دروازے کے اندر جمع کر کے ان میں آگ لگادی ہوا قدرے تیز چل رہی تھی فوراً آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور لکڑیوں سے گزر کر کواڑوں کو جلانے لگے۔

دھواں بل کھا کھا کر اُٹھنے اور ہر طرف پھیلنے لگا جو مسلمان کواڑوں پر چڑھ رہے تھے دھواں

بھرنے سے اُن کی آنکھیں بند ہونے لگیں ادھر کواڑوں میں آگ لگ گئی اور اب اُن کا نیچے اترنا سخت مشکل ہو گیا چونکہ پتیوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا اس لئے کواڑوں کا نیچے کا حصہ جل جانے پر بھی کواڑ نہ گرے بلکہ برابر کھڑے جلتے رہے اور دھوئیں کے غٹ کے غٹ بلند ہوتے رہے غالب اور وہ مسلمان جو اوپر چڑھے ہوئے تھے اور ابھی درمیان میں ہی تھے عجب کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔

چونکہ دھوئیں نے ان کی آنکھیں بند کر دی تھیں اس لئے انہیں کچھ نظر نہ آتا تھا اور وہ نہ اوپر چڑھ سکتے تھے اور نیچے سے آگ کے شعلے بھڑک کر ان کے قریب پہنچ گئے تھے۔

بنابریں آگ میں کودنے سے جل جانے کا اندیشہ تھا اب نہ وہ اوپر چڑھ سکتے تھے اور نہ نیچے اُتر سکتے تھے غالب نے اپنے ساتھیوں سے کہا مسلمانو! دشمن نے آگ لگا دی ہے اور وہ ہمیں جلا دینا چاہتا ہے دھوئیں نے ہماری آنکھیں بند کر دی ہیں اور شعلے پاؤں تک پہنچ گئے ہیں اگر ہماری قسمت میں جل کر مرنا ہی لکھا ہے تو ہم بچ نہیں سکتے

اب اُوپر چڑھنا تو بے سود ہے اپنی عبائیں اُتار اُتار کر پھینک دو اور نیچے کود پڑو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھاٹک گر پڑے فوراً ہی غالب اور اُس کے ساتھیوں نے نہایت ہوشیاری سے عبائیں اُتار اُتار کر بڑے زور سے پھینکیں کچھ عباؤں کو تو آگ کے شعلوں نے لپک لیا اور وہ جل کر راکھ ہو گئیں اور کچھ آگ سے دور جا پڑیں۔

اب ان لوگوں نے جوں توں کر کے آنکھیں کھولیں اور جست لگا لگا کر کود پڑے جن لوگوں نے لمبی جستیں لگائیں وہ آگ سے دور جا پڑے اور جو لمبی جست نہ لگا سکے وہ آگ میں گر گئے لیکن گرتے ہی اُٹھے اور بھاگ کر آگ کے شعلوں سے باہر نکل آئے۔

اگرچہ وہ بچ گئے مگر ان کے جسم جھلسے گئے غالب بالکل بچ گیا اب یہ لوگ آگ سے فاصلے پر کھڑے کر دروازہ کے جلنے کا تماشہ دیکھنے لگے چونکہ ہوا تیز تھی اس لئے شعلے خوب بھڑک اُٹھے تھے اور کواڑوں کے تختے جل رہے تھے۔

آگ تمام دروازوں پر پھیل گئی تھی اور مصالحہ اینٹیں اور پتھر چٹخنے لگے تھے غالب جلدی سے مسلمانوں کو آگ سے دور پیچھے ہٹا لے گیا اور الگ کھڑا ہو کر دروازہ گرنے کا انتظار کرنے لگا۔

آگ پھیلتی جاتی تھی شعلے بھڑکنے لگے تھے اور دھوئیں کے بادل تمام قلعہ پر چھا گئے تھے دفعتاً زور کا دھماکہ ہوا اور دروازہ جل کر گرا اس کے گرتے ہی دروازہ کی چھت اور قریب کی فصیل بھی گر گئی۔

غبار اُٹھ کر ہر طرف پھیل گیا مسلمان سمجھ گئے کہ دروازہ گر پڑا ہے اور اب آگ کے شعلے

دھیمے پڑ جائیں گے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شعلے پہلے سے بھی زیادہ بھڑک اُٹھے اور اب آگ اِدھر اُدھر فصیل کی طرف دوڑ گئی اور فصیل کو اس طرح سے جلانے لگی جیسے کہ وہ لکڑی کی بنی ہوئی ہو جب کہ مسلمان یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے اس وقت عیسائی گھبرا رہے تھے وہ آگ کو پھیلتے اور بڑھتے ہوئے دیکھ دیکھ کر سہمے جا رہے تھے۔

جس آگ کو اُنہوں نے مسلمانوں کے جلانے کے لئے لگایا تھا اور وہ خود انہیں ہی جلانے کے لئے بڑھنے لگی تھی کچھ ہی دیر میں ادھر اُدھر کا فصیل کا بڑا حصہ جل کر گرا ان حصوں میں عیسائی کھڑے تھے۔

وہ ملبہ کے ساتھ ہی چیخیں مار مار کر گرے اور خس وشاک کی طرح جل کر راکھ ہو گئے جُوں جُوں فصیل جل کر گرتی جاتی تھی آگ کے شعلے بڑھتے جاتے تھے عیسائیوں کا دم خشک ہوتا جاتا تھا۔

اب آگ اس سرعت سے بڑھنے لگی تھی کہ عیسائیوں کو فصیل سے نیچے اُترنا دشوار ہو گیا تھا شعلوں کی لپیٹ نے ہوا گرم کر دی تھی عیسائیوں کو گرمی محسوس ہونے لگی تھی اور اس گرمی سے ان کو پیاس لگ گئی تھی لیکن وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا اور پانی کو کمیاب ونایاب دیکھ کر تشنگی اور بڑھ گئی تھی۔

ادھر فصیل کے جلنے سے پتھر چیخ چیخ کر بم کے گولوں کی طرح پھٹنے اور تباہی پھیلانے لگے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قصہ مختصر تھا اور آگ قریباً چاروں طرف لگ گئی تھی پتھر چاروں طرف سے چیخ چیخ کر گولوں کی طرح سے آ آ کر عیسائیوں کو مجروح کر رہے تھے۔

اس وقت وہ سخت پریشانی اور مصیبت میں تھے بھاگنے کا کوئی بھی راستہ کسی طرف بھی باقی نہ تھا ہر چہار طرف آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور ان شعلوں سے باہر مسلمان تلواریں سونتے کھڑے تھے اس لئے کہ اگر کوئی سخت جان عیسائی بچ کر باہر نکل آئے تو وہ اس کا خاتمہ کر ڈالیں۔

پتھروں کے ٹکڑے اندر اور باہر ہر طرف دور دور تک مار کر رہے تھے وہ ہولناک گرج کے ساتھ چلتے تھے اور جو چیز بھی ان کے سامنے آ جاتی اُسے توڑ ڈالتے تھے۔

مسلمان باہر تھے بہت کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے اس لئے انہیں ان سے کوئی نقصان نہ پہنچ رہا تھا لیکن عیسائی قلعہ کے اندر اور قریب تھے اس لئے ان پر ان کا کما حقہ اثر پڑ رہا تھا۔

جب کوئی پتھر چیخ کر آتا کسی نہ کسی کے سر وسینہ میں لگتا اور اس کی ہڈیاں توڑ ڈالتا تھا ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ قدرت بھی عیسائیوں کے خلاف ہوگئی تھی اور وہ قدرت والا جسے خدا کہتے ہیں ان وحشیوں سے مظلوم مسلمانوں کا انتقام لے رہا ہے۔

ان سفاک بے رحموں نے مسلم بڈھوں عورتوں اور بچوں کو نہایت ہی سنگدلی سے آگ میں جلا ڈالا تھا آج قدرت انہیں آگ میں جلا رہی ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے کہ جیسا جس کے ساتھ کرتا ہے اس کے ساتھ بھی ویسا ہی پیش آتا ہے لہذا خدا اپنے کلام پاک (قرآن شریف) میں ارشاد فرماتا ہے۔(ترجمہ) یعنے جو لوگ فساد کرتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے واسطے بُرا گھر (جہنم) ہے۔

عیسائیوں نے بلاوجہ فساد کی ابتداء کی صلیبی جنگ کے نام سے لوگوں کو ورغلایا اور امن وامان کو تباہ اور برباد کرڈالا آخرت کا تو حال معلوم نہیں کہ انہیں کیا سزادی جائے۔

لیکن دنیا ہی میں انہیں آگ کی سزادی گئی اور تمام ایک ایک کر کے جل گئے رات تک قلعہ بھی جلتا اور شعلے بھڑکتے رہے جب وہ سب جل چکا تب آگ دھیمی پڑگئی۔

مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ قلعہ کے اندر رہنے والے عیسائیوں میں سے ایک بھی زندہ باقی نہ رہا ہوگا چنانچہ مغرب کی نماز پڑھ کر وہ بھی اپنے لشکر کی طرف واپس لوٹ پڑے۔

☆☆☆☆
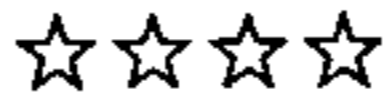
ستاونواں باب

خوشگوار انجام

جس وقت غالب لشکر میں واپس پہنچا تو رات زیادہ آ چکی تھی اُس نے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنے خیمے میں جا کر سو رہے صبح بیدار ہو کر اُس نے نماز پڑھی اور سلطان کے خیمے پر پہنچا۔

سلطان قزل ارسلان بھی قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا وہ خیمہ سے باہر فرش پر بیٹھ گیا تھوڑی ہی دیر میں سلطان تلاوت سے فارغ ہو کر باہر آیا غالب تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا جب دونوں بیٹھ گئے تب سلطان نے دریافت کیا غالباً تم رات ہی واپس آ گئے تھے۔

غالب: ''جی ہاں۔''

سلطان: ''عیسائیوں کا کیا انجام ہوا۔''

غالب: ''انہوں نے ہمارا مقابلہ کیا اور جب ہم دروازے پر پہنچ کر اس کے اوپر چڑھنے لگے تو انہوں نے دروازہ میں آگ لگا دی لیکن خدا نے ہمیں بچا لیا اور تمام قلعہ میں پھیل کر تمام عیسائیوں کو جلا دیا۔''

سلطان: ''خدا کا شکر ہے کہ وہ تمام لشکر جو ہمیں مٹا ڈالنے کے لئے آیا تھا خود ہی فنا ہو گیا۔''

غالب: ''یہ خدا نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم اس کا شکریہ ہی ادا نہیں کر سکتے۔''

سلطان: ''یہی بات ہے رات مجھے ملکہ عالیہ نے بتایا ہے کہ حنا اور فلورا دونوں مسلمان ہو گئی ہیں۔''

غالب: ''بڑی خوشی کی بات ہے۔''

سلطان: ''ملکہ کی خواہش ہے کہ تم حنا سے شادی کر لو۔''

غالب نے شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''میں اعلیٰ حضرت اور علیا حضرت ملکہ عالم کا غلام ہوں میرے لئے جو حکم ہو گا میں اس کی تعمیل کروں گا۔''

سلطان غالب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ہم تمہیں مجبور کرنا نہیں چاہتے اگر تم خوشی سے اس بات کو منظور کرو تو......''

غالب: ''لیکن ممکن ہے حضور! حنا اس بات کو منظور نہ کرے۔''

سلطان: ''ملکہ نے حنا سے منظوری حاصل کر لی ہے۔''

غالب کے چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے مگر کسی خیال کے آ جانے سے فوراً ہی یہ خوشی کافور ہو گئی۔ اس نے کہا'' مگر حضور! حنا کے والد ابھی زندہ ہیں اور شاید وہ اس بات کو

منظور نہ کریں۔''

سلطان:'' رات حنا کے والد بھی آ گئے ہیں اور وہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں اگرچہ میں نے ان سے دریافت نہیں کیا مگر مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ہاں کر لیں گے کیونکہ وہ خود تمہاری بڑی تعریف کرتے تھے۔''

غالب:'' تو مجھے بھی منظور ہے حضور!''

اس وقت الیاس آ گیا۔ اس نے سلطان کو سلام کیا اور اجازت پا کر غالب کے پاس بیٹھ گیا۔ سلطان نے کہا۔'' معزز بزرگ! میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

الیاس:'' فرمایئے!''

سلطان:'' ملکہ عالم کی یہ خواہش ہے کہ تمہاری صاحبزادی کی شادی غالب کے ساتھ کر دی جائے۔ تمہیں اس میں کوئی عذر تو نہیں ہے؟''

الیاس:'' پیرومرشد! مجھے کیا عذر ہوتا یہ تو میری عین عزت افزائی ہے بلکہ خود میری بھی یہی خواہش تھی۔''

سلطان:'' میں ملکہ کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

الیاس:'' حضور والا! مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ میں دامن عالی سے وابستہ ہو چکا ہوں۔ اعلیٰ حضرت اور ملکہ عالیہ کے احکام کی تعمیل کرنا فرض اولین سمجھتا ہوں۔'' ابھی سلطان کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر کہا۔'' عالیجاہ! منسیا کے معزز عیسائی آئے ہیں اور باریاب ہونا چاہتے ہیں۔''

سلطان:'' آنے دو۔''

خادم چلا گیا اور تھوڑی دیر میں پچاس ساٹھ عیسائی آئے اور آتے ہی سلام کے لئے جھک گئے۔ سلطان نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ بیٹھ گئے۔ سلطان نے دریافت کیا۔'' تم لوگ کیوں آئے ہو؟''

ایک مسیحی نے کہا'' جہاں پناہ! ہم معافی چاہتے ہیں اور امان مانگنے کے لئے آئے ہیں۔''

سلطان کو اس وقت جلال آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے کہا۔'' معافی چاہنے اور امان مانگنے آئے ہو کیا تم ان وحشیوں کے ساتھ نہ تھے جنہوں نے بے رحمی سے مسلمانوں کو قتل کیا؟''

وہی عیسائی:'' نہیں حضور! ہم پاک ماں خداوند اور خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم ان انسانیت سوز مظالم میں شریک نہ تھے۔ ہم پر رحم کیجئے۔ امان دیجئے۔''

یہ کہتے ہی وہ رو پڑا۔ اس کے روتے ہی تمام مسیحی رونے لگے۔ سلطان قزل ارسلان نہایت رحم دل، خدا ترس اور نرم طبیعت انسان تھا۔ وہ ان عیسائیوں کے رونے سے پسیج گیا۔ اس نے کہا۔ ''اچھا! میں تم کو امان دیتا ہوں۔ مگر اس شرط پر کہ تم تمام ہتھیار اور سارے گھوڑے جو تمہارے پاس ہیں۔ ہمارے حوالے کر دو اور حلف اٹھاؤ کہ آئندہ کبھی اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو گے۔''

وہی عیسائی: ''ہمیں منظور ہے۔''

سلطان: ''اچھا تو تم ہتھیار اور گھوڑے لے آؤ۔''

وہی عیسائی: ''بہت اچھا!''

عیسائی اُٹھ کر چلے گئے۔ اب سلطان نے شہیدوں کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان سارے میدان میں پھیل گئے اور مسلمانوں کی لاشوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اس مشہور اور خون آشام جنگ میں صرف چار ہزار مسلمان شہید ہوئے اور عیسائی اڑھائی لاکھ مارے گئے۔

شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کر دیا گیا لیکن عیسائیوں کی لاشیں اس قدر زیادہ تھیں کہ ان کا کوئی انتظام نہ کیا جا سکا اور ان کے مردے مہینوں پڑے سڑتے رہے اور ہڈیوں کے ڈھانچے تو برسوں آنے جانے والے لوگوں کو درس عبرت دیتے رہے۔

جو عورتیں یورپ سے لشکر کے ساتھ آئی تھیں وہ سب کی سب مسلمان ہو گئی تھیں۔ پادری پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ شام تک منسیا کے عیسائی ہتھیار اور گھوڑے جمع کر لائے۔ سلطان المعظم نے انہیں امان دی اور منسیا میں پانچ ہزار اسلامی لشکر چھوڑ دیا۔ دوسرے دن اسلامی لشکر فتح وظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا قونیہ کی طرف چل دیا۔

اگر چہ اس فتح یابی سے مسلمانوں کے دل خوش ہو گئے تھے مگر جب کبھی انہیں اگزرو گورو اور منسیا کے مسلمان یاد آتے تھے تو ان کے دل پر چوٹ لگتی تھی اور وہ تمام مسرت بھول جاتے تھے جب یہ لشکر قونیہ میں پہنچا تو وہاں کے مسلمانوں نے ان کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ اس فتح کی خوشی میں چراغاں کیا گیا۔ خیرات تقسیم کی گئی اور سلطان نے دربار عام کر کے غازیوں کی بڑی تعریف کی اور انہیں انعامات دیئے۔ چند روز کے بعد الزہرہ اور حنا کی شادیوں کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ سلطان نے الیاس کو ایک محل رہنے کے لئے دے دیا تھا اور اسے ملک التجار کا خطاب دے کر اس کی عزت میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

شادیاں دو چار دن کے آگے پیچھے ہونے والی تھیں پہلے الزہرہ کی اور پھر حنا کی۔ الزہرہ کی شادی کا دن آ گیا۔ غالب کا گھر عورتوں سے بھر گیا۔ حنا بھی مدعو تھی اور وہ بھی پہنچ گئی تھی۔ اس

نے دیکھا کہ رنگ برنگ کے کپڑے اور طرح طرح کے آب دار زیورات پہنے عورتیں اور لڑکیاں موجود ہیں اور ان کی تابش حسن سے سارا گھر جگمگا رہا ہے۔

حنا کو دیکھتے ہی تمام عورتوں اور لڑکیوں نے اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور اس کی ایسی مدارات اور ایسی آؤ بھگت کی کہ اس کے دل پر ان کی خوش اخلاقی اور مہر و محبت کا بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی کہ مسلمان ہو کر ساری دنیا کے مسلمانوں کی نظروں میں محبوب ہو گئی ہے۔ شام کے وقت جبکہ الزہرہ کو دلہن بنایا گیا تو وہ اس کے پاس پہنچی۔ اس نے دیکھا کہ الزہرہ حوروں سے زیادہ حسین ہو گئی ہے۔ اس کی صورت چاند سے زیادہ دلکش اور اس کے عارض پھولوں سے زیادہ شاداب اور دلفریب ہو گئے ہیں۔ الزہرہ نے حنا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''آہاہا! تم آ گئیں حنا؟'' حنا نے اس کے رخ روشن پر نظریں جما کر کہا۔ ''ہاں! میں آ گئی مگر فضول آئی؟'' الزہرہ نے مسکرا کر کہا۔ ''شاید اس لئے کہ پہلے تم کو دلہن بننا چاہئے تھا۔''

حنا: ''نہیں! بلکہ اس لئے کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت، لڑکی ہو یا لڑکا جھوٹ نہیں بولتا مگر تم نے جھوٹ بولا۔''

الزہرہ: ''میں نے 'خدا معاف کرے میں نے کیا جھوٹ بولا۔''

حنا: ''تم نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہو گی۔''

الزہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! کہا تھا اور میں تم کو اپنے ہمراہ لے جاؤں گی حنا؟''

حنا: ''مجھے؟''

الزہرہ: ''مگر تم نہ جاؤ گی میں پہلے ہی جانتی ہوں۔''

حنا: ''کیسے؟''

الزہرہ: ''تم بھائی جان کو کیسے چھوڑ دو گی۔''

الزہرہ ہنس پڑی۔ حنا شرما گئی۔ اس وقت برات کے آنے کا غل ہوا۔ بہت سی عورتیں اور لڑکیاں اس کمرہ میں آ گئیں جس میں الزہرہ اور حنا تھیں۔ اس میں ملکہ عالیہ بھی تھیں۔ عصر اور مغرب کے درمیان نکاح ہوا اور مغرب کے بعد کھانا کھا کر رخصتی ہو گئی۔

چند ہی روز کے بعد حنا کی شادی ہو گئی اور جب وہ رخصت ہو کر آئی اور اس کمرہ میں پہنچی جو اس کیلئے خاص طور پر آراستہ کیا گیا تھا تو اس نے الزہرہ کو وہاں دیکھا۔ تمام کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ حنا دلہن بنی ہوئی اعلیٰ قسم کے کپڑے اور زیورات پہنے شان استغنا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ حسین تھی بے حد حسین، اب اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی اور اس کا بشرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ الزہرہ نے اسے دیکھ کر کہا۔ ''کس قدر حسین ہو تم حنا! تمہاری تابش حسن سے ہمارا

گھر جگمگانے لگا ہے۔''

حنا نے شرمیلی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔''میں حسین ہوں۔''

الزہرہ نے جلدی سے ہنس کر کہا۔''نہیں! بھولی تم تو کالی ہو۔شب دیجور سے زیادہ سیاہ۔ مگر خدا جانے بھائی جان تمہاری تعریف کیوں کرتے ہیں؟''

حنا:''اور تمہاری بھی کوئی تعریف کرتا ہے۔''

الزہرہ:''میری؟...... دیکھو وہ بھائی جان آ رہے ہیں۔ بالکل اس طرح سے کھنچے آ رہے جیسے شمع پر پروانہ''

وہ ہنس پڑی اور جلدی سے کمرہ سے باہر چلی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد فلورا کی شادی ہاشم کے ساتھ ہوگئی اور یہ تینوں جوڑے مسرت وانبساط کی آغوش میں خوشی وخرمی سے رہنے لگے۔

یہ تھی وہ پہلی صلیبی جنگ جس میں یورپ کے بہترین لوگ بڑے جوش اور عزم صمیم کے ساتھ تین لاکھ کی عظیم الشان تعداد میں مسلمانوں کو مٹانے اور ان کی سلطنت کو زیروزبر کرنے آئے تھے اور جو وحشیانہ سفا کی کا داغ اپنے دامن پر لگا کر اگز روگورو اور منسیا میں ڈھیر ہو گئے اور سوائے ان کی ہڈیوں کے ڈھانچوں کے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

(ختم شد)

نامور مؤرخ جناب صادق حسین صدیقی کے ولولہ انگیز اسلامی تاریخی ناول

ناول	مصنف	قیمت
جنگ خندق	صادق حسین صدیقی	90-00
فتح شوستر	صادق حسین صدیقی	65-00
سراج الدولہ	صادق حسین صدیقی	150-00
سلطان بایزید یلدرم	صادق حسین صدیقی	50-00
عرب کا چاند	صادق حسین صدیقی	125-00
مغل اعظم اکبر	صادق حسین صدیقی	100-00
مشرق کی حور	صادق حسین صدیقی	80-00
عجمی شہنشاہ	صادق حسین صدیقی	75-00
عروس بغداد	صادق حسین صدیقی	75-00
فتح یرموک	صادق حسین صدیقی	75-00
انقلاب افغانستان	صادق حسین صدیقی	125-00
دوشیزہ ہند	صادق حسین صدیقی	60-00
فتح خیبر	صادق حسین صدیقی	80-00
اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا	صادق حسین صدیقی	125-00
محمد بن قاسم	صادق حسین صدیقی	150-00
فتح بیت المقدس	صادق حسین صدیقی	100-00
سلطان محمد غوری	صادق حسین صدیقی	65-00
فتح مصر	صادق حسین صدیقی	85-00
عماد الدین زنگی	صادق حسین صدیقی	125-00
نازنین عرب	صادق حسین صدیقی	90-00
بہادر حور	صادق حسین صدیقی	200-00
جنگ فلسطین	صادق حسین صدیقی	100-00
ساعقہ	صادق حسین صدیقی	100-00
فتح کافرستان	صادق حسین صدیقی	75-00
غزوات النبیؐ	صادق حسین صدیقی	75-00
ہاشمی دوشیزہ	صادق حسین صدیقی	90-00
فتوح العجم	صادق حسین صدیقی	125-00
حور عرب	صادق حسین صدیقی	75-00
شہزادہ خضر خاں	صادق حسین صدیقی	100-00

ناول	مصنف	قیمت
سلطان فیروز شاہ تغلق	صادق حسین صدیقی	100-00
معرکہ صلیب	صادق حسین صدیقی	80-00
عجیب جنگ	صادق حسین صدیقی	80-00
بت شکن	صادق حسین صدیقی	150-00
سنگدل ملکہ	صادق حسین صدیقی	90-00
جنگ اصفہان	صادق حسین صدیقی	75-00
بنت حلب	صادق حسین صدیقی	90-00
افریقہ کی دلہن	صادق حسین صدیقی	75-00
محبوبہ اور خان	صادق حسین صدیقی	75-00
جوشِ جہاد	صادق حسین صدیقی	75-00
فتح کابل	صادق حسین صدیقی	75-00
سعید و فلپانہ	صادق حسین صدیقی	80-00
حورِ مراکش	صادق حسین صدیقی	80-00
عربی دوشیزہ	صادق حسین صدیقی	100-00
وامس ابوالہول	صادق حسین صدیقی	50-00
دوشیزہ کابل	صادق حسین صدیقی	100-00
بہادر کرد	صادق حسین صدیقی	75-00
خلیفہ اعظم	صادق حسین صدیقی	95-00
فتوح الشام	صادق حسین صدیقی	69-00
غیاث الدین بلبن	صادق حسین صدیقی	75-00
مشرق کے چاند	صادق حسین صدیقی	85-00
فتح ایران	صادق حسین صدیقی	75-00
حور ایران	صادق حسین صدیقی	150-00
جنگ جرمن	صادق حسین صدیقی	80-00
معرکہ روم و یونان	صادق حسین صدیقی	150-00
نقاب پوش پیغمبر	صادق حسین صدیقی	100-00
سسلی کی ساحرہ	صادق حسین صدیقی	100-00
شیر دکن	صادق حسین صدیقی	100-00
اندلس کے دو چاند	صادق حسین صدیقی	200-00

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور۔ فون: 7231595